رہنمائے خطباء ٹیلیگرام چینل کا علمی، دینی، دعوتی اور اصلاحی؛ برقی مجلہ

ماہنامہ

السعید

برقی مجلہ

بیاد گار: رئیس المحدثین حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری رحمہ اللہ

آغاز بہ خصوصی شمارہ

بنام ”تذکرۂ سعیدؒ“ جلد اول

شوال المکرم ۱۴۴۱ھ مطابق جون ۲۰۲۰ء

سرپرست

حضرت اقدس مولانا مفتی اشتیاق احمد صاحب قاسمی دامت برکاتہم

استاذ جامعہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند

مرتب

انس احمد قاسمی

معاونین: صدیق احمد داری ☆ اکرام الحق رشیدی

رہنمائے خطباء ٹیلگرام چینل کا علمی، دینی، دعوتی اور اصلاحی؛ برقی مجلہ

ماہنامہ

السعید

برقی مجلہ

آغاز بہ خصوصی شمارہ: بنام "تذکرۂ سعید ؒ" جلد اول

بیادگار: رئیس المحدثین حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری ؒ

جلد نمبر: ۱

شوال المکرم، ۱۴۴۱ھ مطابق جون، ۲۰۲۰ء

شمارہ نمبر: ۱

سرپرست

حضرت اقدس مولانا مفتی اشتیاق احمد صاحب قاسمی دامت برکاتہم

استاذ جامعہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند

مرتب

انس احمد قاسمی

خادمِ تدریس: مدرسۂ جامع العلوم، آمبور

آئینہ مضامین

نقوش وتاثرات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مدیر محترم سے۔۔۔!

میرے محسن ومربی استاذ محترم حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ ہم کو داغ مفارقت دے کر چلے گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

دو ہفتے سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے، مگر ذہن میں یکسوئی نہیں ہے، کچھ لکھنا چاہتا ہوں تو یادوں کی دنیا بڑی بھیانک صورت اختیار کر لیتی ہے، اس لئے ابھی تک کچھ لکھنے کی طاقت اپنے اندر نہیں پا رہا ہوں، معلوم ہوا کہ ماہنامہ "السعید" کا پہلا شمارہ حضرت کی حیات وخدمات پر مشتمل ہو کر منصہ شہود پر آ رہا ہے، افسوس کہ اس میں میری کوئی تحریر شائع نہیں ہو پا رہی ہے، مگر مدیر محترم سے گذارش ہے کہ:

۱۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق کوئی مبالغہ آمیز تحریر شائع نہ ہو، حضرت نے "مسلکِ دیوبند" کو جس طرح اعتدال سے سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی ہے بلکہ ہر تحریر اور ہر تصنیف اعتدال کا مظہر ہے، ہمیں اس دائرے کو پار نہیں کرنا چاہیئے!

۲۔ جو بات واقعاتی لحاظ سے ذرا بھی کچی ہو، اس کو شاملِ اشاعت نہ فرمائیں!

۳۔ مجلہ کی ضخامت کو کامیابی نہ سمجھیں!

۴۔ کسی مضمون نگار کے مضمون پر مدیر ہونے کی حیثیت سے اچھی طرح گہری نظر ڈالیں اور حوصلہ سے حک وفک اور حذف دور کریں!

۶۔ چونکہ آپ کو اشاعت کی جلدی ہے، اسلئے خود سے ناقدانہ نگاہ ڈالیں اور جہاں پر اطمینان نہ ہو مشورہ کر لیں، میرے اندر ابھی کچھ کرنے کی ہمت نہیں ہے، میرے لئے صبر جمیل کی دعا فرمائیں!

والسلام غمگین وبے مایہ:

اشتیاق احمد

مدرس دارالعلوم دیوبند

۱۴/ شوال ۱۴۴۱ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رہنمائے خطباء ٹیلگرام چینل؛ایک تعارف

یہ چینل دراصل مشہورومعروف ٹیلیگرام چینل دارالمؤلفین کے منتظمین ہی کی ایک اور کاوش ہے؛جس کا مقصد ائمہ وخطباء کے لئے مواد فراہم کرنا ہے؛اس لئے کہ جمعہ یا کسی عنوان پر خطاب کرنا ہوتو خطیب کے سامنے دوباتیں ہوتی ہیں ایک عنوان کی تعیین اور دوسرے عنوان کے مطابق مواد کا حصول۔اگر عنوان متعین ہو گیا تو مواد کو اکٹھا کرنے کے لئے مستقل محنت کرنی پڑتی ہے کہ وہ عنوان کن کن کتابوں میں ہے؟؛جبکہ بہت سی کتابیں کئی کئی جلدوں پر مشتمل ہوتی ہیں،تلاش کرنے میں کافی دشواری ہوتی ہے؛لہذا خطباء کی سہولت کے پیش نظر منتظمینِ دار المؤلفین کے رائے مشورے سے ایک مستقل چینل بنام رہنمائے خطباء ٹیلگرام چینل ایک سال قبل شروع کیا گیا تھا۔

طریقہ کار

اس کا طریقہ کار یہ رہا کہ اکابر کے خطبات وبیانات،مقالات ومضامین (جو کتابی شکل میں موجود ہیں)اور معتبر ماہناموں سے مختلف عنوانات پر مضامین کو مع حوالے اکھٹا کر کے فہرست کی شکل میں ارسال کرتے رہے۔مثال کے طور پر "نکاح" اس عنوان پر ہمارے چینل دارالمؤلفین میں "خطبات وبیانات،مقالات ومضامین اور ماہنامے" میں نکاح سے متعلق جتنے ذیلی مضامین ہیں جیسے نکاح کا مسنون طریقہ،حقوق نکاح،منکرات نکاح اور مہر کی شرعی حیثیت وغیرہ وغیرہ۔قسط وار ان کتابوں سے (۱) کتاب کا نام (۲) جلد نمبر (۳) اور صفحہ نمبر کی تعیین کے ساتھ ایک جامع فہرست مع ڈاؤنلوڈ لنکس ارسال کی جاتی رہی۔کلک کرنے پر مطلوبہ جلد تک رسائی ہو جاتی اور احباب وہاں کتاب ڈانلوڈ کر کے مطالعہ کر لیتے تھے۔

آپ حضرات کی حوصلہ افزائی اور توجہات کی برکت سے "ماہنامہ رہنمائے خطباء" کے نام سے علمی،تحقیقی اور اصلاحی مضامین پی،ڈی،ایف کی شکل میں بھی شائع کرتے رہے۔ابھی گذشتہ چند دنوں سے مجلہ کا نام بدلنے سے متعلق مشورہ ہو رہے تھے۔الحمد للہ مشاورت کے بعد اس مجلہ کے لیے حضرت اقدس مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری رحمہ اللہ کی طرف انتساب کرتے ہوئے "ماہنامہ السعید" کا نام تجویز کیا گیا ہے۔

فہرستِ رہنمائے خطباء؛

ہمارا ابتدائی جو طریقہ کار رہا،اس کو بھی اس مجلہ میں شامل کیا جائے گا۔اور جہاں خطباء وائمہ کے لئے ماہانہ مواد فراہم کیا رہا ہے،وہیں پر حضرت اقدسؒ کے علمی افادات کی اشاعت بھی کی جائے گی۔

چینل میں شمولیت کا طریقہ کار؛

(۱) جن حضرات کے پاس پہلے سے ٹیلی گرام فبہا ورنہ پلے اسٹور / ایپ اسٹور سے ٹیلی گرام ڈاؤنلوڈ کرلیں۔

(۲) اپنے موبائل نمبر سے اکاؤنٹ جاری کروالیں۔

(۳) دارالمؤلفین اور رہنمائے خطباء کی لنک حاصل کر کے یا تلاش کے خانے میں ان دو چینلوں کی تلاش کریں اور join کا بٹن کلک کر کے شامل ہو جائیں اور ہزاروں کتب کے ساتھ ماہنامہ السعید سے مفت مستفید ہوں۔ جزاکم اللہ خیرا۔

انس احمد قاسمی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ السعید؛ ایک تعارف

محبتِ عقلی کے اثرات کا اندازہ اب تک نہیں ہوا تھا، ذہن میں تھا کہ محبت عقلی کا مقام بجائے دل کے عقل ہو گا لیکن جب پچیس رمضان المبارک کے علی الصباح استاذِ گرامی قدر، محدث عظیم، یگانہ روز گار، فقیہ بے مثال حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالنپوریؒ کی سانحہ وفات کی جانکاہ خبر بذریعہ واٹساپ موصول ہوئی تو اندازہ ہوا کہ محبت عقلی کیا چیز ہوتی ہے! اس حادثہ کے بعد نبی پاک ﷺ کے وصال کے وقت فاروقِ اعظم کا اپنے تمام تر کمالات کے باوصف آپے سے باہر ہو کر وصالِ نبوت کے قائل کے خلاف تلوار سونت لینا کچھ عجیب نہیں لگتا۔

حضرت الاستاذ کے وصال کے بعد تھوڑی مدت کے لئے یوں محسوس ہوا کہ عالم سے علم کا سرچشمہ ہمیشہ کے لئے سوکھ گیا اور حقائق و معارف کا مخزن تا ابد کے لئے حوالہ خاک ہو گیا، بعد از مدت ہوش سنبھالا اور حضرت کے علوم و معارف کا اتھاہ سمندر یاد آیا تو دل پر شدید چوٹ سی لگی کہ آہ! حضرت کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کرنے کا فرض بنتا ہے کہ ان جواہر پاروں کی رکھوالی کی جائے اور تاوسعتِ امکان نشر و اشاعت کے ذریعہ ان کی پاسبانی کی جائے، لہذا اسی عظیم مقصد کے مختلف خاکے بناتا ہوا کئی ایک دن بیت گئے بالآخر ہمارے رفیقِ محترم مفتی انس احمد قاسمی صاحب کے وساطت سے ٹیلی گرام کے مشہور چینل "رہنمائے خطباء" میں ایک برقی مجلہ حضرتؒ کی یاد میں آپ ہی کی طرف انتساب کرتے ہوئے بنام "ماہنامہ السعید" برقی مجلہ شائع کرنے کا ارادہ ہوا، بات مجلہ کی سرپرستی کی آئی تو اللہ عزوجل نے یہ مشکل بھی بآسانی حل کر دی کہ حضرتؒ ہی کے عظیم شاگرد، دارالعلوم دیوبند کے مؤقر استاد حضرت مولانا اشتیاق احمد صاحب دامت برکاتہم نے بڑی فراخ دلی سے اس کی سرپرستی کو قبول فرمالیا، الحمد للہ اب یہ مجلہ حضرت موصوف کی سرپرستی اور استاد گرامی قدر حضرت مولانا مفتی اقبال احمد صاحب قاسمی دامت برکاتہم کی دعاؤں سے آن لائن شائع ہونے جارہا ہے۔

اس کا ابتدائی شمارہ حضرت الاستاذ کی سوانح اور تعزیتی خطوط و مضامین پر مشتمل ہے اور مزید سینکڑوں خوشہ چینوں کے مضامین اشاعت کے منتظر ہیں جن کو آنے والے ماہناموں میں اشاعت کا ارادہ ہے اس کے بعد ان شاء اللہ یہ ایک انوکھا اور منفرد اسلوب کا حامل برقی مجلہ ہو گا جس میں ہر ماہ حضرت ممدوحؒ کی طرف منسوب آپ کے علوم و معارف پر مشتمل ایک کالم ضرور ہو گا کیونکہ یہی اس کا مقصود اصلی ہے۔

اس سلسلے میں ٹیلی گرام کے مشہور و معروف چینل دالمؤلفین اور رہنمائے خطبائے کے ارباب انتظام بالخصوص مفتی انس احمد قاسمی صاحب انتہائی مبارکبادی کے مستحق ہیں جن کی شب وروز کی محنت سے یہ عظیم کارنامہ آپ کے حوالہ نظر ہورہاہے، اللہ موصوف کو اجرِ جزیل عطافرمائے اور اس کام میں ہمت واستقامت کی توفیق عطافرمائے۔ آمین

قارئین سے امید کی جاتی ہے کہ ہمارے دیگر کاموں کی طرح اس کی بھی حوصلہ افزائی فرمائیں گے۔

یہ ذہن میں رہے:

❖ آخر میں یہ اعلان کر دینا ازبس ضروری ہے کہ قارئین علماء اگر اس ماہنامہ میں کوئی کمی محسوس کریں یا کوئی مفید رائے دیناچاہیں تو درجِ ذیل ای میل آئی ڈی کا بلا جھجھک استعمال فرمائیں ان شاءاللہ ہم ممنون ہوں گے۔

((rahnumaekhutaba@gmail.com))

❖نیزاسی ای میل پتہ پر حضرتؒ کے علوم و معارف تحریری شکل میں نیز دیگر ٹائپ شدہ مضامین قبول کئے جائیں گے ، یادرہے کہ موادِ مضامین سے حضرات سرپرست اور مجلس ادارت کا اتفاق ضروری ہے بصورتِ دیگر ہم اس مجلہ میں اس کی اشاعت سے معذور ہیں۔

❖ یہ ماہنامہ صرف انٹرنیٹ پر ٹیلی گرام اور دیگر صفحات پر شائع ہوگالہذا اس کی ہارڈ کاپی کی تلاش بے سود ہوگی۔

❖ یاد رہے ہمارے یہ کام منافع خوری کی لالچ سے پاک خالصتاً لوجہ اللہ حضرتؒ کی یاد میں ہے لہذا اس میں مندرج مضامین کا غلط استعمال عند اللہ خود کو ماخوذ بنانے کے لئے تیار کرنا ہے۔

❖ نیز مضامین کو ٹائپ کرنا ایک وقت طلب کام ہے اس لئے خود ٹائپ کرا کر یا واٹساپ یا ٹیلی گرام پر تحریر کر کے بھیجنے کی زحمت گوارا فرمائیں۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔

صدیق احمد داری

تعزیتی خطوط

تعزیت نامہ

مکرمی حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب پالن پوری و دیگر برادران گرامی، وجناب مولانا وحید احمد صاحب و دیگر صاحبزادگان محترم

(حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری قدس سرہ)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری قدس اللہ سرہ کی وفات حسرت آیات کا جو حادثہ عظمیٰ آج صبح پیش آیا، اس پر اپنی جانب سے نیز دارالعلوم کے تمام ارکانِ شوری، اساتذہ کرام اور کارکنان و خدام کی جانب سے آپ حضرات کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتاہوں، اللہ رب العزت آپ حضرات اور تمام متعلقین و محبین کو صبر جمیل عطا فرمائے اور حضرت مرحوم کو اعلیٰ علیین میں مقام بلند نصیب فرمائے۔ آمین۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اس موقع پر ہم سبھی مستحق تعزیت ہیں۔ اسلئے کہ ہم سب کیلئے مشترک حادثہ ہے۔ بلاشبہ حضرت مفتی صاحب دارالعلوم کی مسند تدریس کی آبرو اور جماعت دیوبند کے علمی سالار تھے۔ انہوں نے تقریبا نصف صدی تدریسی خدمات انجام دیں اور مقبولیت کا اعلی معیار حاصل کیا۔ ان کا شوق تدریس اور سبق میں انہماک حضرات اکابر کی یاد تازہ کرتا تھا۔ اسی کے ساتھ اللہ رب العزت کی توفیق سے انہوں نے بلند پایہ تصنیفی و تالیفی خدمات بھی انجام دیں۔ رحمۃ اللہ الواسعہ، تحفۃ القاری، تحفۃ الالمعی اور ہدایت القرآن وغیرہ جیسی گراں قدر تالیفات ان کے نام کو زندہ جاوید رکھنے کیلئے کافی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ فنافی العلم تھے اور انکی شخصیت سے علم کی خوشبو مہکتی تھی، علم ان کا اوڑھنا بچھونا تھا، وہ اپنی مسلسل محنت اور علمی اشتغال کے اعتبار سے اسلاف کی یادگار تھے۔ ایسی شخصیت کا اٹھ جانا نہ صرف آپ حضرات کیلئے بلکہ پوری جماعت دیوبند اور ملت اسلامیہ کیلئے عظیم سانحہ ہے۔

میں غم کی اس گھڑی میں آپ تمام حضرات سے تعزیت کرتے ہوئے دعاگو ہوں کہ اللہ رب العزت حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور آپ حضرات اور تمام اہل تعلق کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

والسلام

ابوالقاسم نعمانی

مہتمم دارالعلوم دیوبند

۲۵ / رمضان المبارک ۱۴۴۱ مطابق ۱۹ مئی ۲۰۲۰ء

تعزیت نامہ

امیر الہند مولانا قاری سید محمد عثمان منصور پوری، جمعیۃ علماء ہند

جمعیۃ علماء ہند کے صدر امیر الہند مولانا قاری سید محمد عثمان منصور پوری اور ناظم عمومی مولانا محمود مدنی نے دارالعلوم دیوبند کے انتہائی موقر شیخ الحدیث وصدرالمدرسین حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری کی وفات حسرت آیات پر دلی رنج والم ظاہر کیا ہے، حضرت مولانا کے دارالعلوم دیوبند میں درس و تدریس کے اڑتالیس سالہ دور میں ہزارہا تشنگان علوم سرچشمہ فیض سے بلا واسطہ فیضیاب ہوئے، جنکے قلمی فیوض اہل علم کیلئے نعمت لازوال ہیں۔ آپ جیسے کریم النفس صاحب تقوی مشفق استاذ کا سایہ بہت بڑی سعادت اور انکی وفات بری محرومی اور عظیم نقصان ہے۔ آپ کی ذات ستودہ صفات بہت سی علمی و عملی خوبیوں کا مظہر تھی۔ رحمۃ اللہ الواسعہ شرح حجۃ اللہ البالغہ، افادات درس ترمذی، تحفۃ الالمعی، افادات درس بخاری، تحفۃ القاری، زبدۃ الطحاوی، داڑھی اور انبیاء کی سنتیں، حرمت مصاہرت، العون الکبیر وغیرہ ان کی بہترین تصنیفات ہیں، انکے علاوہ انہوں نے متعدد علمی و فقہی کتابیں لکھی ہیں۔

مولانا موصوف کل ہند مس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند کے ابتداء سے تاحیات ناظم عمومی رہے، انہوں نے دارالعلوم دیوبند میں بوقت ضرورت فتاوی نویسی فرمائی اور اہم فتاوی کے جوابات کی نگرانی فرماتے۔ آپ نے ہمیشہ جمعیۃ علماء ہند اور اکابر جمعیۃ سے خصوصی تعلق رکھا اور دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد ۱۳۸۴ھ میں دارالعلوم اشرفیہ راندیر سورت میں درجہ علیا کے استاذ مقرر ہوئے تو وہاں جمعیۃ علماء کی سرگرمیوں سے باضابطہ وابستہ ہوئے اور مسلسل نو سال تک جمعیۃ علماء راندیر کے ناظم بھی رہے۔ حضرت فدائے ملت مولانا اسعد مدنیؒ ان سے مشورہ فرماتے اور جب بھی مباحث فقہیہ جمعیۃ علماء ہند کے اجتماعات منعقد ہوتے انکو خصوصی طور سے مدعو فرماتے۔ حضرت مولانا سال گذشتہ بھی مباحث فقہیہ کے اجتماع میں شریک ہوئے، وہ فقہ حنفی کے برصغیر میں نامور عالموں میں تھے اور دلائل کی قوت سے مسلک احناف کو عصر حاضر کے مسائل کا بہترین حل کے طور پر پیش فرماتے۔

جمعیۃ علماء حضرت مولانا کے پسماندگان سے ددی ہمدردی ظاہر کرتی ہے اور دست بہ دعا ہے کہ اللہ تعالی اپ کو زمرہ صالحین میں مقام اعلی عطا فرمائے اور انبیاء و صدیقین کا رفیق بنائے۔ نیز اہل خاندان، اولاد و رفقاء، ہزارہا تلامذہ اور ہم متوسلین کو صبر و استقامت کے ساتھ اس غم کو برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

جمعیۃ علماء ہند اپنے تمام جماعتی احباب، دینی مدارس کے ذمہ داروں سے مولانا مرحوم کیلئے ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کے اہتمام کی اپیل کرتی ہے۔ ممبئی میں صبح حضرت مولانا موصوف کی انتقال کی خبر موصول ہوتے ہی جمعیۃ علماء ہند کے صدر مولانا قاری محمد عثمان منصور پوری نے دیوبند میں ان کے گھر جاکر برادر خورد حضرت مفتی امین پالن پوری صاحب اور مفتی صاحب مرحوم کے

صاحبزادگان و دیگر اہل خانہ سے تعزیت مسنونہ پیش کی۔ نئی دہلی میں جمعیۃ علماء ہند کے دفتر میں بعد نماز ظہر ایک تعزیتی نشست بھی منعقد ہوئی جس میں دعائے مغفرت کی گئی۔ اس میں جمعیۃ علماء ہند کے سکریٹری مولانا حکیم الدین قاسمی، مولانا کلیم الدین قاسمی، مولانا عرفان، مولانا نجیب اللہ قاسمی، مولانا ضیاء اللہ قاسمی، مولانا یاسین قاسمی، مولانا عظیم اللہ قاسمی سمیت دفتر میں موجود سبھی اسٹاف شریک ہوئے۔۔۔

جاری کردہ

نیاز احمد فاروقی

جمعیۃ علماء ہند (محمود مدنی)

پیغام تعزیت

بروفات حسرت آیات حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری

(حضرت مولانا) محمد سفیان قاسمی (دامت برکاتہم) مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

آج صبح بعد نمازِ فجر متصلاً موبائل پر مکتوب پیغام موصول ہوا کہ استاذ مکرم جناب حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری رحمہ اللہ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند حالیہ مختصر علالت کے بعد بمبئی کے ایک ہسپتال میں وفات پاگئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بارگاہ رب جلیل میں دست بہ دعا ہوں حق تعالیٰ اپنے بیکراں فضل و احسان کے صدقے میں مرحوم و مغفور کو اعلیٰ علیین میں مقام کریم سے سرفراز فرماتے ہوئے جملہ اہل خانہ و متعلقین کو صبر جمیل کی توفیق سے بہرہ ور فرمائیں۔

عقل انسانی کے وساوس و شکوک سے بھی وراء الوراء اس حقیقت کی صداقت میں کیا کلام ہو سکتا ہے کہ جو کوئی بھی اس دار فانی میں آتا ہے پہلی سانس کے ساتھ ہی اسکی زندگی کا اپنے منطقی انجام کی طرف سفر کا آغاز ہو جاتا اور وقت موعود آجانے پر انجام کار اس کو دار بقاء کی جانب رخت سفر باندھ کر رخصت ہونا ہوتا ہے، کیونکہ موت وحیات اس کارگاہ عالم کی ناقابل تبدیل خاصیات کے لازمی اجزاء کا سب سے اہم ترین حصہ ہے، کوئی بھی انسان ظاہری و معنوی مراتب کی ہی رفعتوں اور بلندیوں کو کیوں نہ عبور کرلے لیکن وقت موعود آجانے پر نہ کسی کیلئے کوئی راہ فرار ہے، نہ کوئی استثناء اور نہ کسی کیلئے کوئی رعایت، اگر مشیت رب میں استثناء کو امکان کا درجہ حاصل ہوتا تو الاقرب فالاقرب کی بنیاد پر روئے زمین پر حق تعالیٰ کے سب سے مقدس و محبوب ترین طبقہ انبیاء اور اسمیں بھی بالخاص نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام اس مرتبہ استچناء کے احق قرار پاتے لیکن اس حوالے سے از روئے کلام اللہ قانون ازلی بیان فرمادیا گیا ہے "کل من علیہا فان ویبقٰی وجہ ربك ذوالجلال والاکرام"۔

بشمول ملک کے مختلف علمی دوائر و اجتماعیات میں حضرت مفتی صاحبؒ کی رحلت پر دارالعلوم وقف دیوبند میں ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کا اہتمام کایا گیا۔ حق تعالیٰ جملہ تلامذہ و محبین کی دعاوں کو شرف قبولیت سے سرفراز فرماتے ہوئے حصرت کو آسودہ رحمت فرمائیں۔ آمین یارب العالمین

محمد سفیان قاسمی

مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

۲۵/ رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ

تعزیت نامہ

بر وفات حسرت آیات حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوریؒ

حضرت مولانا سعید الرحمن صاحب، مدیر دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

بخدمت گرامی حضرت مہتمم صاحب مد ظلہ، دار العلوم دیوبند

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! مزاج شریف!

ابھی ابھی حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالنپوریؒ کی اچانک وفات کی خبر معلوم ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بہت بلند فرمائے۔ المتوفیٰ علم ودین کی بے مثال خدمات انجام دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں اور دار العلوم کو ان کا بدل عطا فرمائیں۔ آپ اور سبھی حضرات اساتذہ اور طلبہ کی خدمت میں تعزیت پیش ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے درخواست ہے کہ وہ ان کو شایانِ شان جزاء عطا فرمائیں اور تمام پسماندگان کو صبر جمیل اور ودعا سے نوازیں۔ والسلام

مخلص

سعید الرحمن اعظمی

مدیر دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

تعزیت نامہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکرمان و محترمان پسران حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد پالنپوریؒ

(شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

آج ۲۵ رمضان المبارک کو علی الصباح یہ جانکاہ و دلگداز خبر صاعقہ اثر ملی کہ اسلام کے عظیم فقیہ و محدث حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوریؒ نے مختصر علالت کے بعد ممبئی کے اسپتال میں داعی اجل کو لبیک کہا اور خالق حقیقی سے جاملے۔ اناللّٰہ وانا الیہ وانا الیہ راجعون۔

مفتی صاحب موصوف دور حاضر کے مثالی محدث، بیباک خطیب، ادیب اریب اور فقیہ لبیب تھے وہ اخیر عمر میں مسلک علمائے دیوبند کے عظیم ترجمان اور شان تھے ان کے وجود سے طبقۂ علماء کو سکون اور قرار تھا، ان کی گفتگو عالمانہ، ان کی تحریریں محققانہ، ان کا طرز تحریر ادیبانہ اور ان کا اشہب قلم سچ اور حق کا پاسبان وچوبدار تھا، انہوں نے تقریباً نصف صدی تک علم فقہ اور حدیث کی شان کے ساتھ خدمت انجام دے کر نئی نسل کی تعمیر و تشکیل میں کلیدی کردار ادا فرمایا ہے۔

مفتی صاحب جس بات کو سچ اور حق سمجھتے تھے اس کے لکھنے اور بیان کرنے میں کسی لومۃ لائم کی پرواہ نہیں کرتے تھے، وہ اپنی ٹھوس استعدادِ علمی اور کمالات فقہی کے باعث دیوبندیت کی ڈھال تھے، انہوں نے مظاہر علوم (وقف) سہارنپور میں چند سال پہلے اجلاس ختم بخاری کے موقع پر ڈیڑھ گھنٹہ تک مظاہر علوم کے اپنے دور طالب علمی، یہاں کے اپنے اساتذہ اور اس وقت کے حالات اور ماحول پر دلچسپ تقریر فرمائی تھی، مفتی صاحبؒ کو مظاہر واکابر مظاہر سے بے انتہا محبت رہی، چنانچہ انہوں نے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ سے اپنے اصلاحی تعلق کی شروعات کی تھی بعد میں فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسین سے خلعت خلافت حاصل ہوئی، چنانچہ یہ خلافت نامہ مفتی محمد امین پالن پوری نے مفتی صاحب کی شرح حجۃ اللہ البالغہ کے ابتدائیہ میں شامل کرکے جاوید بنادیا ہے۔

اس آنی جانی اور فانی دنیا میں قرار کسی کو نہیں ہے سب کی تقدیر میں یہاں سے فرار مقدر ہے، موت سے سبھی کو ہمکنار ہونا ہے، کل نفس ذائقۃ الموت ایک سچائی ہے جس سے مجال انکار کسی کو نہیں ہے، اب جب کہ مفتی صاحب ہمارے درمیان نہیں رہے تو اس موقع پر ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم تعلیمات شریعت، سیرت نبوی اور احکامات قرآنی کی روشنی میں اپنی زندگیاں گزار کر

ان کی روح کو شاد اور ان کے مشن کو صاد کریں، زیادہ سے زیادہ دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کریں، رمضان المبارک کے عشرۂ اخیر میں ان کا اس دنیا سے پردہ فرمانا اِن شاء اللہ اللہ کی رضا، قرب اور عنایات سے لطف اندوز ہونے کا باعث ہوگا۔

اس المناک حادثہ، جانکاہ صدمہ اور صاعقہ اثر خبر کلفت اثر پر ہم اپنے آپ کو مستحق تعزیت سمجھتے ہیں۔ ان للہ ما أخذ ولہ ما أعطی و کل شئی عندہ بأجل مسمی فلتصبر ولتحتسب۔ یااللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحبؒ کو جنت الفردوس میں مقام رفیع عطا فرما اور ان کے مشن کے احیا و سربلندی کے لئے غیب سے سامان پیدا فرما۔

والسلام

محمد سعیدی

ناظم و متولی مظاہر علوم (وقف) سہارنپور

۲۵؍رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ

تعزیت نامہ

برادرانِ محترم وفرزندانِ ذی وقار حضرت اقدس مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محدث کبیر فقیہ العصر حضرت اقدس مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات یقینا امت کیلئے ایک عظیم علمی خسارہ ہے۔ آپ ایک عظیم محدث، مفسر قرآن، شارح حدیث، علم کے سمندر، سادگی کے پیکر تھے۔ حضرتؒ کے فراق سے ہم مغموم وسوگوار ہیں۔ اللہ تعالٰی حضرت کو اعلٰی علیین میں جگہ نصیب فرمائے۔ آپ کی قبر کو نور سے بھر دے اور جنت کا باغ بنادے۔ ہم سب کی جانب سے اللہ تعالی اپنی شایان شان اجر جزیل نصیب فرمائے۔ امت میں پیدا ہوئے خلا کو پُر فرمائے۔ آپ کا ہمیں خصوصا دارالعلوم دیوبند کیلئے نعم البدل نصیب فرمائے۔ آپ کے متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ اس حادثہ فاجعہ کی خبر سن کر ہم نے ایصال ثواب کیا اور سلسلہ جاری ہے۔

ہم خدام امارت شرعیہ تملناڈو آپ حضرات کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتے ہیں۔ اللہ تعالٰی حضرت کے جملہ خدمات جلیلہ کو قبول فرما کر صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین

حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پرنامبٹ

(امیر شریعت تملناڈو)

حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب رشادی، پلاپٹی (نائب امیر شریعت تملناڈو)

حضرت مولانا مفتی ابو الحسن محمد یعقوب صاحب قاسمی (نائب امیر شریعت تملناڈو)

تعزية

بسم الله الرحمن الرحيم

تعزية في وفاة فضيلة الشيخ المحدث/سعيد أحمد البالنبوري -رحمه الله

إلى طلاب الشيخ /سعيد البالنبوري -رحمه الله- وكذلك إلى محبيه وزملائه -حفظهم الله

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته، وبعد

فقد بلغنا نبأ وفاة فضيلة الشيخ المحدث/سعيد بن أحمد البالنبوري -رحمه الله- فدمعت العين وحزن القلب، ولا نقول إلا ما يرضى ربنا: إنا لله وإنا إليه راجعون.

وأقول لجميع طلابه ومحبيه وزملائه من المشايخ: أحسن الله عزاءكم وأعظم أجركم وأنزل عليكم الصبر في هذا المصاب، وأسأل الله أن يعوض الأمة خيرا.

وأقول لطلابه وطلاب العلم في القارة الهندية: الله الله في الجد في التحصيل وطلب العلم، وضبط العلم إتقانه والسعي في حفظه، فإن ذهاب العلماء يحملكم مسؤولية الاستعداد بما ذكر وغيره للقيام بالمسؤولية من بعدهم.

اللهم اغفر لعبدك سعيد البالنبوري، وارحمه وأسكنه الفردوس الأعلى من الجنة واجعله مع الذين أنعمت عليهم من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين، آمين.

وكتب الفقير إلى الله تعالى:

عامر بن محمد فداء بهجت

المدينة النبوية في السادس والعشرين من شهر رمضان المبارك لعام 1441ھ

تعزیت نامہ

ایک عبقری شخصیت حضرت مفتی سعید صاحب پالن پوریؒ

عباس داود بسم اللہ

صدر مفتی جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل

یوں تو دنیا میں ہمیشہ رہنے کے لیے کون آیا ہے، آج نہیں تو کل ہر ایک کو یہ مسافر خانہ چھوڑ کر حقیقی منزل کی طرف کوچ کر جانا ہے لیکن اللہ کے کچھ نیک بندے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کی رحلت پر ایک عالم افسردہ ہو جاتا ہے، وہ تنہا نہیں جاتے، بلکہ ان کے ساتھ بہاروں کا ایک موسم رخصت ہو جاتا ہے اور رہ جاتی ہیں تو فقط ان کی حسین یادیں۔

جانے والے کبھی نہیں آتے ✭ جانے والوں کی یاد آتی ہے

حضرت اقدس مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری (شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند، ورکن شوری جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین رڈابھیل رسملک) ان باکمال ہستیوں میں سے ایک تھے جن کا وجود مسعود تشنگان علم کے لیے سراپا خیر اور ان کی ذات ہزاروں طالبان علوم نبوت کے لئے مشعل ہدیٰ تھی، مگر افسوس پھیپھڑوں میں پانی آنے کی وجہ سے ممبئی کے ایک ہسپتال میں وہ شمع ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئی۔

حشر تک اب زباں نہ کھولیں گے ✭ تم پکاروگے ہم نہ بولیں گے

خبر وفات سن کر دل کو بڑا رنج والم ہوا، ہم مفتی صاحب قدس سرہ کے تمام پسماندگان کو تعزیت پیش کرتے ہیں واللہ تعالی حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی جوار رحمت عطا فرمائے، اہل خانہ و متعلقین کو صبر جمیل دے، اور امت کو نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین

(مفتی) عباس داود بسم اللہ

صدر مفتی جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل رسملک، وشیخ الحدیث جامعۃ القراءات کفلیۃ سورت رگجرات

۳۰/رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ

تعزیت بروفات استاذ مکرم حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری رحمہ اللہ تعالی

شریک غم : (مفتی) خالد سیف اللہ گنگوہی (مدیر) جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

۲۶ / رمضان المبارک ۱۴۴۱ ھجری مطابق ۲۰ مئی ۲۰۲۰ چہار شنبہ

گرامی قدر حضرت مولانا مفتی امین احمد پالن پوری و پسر ان ذی احترام حضرت اقدس مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گزشتہ کل ہی قدرے تاخیر سے یہ خبر وحشت اثر معلوم ہو کر انتہائی صدمہ ہوا کہ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث وصدرالمدرسین ہزاروں علماء کے قابل فخر استاذ، فقیہ النفس، عالم بے بدل، استاذ اکبر حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ طویل علالت کے بعد مسافران آخرت میں شامل ہو گئے اناللہ وانا الیہ راجعون ۔ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطی وکل شيئ عندہ بأجل مسمی فلتصبر والتحتسب ۔

یہاں جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ کے شیخ الحدیث اور ہمارے محسن و مخلص استاذ حضرت شیخ مولانا وسیم احمد سنسار پوری رحمہ اللہ کی وفات کا غم بالکل تازہ تھا کہ عالم جلیل اور محدث شہیر حضرت مفتی صاحب بھی داغ مفارقت دے گئے آپ کی وفات سے فضل وکمال کی ایک بستی اجڑ گئی۔ علم و تحقیق کا ایسا فرہاد چل بسا جس نے ساری زندگی قال اللہ و قال الرسول کی تفہیم و تشریح کیلئے وقف کر دی تھی آپ کی وفات در حقیقت ایک عالَم کی وفات ہے

وما کان قیس ھلکہ ھلك واحد، ولکنہ بنیان قوم تھدما

حضرت مولانا کی اپنی انفرادیت تھی امام شعبہ یحي بن سعید قطان اور علی ابن المدینی جیسے محدثین و محققین کی خوبوان میں جھلملاتی تھی۔ حضرۃ الأستاذ نے درس و تدریس، تصنیف تالیف اور اصلاح وتربیت کے جو مثالی نمونے چھوڑے ہیں اس سے آپ کا نام اور کام بھی زندہ رہے گا جبکہ جویانِ علم استفادہ کر کے اپنا اپنا دامنِ مراد بھی بھر سکیں گے۔ لاریب حضرت مولانا راسخین فی العلم کے زمرہ میں شمار ہوتے ہوتے تھے ان کا علم بالکل تازہ اور پختہ تھا بخاری وترمذی شریف کے مقبول شارح ہونے کے ساتھ درجنوں کتابیں انہوں نے مختلف موضوعات پر تصنیف فرمائی۔ مسند الھند حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلوی کی شہرۂ آفاق تصنیف حجۃ اللہ البالغہ اور قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا نانوتوی کی بعض کلامی کتابوں کو اردو کے قلب و قالب میں اس طرح ڈھالا کہ علمی دنیا آپ کی ممنون احسان بن گئی تقبل اللہ جھودہ وتغمدہ بواسع رحمتہ ۔

اس خاکسار پر بھی حضرت کی شفقتیں دراز تھیں ظاہری ملاقاتیں اگرچہ بہت کم رہیں لیکن لوجہ اللہ آپ سے جو عقیدت و الفت کا رشتہ تھا حضرت مرحوم اسے پانی دیتے تھے دیوبند یا باہر کبھی ملاقات ہوتی تو کرم گستری کا معاملہ فرماتے تھے۔ گنگوہ بھی کئی بار تشریف لائے ایک موقعہ پر بندہ نے شمائل ترمذی شریف کے افتتاحی درس کیلئے درخواست گزاری تو کسی لیت و لعل کے بغیر قدم رنجہ فرمایا۔ چندماہ پہلے ہی گجرات کے ایک سفر میں آپ کے فرزند والاصفات کی علالت اور وفات کی خبر ملی تو بندہ وہیں خدمت میں حاضر ہوا مجھے وہاں دیکھ کر بہت منشرح ہوئے اور بڑی دعائیں دیں۔ المختصر یہ کہ انھیں دینی و علمی اشتغال رکھنے والے اپنے تلامذہ کی قدر تھی افسوس کہ گردش شام وسحر سے متأثر ہو کر اس عالمی شخصیت نے بھی ہم سے منھ موڑ لیا جس سے محرومیوں کا سلسلہ اور دراز ہو گیا ہے لیکن مشیت خداوندی کے سامنے ہم سر تسلیم خم کرتے ہوئے دعا گو ہیں کہ حق تعالی شانہ حضرت استاذ محترم کی مغفرت کاملہ فرمائے، زلات سے درگزر فرما کر بہشت بریں میں ٹھکانہ دے اور تمام پسماندگان متعلقین اور تلامذہ کو صبر و سکون نصیب فرمائے۔ میری طرف سے حضرت کے افراد خانہ اور جملہ محبین کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش ہے اور دعا کی درخواست بھی والسلام۔

شریک غم : (مفتی) خالد سیف اللہ گنگوہی

(مدیر) جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

۲۶ / رمضان المبارک ۱۴۴۱ ھجری مطابق ۲۰ مئی ۲۰۲۰ چہار شنبہ

تعزیت نامہ بروفات

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ

مولانا مجیب اللہ صاحب گونڈوی استاذ حدیث وفقہ دار العلوم دیوبند

۲۵ / رمضان المبارک بروز منگل صبح آٹھ بجے میرے بیٹے عزیزم مولوی وحید اللہ نے میرے پاس آکر یہ اندوہناک خبر سنائی کہ مفتی صاحب کا انتقال ہوگیا.. تو میرے بدن میں جیسے جان ہی نہ رہی ہو دل کی حالت غیر ہوگئی–دراصل رمضان ہی میں ان سے میری دو مرتبہ گفتگو ہوئی اور دونوں مرتبہ انہوں نے پوری بشاشت سے اس طرح گفتگو فرمائی کہ وہ بیمار محسوس ہی نہیں ہو رہے تھے؛ بلکہ پہلی مرتبہ جب گفتگو ہوئی تو الٹے مجھ سے ہی کہنے لگے کہ تمہاری آواز بہت کمزور ہے طبیعت تو ٹھیک ہے نا...؟

ان کی اس پر اعتماد گفتگو سے طبیعت بڑی مطمئن تھی، اور دل میں اس اندوہناک حادثہ کا اندیشہ تک نہ تھا؛ لیکن قدرت کا اٹل فیصلہ کہ ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے، اور ہر شخص کی موت کا ایک وقت متعین ہے، حضرت مفتی صاحب کا وقت موعود بھی رمضان کی بڑی مبارک ساعتوں میں آیا۔

اللہ تعالی کو روح سعید کی عید سعید لاک ڈاؤن کی منحوس دنیا میں منظور نہیں تھی؛ اس لئے رمضان المبارک کے سب سے زیادہ بابرکت عشرہ میں اپنے پاس بلالیا۔

واقعہ یہ ہے کہ ایک تسلسل کے ساتھ یکے بعد دیگرے علماء جس تیزی کے ساتھ دنیا سے اٹھتے جارہے ہیں جنہیں رب کریم اپنی جوار رحمت میں جگہ دے رہے ہیں اسے دیکھ کر ناطق گلاوٹھی صاحب کا یہ شعر یاد آرہا ہے.

محشر میں یا الٰہی کیا عید ہو رہی ہے

جاتے ہیں جانے والے کپڑے بدل بدل کر

وہ خود تو پاکیزہ کفن میں ملبوس خوش خوش رب کریم کی جوار رحمت میں چلے گئے، رہ گئے ہم تو اس لاک ڈاؤن میں عید کی ہر خوشی سے محروم ہیں، جہاں اجتماعی دوگانہ بھی ممکن نہیں، وقت کی ستم ظریفی کہیں یا شومئ قسمت کہ سوچتے ہیں اس عید کو کپڑا بھی بدلیں یا رہنے دیں.

مفتی صاحب کی بیماری ایسی نہیں تھی کہ جس سے کسی کو یہ شبہ بھی ہو کہ اب وقت رحیل ہے، بیماری میں شدت ختم بخاری کے روز طبیعت کی خرابی سے آئی، جب ختم بخاری کے بابرکت موقعہ پر کچھ کلام نہ کرسکے، دعا کیلئے زباں نے ساتھ نہ دیا اور گریہ طاری ہوگیا– جس سے پورے دار الحدیث کی سسکیاں بندھ گئیں اور بار بار یہ کہتے ہوئے اٹھ گئے کہ "اللہ جو چاہے گا وہی ہوگا"

ہو اوہی جو رب کو منظور تھا، اللہ کو اس سعید روح کو اپنے پاس بلانا تھا جو امر رمضان کی مبارک ساعت میں پورا ہوا۔

اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ حضرت مرحوم دار العلوم کے طبقہءِ اساتذہ میں شان امتیازی کے حامل تھے، انداز تدریس اور مشکل مسائل کی تفہیم میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا وہ کامیاب مدرس ہونے کے ساتھ بہترین مصنف بھی تھے، جن میں سر فہرست "حجۃ اللہ البالغہ" کا اردو ترجمہ "رحمۃ اللہ الواسعۃ" تفسیر قرآن اور دیگر فنون کی بہت اہم مفید معتبر کتابیں ہیں، بعض کتابوں کی مقبولیت اس درجہ بڑھی کہ بیشتر مدارس کے نصاب میں داخل ہیں.

انکا درس مقبول عام و خاص تھا ایسا سہل المنال کی عامی شخص بھی درس میں بیٹھ کر مستفید ہو سکے، درس کی قبولیت کا یہ عالم تھا کہ جب قدیم فضلاء اور قرب وجوار کے مدارس کے طلبہ دارالعلوم آتے تو انکے سبق میں شرکت بھی انکے پروگرام کا حصہ بنتی.

علم میں جب سمندر کے مانند گہرائی ہو، عقل پختہ ہو، وسیع مطالعہ ہو تو بعض منفرد تعبیرات کا اضافہ بھی ہوتا ہے جن کو شخصی تفردات کہا جاتا ہے مفتی صاحب کا شمار بھی انہیں علماء میں سے ہے۔

جن کے اپنے تفردات تھے جن سے بعض علماء نے اختلاف کیا اور بعض نے اسکو محض تعبیر کا فرق سمجھ کر قبول کیا۔

مفتی صاحب کا ہمارے درمیان سے چلا جانا ایک بہت بڑا خسارہ ہے ان کے ساتھ علم کا بڑا حصہ اس دنیا سے اٹھ گیا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے إن اللہ لا یقبض العلم انتزاعاً ینتزعه من العباد ولکن یقبض العلم یقبض العلماء (آخر زمانہ میں) اللہ تعالی دین کا علم اس طرح نہیں اٹھائے گا کہ علم دین کو لوگوں کے اندر سے کھینچ لے گا؛ بلکہ (اس دنیا سے) حقیقی علماء کو اٹھا لینے کی صورت میں علم دین کو اٹھائے گا۔

مرحوم کیلئے بہترین خراج عقیدت یہ ہے کہ ہم بھی ان ہی کی طرح اپنے قیمتی اوقات کی حفاظت کریں اور کثرت مطالعہ کے ذریعے اپنے علم میں گہرائی وگیرائی پیدا کریں اور اگر مدرس ہیں تو مولانا مرحوم کی طرح پوری تیاری کے ساتھ درسگاہ میں جائیں انکے منہج تدریس کو اپنا کر تسہیل و تفہیم کے اس نایاب سلسلے کو جاری رکھیں۔

اخیر میں دعا ہے کہ اللہ تعالی حضرت مرحوم کے ساتھ خصوصی فضل کا معاملہ فرمائے دارالعلوم دیوبند کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے، برادران صاحبزادگان اور صاحبزادیوں کو صبر وسکون نصیب فرمائے. آمین یارب العلمین

منجانب:-

مولانا مجیب اللہ صاحب گونڈوی

استاذ حدیث وفقہ دار العلوم دیوبند

مختصر سوانح؛

حیات وخدمات

سوانح حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوریؒ

تحریر: حضرت مولانا مفتی امین صاحب پالن پوری دامت برکاتہم، استاد حدیث دارالعلوم دیوبند
ناقل: عادل سعیدی پالن پوری

مختصر سوانحی خاکہ:

نام: سعید احمد

والد کا نام: جناب یوسف صاحبؒ

جائے پیدائش: کالیڑہ، شمالی گجرات (پالنپور)، انڈیا

تاریخ پیدائش: ۱۹۴۰ء کا آخر مطابق ۱۳۶۰ھ

ابتدائی تعلیم: مکتب (کالیڑہ) شمالی گجرات (پالنپور)، انڈیا

ثانوی تعلیم: مدرسہ سلم العلوم (پالنپور)، مظاہر العلوم (سہارنپور)

تکمیل: دار العلوم دیوبند، (دورۂ حدیث، ۱۳۸۲ھ موافق ۱۹۶۲ء)

موجودہ اہم ذمہ داریاں: شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند

حالیہ پتہ: محلہ اندرون کوٹلہ دیوبند ضلع سہارنپور، یوپی، انڈیا

ولادت باسعادت اور نام:

آپ کی تاریخ ولادت محفوظ نہیں، البتہ والد محترم نے اندازے سے، آپ کا سن پیدائش ۱۹۴۰ء کا آخر مطابق ۱۹۹۷ سمت بکرمی مطابق ۱۳۶۰ھ بتایا ہے، آپ موضع ''کالیڑہ'' ضلع بناس کانٹھا (شمالی گجرات) میں پیدا ہوئے، یہ پالن پور سے تقریباً تیس میل کے فاصلہ پر، جنوب مشرق میں واقع ہے، اور علاقہ پالن پور کی مشہور بستی ہے۔

آپ کا نام والدین نے ''احمد'' رکھا تھا، سعید احمد آپ نے اپنا نام خود رکھا ہے، آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی ''یوسف'' اور دادا کا نام ''علی'' ہے، جو احتراماً ''علی جی'' کہلاتے تھے، آپ کا خاندان ''ڈھکا'' اور برادری ''مومن'' ہے، جس کے تفصیلی احوال ''مومن قوم اپنی تاریخ کے آئینہ میں'' مذکور ہیں۔

تعلیم وتربیت:

جب آپ کی عمر پانچ، چھ سال کی ہوئی، تو والد صاحب نے آپ کی تعلیم کا آغاز فرمایا، لیکن والد مرحوم کھیتی باڑی کے کاموں کی وجہ سے، موصوف کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دے سکتے تھے، اس لئے آپ کو اپنے وطن ''کالیڑہ'' کے مکتب میں بٹھا دیا، آپ

کے مکتب کے اساتذہ یہ ہیں: (۱) مولانا داؤد صاحب چودھری رحمہ اللہ تعالیٰ (۲) مولانا حبیب اللہ صاحب چودھری رحمہ اللہ تعالیٰ (۳) اور حضرت مولانا ابراہیم صاحب جونکیہ رحمہ اللہ تعالیٰ، جو ایک عرصہ تک دارالعلوم آنند (گجرات) میں شیخ الحدیث رہے۔ مکتب کی تعلیم مکمل کرکے، موصوف اپنے ماموں مولانا عبدالرحمن صاحب شیر اقدس سرہ کے ہمراہ ''چھاپی'' تشریف لے گئے، اور دارالعلوم چھاپی میں اپنے ماموں، اور دیگر اساتذہ سے فارسی کی ابتدائی کتابیں، چھ ماہ تک پڑھیں، چھ ماہ کے بعد، آپ کے ماموں دارالعلوم چھاپی کی تدریس چھوڑ کر گھر آگئے، تو آپ بھی اپنے ماموں کے ہمراہ آگئے، اور چھ ماہ تک اپنے ماموں سے ان کے وطن ''جونی سیندھی'' میں فارسی کی کتابیں پڑھتے رہے۔

اس کے بعد مصلحِ امت حضرت مولانا نذیر میاں صاحب پالن پوری قدس سرہ کے مدرسہ میں—جو پالن پور شہر میں واقع ہے ؛ داخلہ لیا، اور چار سال تک حضرت مولانا مفتی محمد اکبر میاں صاحب پالن پوری، اور حضرت مولانا ہاشم صاحب بخاری رحمہا اللہ سے، عربی کی ابتدائی اور متوسط کتابیں پڑھیں، مصلح امت حضرت مولانا محمد نذیر میاں صاحب قدس سرہ وہ عظیم ہستی ہیں، جنھوں نے اس آخری زمانہ میں ''مومن برادری'' کو بدعات وخرافات، اور تمام غیر اسلامی رسوم سے نکال کر، ہدایت وسنت کی شاہراہ پر ڈالا، اور ''مومن برادری'' کی مکمل اصلاح فرمائی، آج علاقۂ پالن پور میں جو دینی فضا نظر آرہی ہے، وہ حضرت مولانا ہی کی خدمات کا ثمرہ ہے، اور حضرت مولانا محمد ہاشم صاحب بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ، بخاریٰ سے دارالعلوم دیوبند میں تعلیم کے لئے تشریف لائے تھے، فراغت کے بعد پہلے پالن پور، پھر امداد العلوم وڈالی گجرات، پھر جامعہ حسینہ راندیر (سورت) پھر دارالعلوم دیوبند میں تدریس کی خدمات انجام دیں، اور آخر میں ہجرت کرکے مدینہ منورہ چلے گئے، وہیں آپ کا انتقال ہوا، اور جنت البقیع میں مدفون ہیں۔

مظاہر علوم میں داخلہ:

شرح جامی تک پالن پور میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد، مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے آپ نے ۱۳۷۷ھ میں سہارنپور (یوپی) کا سفر کیا، اور مظاہر علوم میں داخلہ لے کر، تین سال تک امام النحو والمنطق حضرت مولانا صدیق احمد صاحب جموی قدس سرہ سے، نحو اور منطق وفلسفہ کی اکثر کتابیں پڑھیں، نیز حضرت مولانا مفتی یحییٰ صاحب سہارنپوری، حضرت مولانا عبد العزیز صاحب رائپوری اور حضرت مولانا وقار صاحب بجنوری رحمہم اللہ سے بھی کتابیں پڑھیں۔

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ:

پھر فقہ، حدیث، تفسیر اور فنون کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے ۱۳۸۰ھ میں دارالعلوم دیوبند کا رخ کیا، دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوکر، پہلے سال حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب بلند شہری رحمہ اللہ تعالیٰ سے، تفسیر جلالین مع الفوز الکبیر، حضرت مولانا سید اختر حسین صاحب دیوبندی قدس سرہ سے ہدایہ اولین وغیرہ پڑھیں، اور ۱۳۸۲ھ موافق ۱۹۶۲ء میں، جو کہ

دارالعلوم دیوبند کا سوواں سال ہے، دورۂ حدیث کی تکمیل فرمائی، آپ نے دارالعلوم دیوبند میں جن حضرات اکابر سے پڑھا وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) حضرت مولانا سید اختر حسین صاحب دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ (۲) حضرت مولانا بشیر احمد خاں صاحب بلند شہری رحمہ اللہ تعالیٰ (۳) حضرت مولانا سید حسن صاحب دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ (۴) حضرت مولانا عبد الجلیل صاحب کیرانوی رحمہ اللہ تعالیٰ (۵) حضرت مولانا اسلام الحق صاحب اعظمی رحمہ اللہ تعالیٰ (۶) حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ (۷) حضرت مولانا فخر الحسن صاحب مرادآبادی رحمہ اللہ تعالیٰ (۸) حضرت مولانا محمد ظہور صاحب دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ (۹) فخر المحدثین حضرت مولانا فخر الدین صاحب مرادآبادی رحمہ اللہ تعالیٰ (۱۰) امام المعقول والمنقول حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیلاوی رحمہ اللہ تعالیٰ (۱۱) مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب شاہ جہاں پوری رحمہ اللہ تعالیٰ (۱۲) شیخ محمود عبد الوہاب صاحب مصری رحمہ اللہ تعالیٰ۔

موصوف اپنے بعض احوال اور کتب حدیث کے اساتذۂ کرام کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

خاکپائے علماء:

سعید احمد بن یوسف بن علی بن جیوا (یعنی یحییٰ) بن نور محمد پالنپوری، گجراتی ثم دیوبندی، تاریخ ولادت محفوظ نہیں، والد ماجد رحمہ اللہ نے، اندازے سے ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۹۴۰ء بتائی ہے، دارالعلوم دیوبند میں داخلہ ۱۳۸۰ھ میں لیا، اور ۱۳۸۲ھ میں فاتحۂ فراغ پڑھا، بخاری شریف حضرت فخر المحدثین حضرت مولانا فخر الدین صاحب مرادآبادیؒ سے، مقدمۂ مسلم شریف و مسلم شریف کتاب الایمان و ترمذی شریف جلد اول حضرت علامہ بلیلاویؒ سے، باقی مسلم شریف، حضرت مولانا بشیر احمد خاں صاحبؒ بلند شہری سے، ترمذی جلد ثانی مع کتاب العلل و شمائل اور ابوداؤد شریف، حضرت علامہ فخر الحسن مرادآبادیؒ سے، نسائی شریف حضرت مولانا محمد ظہور صاحبؒ دیوبندی سے، طحاوی شریف حضرت مفتی سید مہدی حسن شاہؒ جہاں پوری سے، مشکوۃ شریف حضرت مولانا سید حسن صاحبؒ دیوبندی سے، ان کے انتقال کے بعد جلد اول حضرت مولانا عبد الجلیل صاحبؒ دیوبندی سے، اور جلد دوم حضرت مولانا اسلام الحق صاحبؒ اعظمی سے پڑھی، اس سال موطا مالک حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ اور موطا محمد حضرت مولانا عبد الاحد صاحبؒ دیوبندی کے پاس تھی۔ (مشاہیر محدثین وفقہائے کرام ص/ ۲۷و۲۸)

آپ بچپن سے ہی نہایت ذہین و فطین، کتب بینی، اور محنت کے عادی تھے، اس پر مذکور بالا اساتذۂ کرام کی تعلیم و تربیت نے، آپ کی استعداد و صلاحیت کو بائیس سال کی عمر میں ہی، بام عروج پر پہنچا دیا تھا، چنانچہ دارالعلوم دیوبند جیسی عظیم دینی درسگاہ کے، سالانہ امتحان میں آپ نے اول نمبر سے کامیابی حاصل کی تھی۔

دارالافتاء میں داخلہ:

دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد، آپ نے شوال ۱۳۸۲ھ میں تکمیل افتاء کے لئے درخواست دی، یکم ذیقعدہ ۱۳۸۲ھ کو آپ کا دار افتاءدارالعلوم دیوبند میں داخلہ ہوگیا، اور حضرت مفتی سید مہدی حسن صاحب شاہ جہاں پوری رحمہ اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں کتب فتاوی کا مطالعہ اور فتوی نویسی کی مشق کا آغاز فرمایا۔

آپ اپنے بھائی بہنوں میں سب سے بڑے ہیں، اس لئے دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد اپنے بھائیوں کی تعلیم وتربیت کی طرف خصوصی توجہ فرمائی، اسی سال آپ نے سماحۃ الشیخ محمود عبدالوہاب مصری رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس حفظ بھی شروع کیا، جو قرآن کریم کے جید حافظ اور مصری قاری تھے، اور جامعۃ الازہر قاہرہ کی طرف سے دارالعلوم دیوبند میں مبعوث تھے۔

الغرض ۱۳۸۲ھ اور ۱۳۸۳ھ میں آپ ایک طرف کتب فتاوی کا مطالعہ، فتوی نویسی کی مشق کرتے تھے، دوسری طرف اپنے بھائی کو حفظ کراتے تھے اور خود بھی حفظ کرتے تھے، اور ان کاموں میں ایسے مصروف ومنہمک تھے، کہ رمضان المبارک میں بھی وطن تشریف نہیں لے گئے، ادھر افتاء کمیٹی نے آپ کی صلاحیتوں کو مزید پروان چڑھانے کے لئے، دارالافتاء کے داخلہ میں ایک سال کی توسیع کردی، چھ ماہ بعد دارالعلوم دیوبند کے ارباب انتظام نے، آپ کا معین مفتی کی حیثیت سے دارالافتاء دارالعلوم دیوبند میں تقرر کردیا، جب کہ اس زمانہ میں معین مفتی رکھنے کا رواج نہیں تھا، جیسا کہ اب ہے۔

راندیر میں آپ کا تقرر:

دار الافتاء کے نصاب کی تکمیل کے بعد، حضرت علامہ بلیلاویؒ کے توسط سے آپ کا تقرر دار العلوم اشرفیہ راندیر (سورت) میں درجۂ علیا کے استاذ کی حیثیت سے ہوا، چنانچہ آپ ۲۱ / شوال ۱۳۸۴ھ کو مادر علمی دارالعلوم دیوبند سے اپنے گھر تشریف لے گئے، والدین کی زیارت کا شرف حاصل کیا، پھر اپنے بھائیوں کو ساتھ لے کر راندیر (سورت) تشریف لے گئے، اور دارالعلوم اشرفیہ میں تدریس کا آغاز فرمایا۔

راندیر میں آپ کی خدمات:

ذیقعدہ ۱۳۸۴ھ سے شعبان ۱۳۹۳ھ تک (۹ سال) دارالعلوم اشرفیہ راندیر (سورت) میں موصوف نے ترجمہ قرآن کریم، ابوداؤد شریف، ترمذی شریف، شمائل، موطین، نسائی شریف، ابن ماجہ شریف، مشکوٰۃ شریف، جلالین شریف مع الفوزالکبیر، ہدایہ آخرین، شرح عقائد نسفی، اور حسامی وغیرہ بہت سی کتابیں پڑھائیں، اور تصنیف وتالیف میں مشغول رہے، اسی عرصہ میں موصوف نے داڑھی اور انبیاء کی سنتیں، حرمت مصاہرت، العون الکبیر اور مولانا محمد بن طاہر پٹنی قدس سرہ کی "المغنی" کی عربی شرح وغیرہ تصانیف ارقام فرمائیں، جن میں سے اکثر شائع ہوچکی ہیں، نیز اسی زمانہ میں موصوف نے، قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ کی کتابوں، اور علوم ومعارف کی تسہیل وتشریح کا آغاز فرمایا، ایک مضمون "افادات نانوتوی" کے نام سے اسی زمانہ میں الفرقان لکھنو میں قسط وار شائع ہوا تھا، جو نہایت قیمتی مضمون ہے۔

دارالعلوم دیوبند میں آپ کا تقرر:

اسی دوران موصوف کے استاذ محترم حضرت مولانا محمد ہاشم صاحب بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ـــــ جو پہلے جامعہ حسینیہ راندیر میں پڑھاتے تھے، پھر دارالعلوم دیوبند میں ان کا تقرر ہو گیا تھا ـــــ موصوف کو خط سے مطلع کیا، کہ دارالعلوم دیوبند میں ایک جگہ خالی ہے، لہٰذا آپ دارالعلوم میں تدریس کی درخواست بھیجیں، موصوف نے جناب مولانا حکیم محمد سعد رشید صاحب اجمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کے مشورہ سے درخواست بھیج دی، اس کے ہمراہ ایک مکتوب حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نام ارسال فرمایا، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہ نے اس کے جواب میں جو گرامی نامہ بھیجا وہ درج ذیل ہے:

محترمی ومکرمی زید مجدکم!

سلام مسنون، نیاز مقرون، گرامی نامہ باعث مسرت ہوا، حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتب پر کام کرنے کی اطلاع سے غیر معمولی خوشی ہوئی، جو صورت آپ نے اختیار فرمائی ہے، وہ مناسب ہے، خود میرے ذہن میں ان کتب کی خدمت کی مختلف صورتوں میں سے ایک یہ صورت بھی تھی، الفرقان میں پڑھنے کی نوبت نہیں آئی، ان شاء اللہ رسائل منگوا کر مستفید ہوں گا، اور جو رائے قائم ہو گی وہ عرض کروں گا۔

درخواست منسلکہ مجلس تعلیمی میں بھیج رہا ہوں، اس پر وہاں سے کوئی کارروائی ضرور کی جائے گی، اس کی اطلاع دی جائے گی، دعا کی درخواست، قاسم العلوم کے میرے پاس دو نسخے تھے، ایک نسخہ اسی ضرورت سے وہاں بھیجا گیا، مگر واپس نہیں ہوا، اب ایک رہ گیا ہے، جو صاحب نقل کرنا چاہیں، وہ ایک وقت مقرر کر کے میرے کتب خانہ میں ہی بیٹھ کر نقل فرمالیا کریں، اور یہاں بحمد للہ خیریت ہے۔ والسلام

محمد طیب از دیوبند

۷ / ۷ / ۹۳ھ

یہ گرامی نامہ ۷ / رجب ۱۳۹۳ھ کا لکھا ہوا ہے، اسی سال شعبان میں، جب مجلس شوری کا انعقاد ہوا، اور درجات عربیہ کے لئے ایک مدرس کے تقرر کا تذکرہ آیا، تو حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی قدس سرہ نے، موصوف کا نام پیش کیا، اور اسی مجلس میں موصوف کا تقرر ہو گیا، موصوف کو شعبان ہی میں اس کی اطلاع دے دی گئی، رمضان المبارک کے بعد، آپ دارالعلوم دیوبند تشریف لے آئے، اس وقت سے آج تک دارالعلوم دیوبند میں تدریس کی خدمت انجام دے رہے ہیں، اللہ تعالیٰ عمر میں برکت عطا فرمائے، اور ان کے فیوض وبرکات کو عام اور تام فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

دیگر خدمات:

تعلیمی و تدریسی خدمات کے علاوہ موصوف نے دارالعلوم دیوبند میں جو خدمات انجام دیں، اور دے رہے ہیں، ان کے مفصل تذکرہ کی اس مختصر تعارف میں گنجائش نہیں، صرف چند خدمات کا ذیل میں تذکرہ کیا جاتا ہے:

(۱) ۱۴۰۲ھ میں حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب نے طویل رخصت لے لی تھی، حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی قدس سرہ سہانپور چلے گئے تھے، اور کچھ مفتیان کرام نے دارالعلوم سے علاحدگی اختیار کر لی تھی، اس لئے ارباب انتظام نے موصوف کو کتب متعلقہ کی تدریس کے ساتھ، شعبۂ افتاء کی نگرانی اور فتوی نویسی کا حکم دیا تھا، جس کو بحسن وخوبی موصوف نے انجام دیا، اس سے پہلے ۱۳۹۵ھ میں بھی موصوف کو دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کی نگرانی سپرد کی گئی تھی۔

(۲) جب سے دارالعلوم دیوبند میں "مجلس تحفظ ختم نبوت" کا قیام عمل میں آیا ہے، آپ اس کے ناظم اعلیٰ ہیں، ۱۴۱۹ھ میں آپ نے اس منصب سے سبکدوش ہونے کی مجلس شوری سے درخواست کی تھی، مگر مجلس شوری نے منظور نہیں فرمائی، اور ایک ہزار روپئے ماہانہ الاؤنس کے طور پر طے فرمائے، مگر آپ نے الاؤنس لینے سے انکار کر دیا، اور ذمہ داری کو سنبھال رہے ہیں۔

(۳) مذکورہ بالا خدمات کے علاوہ، حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم جو تحریری اور تقریری خدمت موصوف کو سپرد فرماتے ہیں، اس کو بحسن وخوبی انجام دیتے ہیں۔

تصنیفی خدمات:

حضرت مولانا کی تصانیف جو شائع ہو کر مشرق و مغرب میں پھیل چکی ہیں، ان کا تعارف درج ذیل ہے:

(۱) تفسیر ہدایت القرآن: یہ مقبول عام و خاص تفسیر ہے، پارہ ۳۰ اور ایک تا ۹ حضرت مولانا محمد عثمان کاشف الہاشمی صاحب رحمہ اللہ کے لکھے ہوئے ہیں، بقیہ کام حضرت والا نے کیا ہے۔ (اضافہ: الحمدللہ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتھم نے یہ تفسیر مکمل کر دی ہے، اور شائع ہوگئی ہے، ابتدا کے نو پارے جو حضرت مولانا محمد عثمان کاشف الہاشمی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھے تھے، اسی انداز اور طرز پر ان نو پاروں کی تفسیر بھی لکھ رہے ہیں، اور سورۂ بقرہ مکمل ہوگئی ہے)۔

(۲) الفوزالکبیر کی تعریب جدید: یہ سابقہ تعریب کی تہذیب ہے، دار العلوم دیوبند اور دیگر مدارس عربیہ کے نصابِ درس میں داخل ہے۔

(۳) العون الکبیر: یہ الفوز الکبیر کی عربی شرح ہے، پہلے قدیم تعریب کے مطابق تھی، اب جدید تعریب کے مطابق کر دی گئی ہے۔

(۴) فیض المنعم: یہ مقدمۂ مسلم شریف کی معیاری اردو شرح ہے، جو ترکیب، حل لغات اور فن حدیث کی ضروری بحثوں پر مشتمل ہے۔

(۵) تحفہ الدرر: یہ نخبۃ الفکر کی بہترین اردو شرح ہے، کتب حدیث پڑھنے والوں، خصوصاً مشکوۃ شریف پڑھنے والوں کے لئے نہایت قیمتی سوغات ہے۔

(٦) مبادی الفلسفہ: اس میں فلسفہ کی تمام اصطلاحات کی عربی زبان میں مختصر اور عمدہ وضاحت کی گئی ہے، دارالعلوم دیوبند، اور دیگر مدارس عربیہ کے نصاب درس میں داخل ہے۔

(۷) معین الفلسفہ: یہ مبادیِ الفلسفہ کی بہترین اردو شرح ہے، اور حکمت وفلسفہ کے پیچیدہ مسائل کی عمدہ وضاحت پر مشتمل معلومات افزا کتاب ہے۔

(۸) مفتاح التہذیب: یہ علامہ تفتازانی کی ”تہذیب المنطق“ کی ایسی عمدہ شرح ہے، کہ اس سے ”شرح تہذیب“ جو مدارس عربیہ کے نصاب درس میں داخل ہے، خوب حل ہو جاتی ہے۔

(۹) آسان منطق: یہ تیسیر المنطق کی تہذیب ہے، دارالعلوم دیوبند اور بہت سے مدارس میں ”تیسیر المنطق“ کی جگہ پڑھائی جاتی ہے۔

(۱۰) آسان نحو (دو حصے): نحو کی ابتدائی عربی کتابوں میں تدریج کا لحاظ نہیں رکھا گیا، یہ کتاب اسی ضرورت کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے، یہ دو حصے پڑھا کر علم نحو کی کوئی بھی عربی کتاب شروع کرائی جاسکتی ہے۔ زبان آسان اور انداز بیان سلجھا ہوا ہے۔

(۱۱) آسان صرف (تین حصے): علم صرف کی جو کتابیں اردو میں لکھی گئی ہیں، ان میں عام طور پر تدریج کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے، جبکہ یہ بات نہایت ضروری ہے، یہ نصاب اسی ضرورت کو سامنے رکھ کر مرتب کیا گیا ہے، یہ نصاب نہایت مفید اور بہت سے مدارس میں داخل درس ہے۔

(۱۲) محفوظات (تین حصے): یہ آیات واحادیث کا مجموعہ ہے، جو طلبہ کے حفظ کے لئے مرتب کیا گیا ہے، بہت سے مدارس و مکاتب میں داخل نصاب ہے۔

(۱۳) آپ فتوی کیسے دیں؟: یہ علامہ محمد امین بن عابدین شامی کی شہرۂ آفاق کتاب ”شرح عقود رسم المفتی“ کی نہایت عمدہ شرح ہے۔

(۱۴) کیا مقتدی پر فاتحہ واجب ہے؟: یہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ کی کتاب ”توثیق الکلام“ کی نہایت آسان عام فہم شرح ہے۔

(۱۵) حیات امام ابو داؤد: اس میں امام ابو داؤد سجستانی کی مکمل سوانح، سنن ابی داؤد کا تفصیلی تعارف، اور اس کی تمام شروحات ومتعلقات کا مفصل جائزہ، سلیس اور دلنشین انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

(۱۶) مشاہیر محدثین و فقہائے کرام اور تذکرہ راویان کتب حدیث: اس میں خلفاء راشدین، عشرۂ مبشرہ، ازواج مطہرات، بنات طیبات، مدینہ کے فقہائے سبعہ، مجتہدین امت، محدثین کرام، راویان کتب حدیث، شارحین حدیث، فقہائے ملت، مفسرین عظام، متکلمین اسلام اور مشہور شخصیات کا مختصر جامع تذکرہ ہے۔

(۱۷) حیات امام طحاوی: اس میں امام ابو جعفر طحاوی کے مفصل حالات زندگی، ناقدین پر رد، تصانیف کا تذکرہ، زبدۃ الطحاوی کی توضیح اور شرح معانی الآثار کا تعارف ہے۔

(۱۸) اسلام تغیر پذیر دنیا میں: یہ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ اور جامعہ ملیہ دہلی کے سمیناروں میں پڑھے گئے چار قیمتی مقالوں کا مجموعہ ہے۔

(۱۹) نبوت نے انسانیت کو کیا دیا؟: یہ مقالہ جامعہ ملیہ دہلی کے ایک جلسہ میں پیش کیا گیا تھا، پہلے وہ علاحدہ شائع ہوا تھا، اب اس کو ”اسلام تغیر پذیر دنیا میں“ کے ساتھ شامل کر دیا گیا ہے۔

(۲۰) داڑھی اور انبیاء کی سنتیں: ناخن تراشنے، حجامت بنوانے، مسواک کرنے، کلی اور ناک صاف کرنے، جسم کے جوڑوں کو دھونے، ختنہ کرنے، پانی سے استنجاء کرنے، بالوں میں مانگ نکالنے، مونچھیں تراشنے، اور داڑھی رکھنے کے متعلق، واضح احکامات، مسائل، دلائل اور فضائل کا مجموعہ ہے، داڑھی پر ہونے والے اعتراضوں کے جوابات بھی اس کتاب میں شامل ہیں۔

(۲۱) حرمت مصاہرت: اس میں سسرالی اور دامادی رشتوں کے مفصل احکام، اور ناجائز انتفاع کا مدلل حکم بیان کیا گیا ہے۔

(۲۲) تسہیل ادلۂ کاملہ: یہ حضرت شیخ الہند کی مایۂ ناز کتاب ”ادلۂ کاملہ“ کی نہایت عمدہ شرح ہے، اس میں غیر مقلدین کے چھیڑے ہوئے دس مشہور مسائل کی مکمل تفصیل ہے، یہ شیخ الہند اکیڈمی سے شائع ہوئی ہے۔

(۲۳) حواشی و عناوین ایضاح الادلۃ: ایضاح الادلۃ حضرت شیخ الہند کی شہرۂ آفاق کتاب ہے، اس پر موصوف نے نہایت مفید حواشی ارقام فرمائے ہیں، اور ذیلی عناوین بڑھائے ہیں، یہ کتاب بھی شیخ الہند اکیڈمی سے شائع ہوئی ہے۔

(۲۴) حواشی امداد الفتاوی: موصوف نے قیام راندیر کے زمانے میں یہ حواشی لکھنے شروع کئے تھے، یہ حواشی بھی اہل علم میں وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

(۲۵) افادات نانوتوی: یہ موصوف کا ایک نہایت قیمتی مضمون ہے، جس کو دارالعلوم اشرفیہ راندیر کی تدریس کے زمانہ میں ارقام فرمایا تھا، اور اسی زمانہ میں الفرقان لکھنو میں قسط وار شائع ہوا تھا۔

(۲۶) افادات رشیدیہ: یہ موصوف کا دوسرا نہایت مفید مضمون ہے، جس کو دارالعلوم دیوبند کی تدریس کے آغاز میں ارقام فرمایا تھا، اور اسی وقت رسالہ دارالعلوم دیوبند میں قسط وار شائع ہوا تھا۔

(۲۷) رحمۃ اللہ الواسعۃ: یہ حجۃ اللہ البالغہ کی مبسوط اردو شرح ہے، حجۃ اللہ البالغہ کی تشریح ایک بھاری قرضہ تھا، جو ڈھائی سو سال سے امت کے ذمہ باقی چلا آرہا تھا۔

(۲۸) تہذیب المغنی: المغنی علامہ محمد طاہر پٹنی قدس سرہ کی اسماء رجال پر بہترین کتاب ہے، موصوف نے اس کی عربی میں شرح لکھی ہے۔

(۲۹) زبدۃ الطحاوی: یہ امام طحاوی کی شہرۂ آفاق کتاب "شرح معانی الآثار" کی عربی تلخیص ہے۔

(۳۰) کامل برہانِ الٰہی: رحمۃ اللہ الواسعہ میں مفتی صاحب نے عنوان قائم کرکے، جو حجۃ اللہ البالغہ کی آسان شرح کی ہے، اس کو علاحدہ کرلیا ہے، اور ہلکی چار جلدوں میں مذکورہ نام سے، یہ نئی کتاب تیار کی ہے، اس میں حجۃ اللہ البالغہ کی عربی عبارت، ترجمہ، لغات اور تشریحات شامل نہیں، اب یہ عام مطالعہ کی ایک بہترین کتاب بن گئی ہے، جو لوگ حجۃ اللہ البالغہ حل نہیں کرنا چاہتے، صرف اس کے مضامین پڑھنا چاہتے ہیں، ان کے لئے یہ قیمتی سوغات ہے، زبان آسان اور سلیس ہے، ہر قاری بے تکلف اس کا مطالعہ کر سکتا ہے

(۳۱) حجۃ اللہ البالغہ عربی: (دو حصے) حضرت مفتی صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ پر عربی حاشیہ تحریر فرمایا ہے، جو دو جلدوں میں طبع ہو گیا ہے، عربی خواں حضرات حاشیہ کی مدد سے کتاب حل کر سکتے ہیں، اور درس میں بھی اس کو سامنے رکھا جا سکتا ہے۔

(۳۲) ہادیہ شرح کافیہ: کافیہ: علم نحو کا مشہور و مقبول متنِ متین ہے، اس کی عبارت سلیس اورآسان ہے، مگر اس آسان کتاب کو، طریقۂ تدریس نے مشکل بنا دیا ہے۔ حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ نے اس پر یہ کام کیا ہے، کہ کافیہ کو مفصل و مرقم کیا ہے، اس کے ہر مسئلہ، اور ہر قاعدہ کو علاحدہ کیا ہے، پھر اس کی نہایت آسان شرح لکھی ہے، اور شروع میں کافیہ پڑھانے کا طریقہ بیان کیا ہے، اور قدیم طرز سے ہٹ کر کافیہ کس طرح طلبہ کے ذہن نشین کی جائے اس کے لئے "مشقی سوالات" دیئے گئے ہیں۔

(۳۳) وافیہ شرح کافیہ: یہ کافیہ کی عربی شرح ہے، اس میں وہی مفصل و مرقم متن ہے، اور حاشیہ میں عربی شرح لکھی گئی ہے، تاکہ طلبہ درس میں اس کو سامنے رکھ کر پڑھ سکیں۔

(۳۴) تحفۃ الالمعی شرح سنن الترمذی: یہ حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ کے دروسِ ترمذی کا مجموعہ ہے، آٹھ جلدوں میں طبع ہو چکا ہے، جو ترمذی شریف جلد ثانی مع شمائل ترمذی پر مشتمل ہے، مقدمہ: نایاب اور قیمتی معلومات پر مشتمل ہے اور شرح کا امتیاز یہ ہے کہ اس میں مدارکِ اجتہاد بیان کئے گئے ہیں، نیز ترمذی شریف کی عبارت صحیح اعراب کے ساتھ دی گئی ہے اور کتاب کا ہر ہر لفظ حل کیا گیا ہے، شروع میں کتاب العلل کی شرح بھی ہے، جو ایک قیمتی سوغات ہے۔ غرض یہ شرح ہر مدرس کی ضرورت اور حدیث کے ہر طالب علم کی حاجت ہے۔

(۳۵) تحفۃ القاری شرح صحیح البخاری: یہ دارالعلوم دیوبند میں دیئے گئے بخاری شریف کے دروس کا مجموعہ ہے، جو بارہ جلدوں پر مشتمل ہے، اس شرح کی خاص بات یہ ہے، کہ یہ نہ تو اتنی طویل ہے، کہ آدمی اس سے استفادہ ہی نہ کر سکے، اور نہ اتنی مختصر ہے، کہ کھولتے ہی ختم ہو جائے۔ پوری کتاب میں راہ اعتدال کو پکڑ کے رکھا گیا ہے، اور کہیں آپ کو تشنگی یا بوریت محسوس نہیں ہوگی، بالخصوص وہ حضرات جو مدارس میں اس اہم کتاب کو پڑھا رہے ہیں، یا حدیث کی کوئی بھی کتاب پڑھا رہے ہیں، انکے لئے یہ کتاب خاصہ کی چیز ہے۔

(۳۶) علمی خطبات: یہ مفتی صاحب دامت برکاتھم کے علمی و تحقیقی خطبات کا مجموعہ ہے، جو دو حصوں پر مشتمل ہے، اساتذہ، طلبہ، اور عوام کے لئے قیمتی سوغات ہے، ان خطبات میں نہایت قیمتی باتیں بیان کی گئی ہیں۔

(۳۷) مفتاح العوامل شرح شرح مأۃ عامل: یہ حضرت مولانا فخر الدین احمد صاحب قدس سرہٗ سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کی تصنیف ہے، حضرت مفتی صاحب دامت برکاتھم نے اس کی قابل قدر خدمت کی ہے۔

(۳۸) گنجینۂ صرف شرح پنج گنج: یہ کتاب بھی حضرت مولانا فخر الدین صاحب قدس سرہٗ کی تصنیف ہے، حضرت مفتی صاحب دامت برکاتھم نے اس کی بھی قابل قدر خدمت کی ہے۔

(۳۹) ارشاد الفہوم شرح سلم العلوم: منطق کی کتابوں میں سلم انتہائی دقیق کتاب مانی جاتی ہے، اور کچھ طریقۂ تدریس نے بھی اس کتاب کو مشکل بنا دیا ہے، یہ کتاب سلم کی ایسی شرح ہے، کہ مشکل سے مشکل مقامات بھی سہل انداز سے حل ہو جاتے ہیں۔

(۴۰) دین کی بنیادیں اور تقلید کی ضرورت: یہ کتاب چند تقریروں کا مجموعہ ہے، جس میں دین اسلام کی بنیادوں اور تقلید کی ضرورت کو عام فہم انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

(۴۱) فقہ حنفی اقرب الی النصوص ہے: غیر مقلدین کہتے ہیں، کہ فقہ حنفی کی بنیاد قیاس پر ہے، اس کتابچہ میں غیر مقلدین کے اس پروپیگنڈہ کا جواب دیا گیا ہے، اور بتایا گیا ہے، کہ فقہ حنفی کی بنیاد نصوص پر ہے۔

(۴۲) آسان فارسی قواعد: اس کتاب کے دو حصے ہیں، بہت سے مدارس میں تیسیر المبتدی کی جگہ یہ کتاب داخلِ نصاب ہے۔

(۴۳) مبادی الاصول: یہ عربی کتاب اصولِ فقہ میں ہے، بہت سے مدارس میں اصول الشاشی سے پہلے یہ کتاب پڑھائی جاتی ہے، اور داخل نصاب ہے۔

(۴۴) معین الاصول: یہ مبادی الاصول کی آسان اردو شرح ہے، اصول الشاشی، نور الانوار اور حسامی کے طلبہ کے لئے نہایت مفید کتاب ہے۔

(۴۵) شرح علل الترمذی: یہ ترمذی شریف کی کتاب العلل کی عربی شرح ہے، اس میں نہایت آسان زبان میں کتاب العلل کو سمجھا گیا ہے۔

(۴۶) مسلم پرسنل لا اور نفقۂ مطلقہ: یہ کتابچہ دفتر اہتمام دارالعلوم دیوبند سے شائع کیا گیا تھا، اس میں مسلم پرسنل لا کی اہمیت، اور نفقۂ مطلقہ کے سلسلہ میں عدالت عالیہ کی طرف سے صادر ہونے والے فیصلے پر علمی اور فقہی انداز میں نقد کیا گیا ہے، اور نفقۂ مطلقہ پر ہونے والے اعتراضات کے مسکت جوابات دیئے گئے ہیں۔

دعوتی و تبلیغی خدمات:

مذکورہ بالا تعلیمی و تدریسی اور تصنیفی مصروفیات کے باوجود، آپ ملک و بیرون ملک کے دورے کرتے رہتے ہیں، اور جو حضرات دینی باتیں سننے کے مشتاق ہیں، ان کو اپنی نواسنجیوں سے نوازتے رہتے ہیں، آپ دارالعلوم دیوبند کی تدریس کو بحسن وخوبی انجام دیتے ہوئے، اور تصنیفی کام جاری رکھتے ہوئے، درمیان سال میں، وقتاً فوقتاً ملک و بیرون ملک کے مختصر دورے کرتے رہتے ہیں، اور رمضان المبارک کی طویل تعطیل میں، کبھی برطانیہ، کبھی کناڈا، کبھی افریقہ اور امریکہ تشریف لے جاتے ہیں، ایک دن میں کئی کئی تقریریں کرتے ہیں، سعادت مند سامعین کو، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت، خوف خدا و فکر آخرت، اور اعمال صالحہ پر ابھارتے رہتے ہیں، حرام اور منکر باتوں سے نہایت مؤثر انداز میں باز رہنے کی تلقین فرماتے رہتے ہیں۔

انداز خطابت اور تصنیفی خصوصیات:

جس طرح موصوف کا انداز خطابت نہایت مؤثر، درس نہایت مقبول اور عام فہم ہوتا ہے، اسی طرح آپ کی تمام تصانیف نہایت آسان، عام فہم اور مقبول عام وخاص ہیں، آپ کی تقریریں نہایت مبسوط، اور علمی نکات سے پر، اور تحریریں نہایت مرتب، واضح اور جامع ہوتی ہیں، اسی لئے آپ کی کئی تصانیف دارالعلوم دیوبند اور دیگر مدارس عربیہ کے نصاب درس میں داخل ہیں۔

ترقیات کا راز:

موصوف کو اللہ جل شانہ و عم نوالہ نے بہت سی خوبیوں اور کمالات سے نوازا ہے، آپ کا ذوق لطیف، طبیعت سادہ اور نفیس ہے، مزاج میں استقلال اور اعتدال ہے، فطرت میں سلامت روی، اور ذہن رسا کے مالک ہیں، زود نویس اور خوش نویس ہیں، حق و باطل، اور صواب و خطا کے درمیان امتیاز کرنے کی وافر صلاحیت رکھتے ہیں، اور حقائق و معارف کے ادراک میں یکتائے زمانہ ہیں۔

اور سب سے بڑی خوبی یہ ہے، کہ موصوف اپنے کاموں میں نہایت چست اور حالات کا جوانمردی سے مقابلہ کرنے والے ہیں، موصوف کو قریب سے دیکھنے والوں کا کہنا ہے، کہ ہم نے حضرت اقدس جیسا شب و روز محنت کرنے والا، مصروف آدمی اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا، آپ کے تمام شاگرد جانتے ہیں، کہ آپ کا درس کتنا مقبول ہے، اور جن حضرات کو آپ کی تصانیف دیکھنے، اور تقاریر سننے کا موقع ملا ہے، وہ جانتے ہیں، کہ آپ کی تصانیف اور تقاریر کتنی پر مغز، مرتب اور جامع ہوتی ہیں، اور آپ کے خدام

جانتے ہیں، کہ حضرت اقدس اپنی اور اپنے متعلقین کی کتابوں کی تصحیح وطباعت کا کتنا اہتمام فرماتے ہیں، اور اپنے بھائیوں اور اہل و عیال کی تعلیم وتربیت کا کس قدر خیال فرماتے ہیں۔

اجازت بیعت وارشاد:

موصوف جس طرح علوم ظاہری میں درک وکمال رکھتے ہیں، اسی طرح علوم باطنی سے بھی بہرہ ور ہیں، مگر اس کا اس قدر اخفاء فرماتے ہیں، کہ عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں، کہ آپ صرف علوم ظاہری میں مہارت رکھتے ہیں، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ آپ طالب علمی کے زمانہ سے، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ سے بیعت تھے، اور دیگر بزرگان دین سے بھی فیض یافتہ ہیں، خاص طور پر حضرت اقدس مولانا عبد القادر صاحب رائے پوری قدس سرہ کی مجالس میں، مظاہر علوم کی طالب علمی کے زمانہ میں شرکت کرتے رہے ہیں، اور حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب مظاہری کے مجاز بیعت وارشاد ہیں۔

زیارت حرمین شریفین:

موصوف کئی بار زیارت حرمین شریفین کا شرف حاصل کر چکے ہیں، سب سے پہلے ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۹۸۰ء میں اہلیہ محترمہ کے ساتھ، پانی کے جہاز سے سفر کیا، اور فریضۂ حج ادا کیا... پھر ۱۴۰۶ھ مطابق ۱۹۸۶ء میں افریقہ سے دوسرا حج کیا، چونکہ آپ پہلے فرض حج ادا کر چکے تھے، اس لئے موصوف نے یہ دوسرا حج آنحضرت ﷺ کی طرف سے حج بدل کے طور پر کیا ہے، پھر ۱۴۱۰ھ مطابق ۱۹۹۰ء میں سعودی وزارت حج واوقاف کے مہمان کی حیثیت سے تیسرا حج کیا، اور ایک بار ربیع الاول ۱۴۱۴ھ میں عمرہ کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔

والد ماجد کی وفات:

اس سلسلہ حضرت مولانا مفتی امین صاحب (استاذ حدیث وفقہ ومرتب فتاوی دارالعلوم دیوبند) نے تفصیل سے لکھا ہے، فرماتے ہیں:

"جس زمانہ میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی، مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی، اور محدث کبیر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری ڈابھیل میں پڑھاتے تھے، اس وقت والد صاحب ڈابھیل میں پڑھتے تھے، اور حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی مہاجر مدنی قدس سرہ کے خادم خاص تھے، مگر گھریلو احوال کی وجہ سے تعلیم مکمل نہیں کر سکے تھے، اس لئے اپنے صاحب زادوں کو علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا بدر عالم میرٹھی، اور محدث کبیر مولانا محمد یوسف صاحب بنوری جیسا عالم بنانے کا عظیم جذبہ رکھتے تھے، حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی مہاجر مدنی قدس سرہ نے والد صاحب کو یہ وصیت کی تھی کہ: "یوسف! اگر تم اپنے لڑکوں کو اچھا عالم بنانا چاہتے ہو، تو حرام اور ناجائز مال سے پرہیز کرنا، اور بچوں کو بھی ناجائز اور حرام مال سے بچانا، کیونکہ علم ایک نور ہے، ناجائز اور حرام مال سے جو بدن پروان چڑھتا ہے، اس میں یہ نور داخل نہیں ہوتا"۔ یہ نصیحت حضرت مولانا نے والد

ماجد کو اس لئے کی تھی، کہ اس زمانہ میں ہماری ساری قوم بنیوں کے سود میں پھنسی ہوئی تھی، اسی زمانہ میں ہمارے دادا نے بنیے سے سودی قرض لے کر ایک زمین کرایہ پر لی تھی، والد صاحب اس زمانہ میں ڈابھیل کے طالب علم تھے، والد صاحب نے اس معاملہ میں دادا سے اختلاف کیا تو والد صاحب کو حرام سے بچنے کے لئے مجبوراً تعلیم چھوڑ کر اپنا گھر سنبھالنا پڑا، اور تہیہ کیا کہ چاہے بھوکا رہوں گا، مگر حرام کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا، تاکہ میں نہیں پڑھ سکا تو اللہ تعالیٰ میری اولاد کو علم دین عطا فرمائیں۔

چنانچہ والد صاحب، ناجائز اور حرام مال، بلکہ مشتبہ مال سے بھی پرہیز کرتے تھے، اور اپنی اولاد کو بھی بچاتے تھے، اور ان کی تعلیم و تربیت کی طرف پوری توجہ فرماتے تھے، صوم و صلوٰۃ کے ایسے پابند تھے، کہ میرے علم کے مطابق ان کی کوئی نماز قضا نہیں ہوئی، والدہ ماجدہ کے انتقال کے بعد، والد صاحب نے قرآن کریم حفظ کرنا شروع کیا تھا، سات آٹھ پارے حفظ کر لئے تھے، مگر عمر نے وفا نہیں کی، اور ذیقعدہ ۱۴۱۱ھ میں تہجد کے وقت اللہ کو پیارے ہو گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون"۔

والدہ ماجدہ کی رحلت:

حضرت مفتی صاحب کی والدہ ماجدہ، دین کی ضروری باتوں سے واقف، امور خانہ داری میں ماہر، نہایت سلیقہ مند، نماز روزے کا خوب اہتمام کرنے والی، صالحہ عابدہ اور صابرہ شاکرہ خاتون تھیں، ۱۰ محرم الحرام ۱۳۹۹ھ کو روزہ رکھا، مغرب کے وقت روزہ افطار کیا، نماز پڑھی، اسی دن عشاء کی نماز کے بعد اپنے مالک حقیقی سے جا ملیں، اناللّٰہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ مفتی صاحب کے والدین ماجدین کی بال بال مغفرت فرمائے، ان کی قبروں کو نور سے بھر دیں، اور مفتی صاحب کا سایۂ عاطفت تادیر قائم رکھے! آمین۔

الوداع اے آبروئے علم وعرفاں الوداع

حضرت الاستاذ پالن پوریؒ کی زندگی کے چند گوشے

مولانا فضیل احمد ناصری، استاذ حدیث ونائب ناظم تعلیمات جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند

کل 25ویں رمضان 1441ھ مطابق 19 مئی 2020 کو حضرت الاستاذ مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری بھی ہمیں چھوڑ کر چلے گئے۔ اس رحلت کا قلب پر اتنا اثر ہے کہ کسی کام میں جی نہیں لگ رہا۔ وہ ہمارے لیے استاذ کے ساتھ مربی بھی تھے۔ وہ ایک روشن چراغ اور علم وفن کے قابلِ تقلید سالار بھی تھے۔ دارالعلوم دیوبند کی تدریسی شہرت کو انہوں نے چار چاند لگایا اور سلف کی روش پر چل کر خود بھی زندۂ جاوید ہوئے۔

حضرت الاستاذ کے حالاتِ زندگی پر ایک نظر

حضرت مفتی صاحب کا وطنی تعلق شمالی گجرات کے پالن پور سے تھا۔ پالن پور ایک بہت بڑے علاقے کا نام ہے، اس میں چار اضلاع ہیں: سابر کانٹھا، بناس کانٹھا، مہسانہ اور پٹن۔ ان کا گاؤں کالیڑا کے نام سے متعارف ہے، جو ضلع بناس کانٹھا میں واقع ہے۔ وہیں 1360ھ مطابق 1940 میں ان کی ولادت ہوئی۔ والد صاحب نے احمد نام رکھا، بعد میں حضرت نے اس کے ساتھ سعید کا اضافہ کر لیا۔ ان کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے: سعید احمد بن یوسف ابن علی ابن جیوا ابن نور محمد۔ آپ مومن برادری سے تعلق رکھتے تھے، یہ گجرات کی بہت بڑی برادری ہے۔ اسی برادری کی ایک شاخ "ڈُھکّا" کہلاتی ہے۔ آپ بھی اسی شاخ سے تھے۔

تعلیمی اسفار

آپ نے مکتب کی تعلیم اپنے وطن "کالیڑا" میں ہی پائی۔ مولانا داؤد چودھری، مولانا حبیب اللہ چودھری اور مولانا ابراہیم جونکیہ رحمہم اللہ آپ کے مکتبی اساتذہ میں ہیں۔ مکتب سے فارغ ہوئے تو دارالعلوم چھاپی میں داخلہ لیا، جہاں ان کے ماموں مولانا عبدالرحمن شیرا پڑھایا کرتے تھے۔ وہاں ماموں سمیت متعدد اساتذہ سے دروس لیے۔ چھ ماہ ہی گزرے تھے کہ ماموں کا تعلق چھاپی سے ختم ہو گیا اور وہ اپنے وطن "جونی سیندھی" میں اقامت گزیں ہو گئے، مفتی صاحب بھی ماموں کے ساتھ ان کے گھر چلے گئے اور انہیں سے فارسی کی کتابیں پڑھیں۔

پھر عربی درجات کے لیے پالن پور ہی میں مصلح الامۃ مولانا نذیر میاں صاحب کشمیری ثم پالن پوریؒ کے ادارے مدرسہ دعوۃ الحق میں داخلہ لیا۔ یہاں مولانا اکبر میاں پالن پوریؒ اور مولانا ہاشم بخاری مہاجر مدنیؒ پڑھایا کرتے تھے۔ مفتی صاحب نے بانیِ مدرسہ سے بھی پڑھا۔ چار سال تک ان حضرات سے خوب علمی فیضان سمیٹا۔ ابتدائی اور متوسط جماعتوں کی کتابیں پڑھیں۔ شرح جامی بھی یہیں پڑھی۔ مولانا ہاشم بخاری صاحب نے دارالعلوم دیوبند میں بھی تدریسی خدمات انجام دی ہیں۔

وطن سے باہر کے علمی اسفار

پالن پور سے نکلے تو مظاہرِ علوم سہارن پور پہونچ گئے۔ یہ 1377ھ تھا۔ یہاں اپنے تین سالہ قیام کے دوران منطق اور نحو کے امام مولانا محمد صدیق صاحبؒ سے نحو اور منطق کی متعدد کتابیں پڑھیں۔ مفتی یحییٰ سہارن پوری، مولانا عبد العزیز رائے پوری اور مولانا وقار احمد بجنوری رحمہم اللہ سے بھی کئی کتابوں کے دروس پڑھے۔

دار العلوم دیوبند کی طرف

فقہ، تفسیر اور حدیث کی تحصیل کے لیے 1380ھ میں دیوبند پہونچے اور مولانا نصیر احمد خان صاحب بلند شہریؒ اور مولانا سید اختر حسین میاں صاحب دیوبندیؒ سے مختلف علوم و فنون کی کتابیں پڑھیں۔ 1382ھ مطابق 1962ء میں فراغت پائی۔ نامور اساتذہ میں مولانا بشیر احمد خان بلند شہری، مولانا اسلام الحق اعظمی، مولانا ظہور احمد دیوبندی، حکیم الاسلام قاری محمد طیب، مولانا سید فخر الدین مراد آبادی، مولانا فخر الحسن مراد آبادی اور علامہ ابراہیم بلیاوی اور مفتی مہدی حسن شاہ جہاں پوریؒ رحمہم اللہ ہیں۔ سالانہ امتحان میں پہلی پوزیشن پائی۔

درجۂ افتا میں داخلہ

دورے سے فراغت کے بعد درجۂ افتا میں داخلہ لیا۔ اور حضرت مفتی سید مہدی حسن شاہ جہاں پوریؒ سے فتویٰ نویسی کے گُر حاصل کیے۔ یہ ایک سالہ نصاب تھا، مگر حضرت الاستاذ پالن پوری صاحبؒ کی مسلسل محنت اور شوق و لگن کے چلتے اس کا نصاب دو سالہ کر دیا گیا۔ دوسرے سال معینِ مفتی بنائے گئے۔ حفظ بھی اسی دورانیے میں کیا۔

عملی زندگی کا آغاز

درجۂ افتا سے فراغت کے بعد علامہ ابراہیم بلیاویؒ کے مشورے پر گجرات کے مشہور ادارے دار العلوم اشرفیہ راندیر ضلع سورت سے تدریسی سرگرمیوں کا آغاز کیا۔ مدرسِ علیا قرار دیے گئے۔ 1384ھ سے 1393 تک یہاں مسلسل درس دیا۔ ابو داؤد، ترمذی، مؤطائین، شرح عقائد، حسامی اور دیگر کتابیں ان سے متعلق رہیں۔ تدریس کے ساتھ یہاں تصنیف کا سلسلہ بھی شروع کیا اور متعدد علمی و اصلاحی کتابیں ان کے قلم سے نکلیں۔ داڑھی اور انبیاء کی سنتیں، حرمتِ مصاہرت، العون الکبیر اور علامہ طاہر پٹنی کی مشہور کتاب ''المغنی'' کی عربی شرح لکھی۔ اسی زمانے میں * افاداتِ نانوتوی * کے نام سے ایک طویل مضمون لکھا، جو ماہ نامہ الفرقان میں قسط وار چھپا۔

حضرت الاستاذ کا دار العلوم دیوبند میں تقرر

مفتی صاحب دار العلوم اشرفیہ راندیر میں اپنی تدریسی مہم نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دے رہے تھے کہ اسی اثنا میں مولانا ہاشم بخاری صاحب کا پیغام پہونچا کہ دار العلوم دیوبند میں استاذی کے لیے ایک جگہ خالی ہے، تقرر کی درخواست پیش کر دیں۔

مولانا بخاری مدرسہ دعوۃ الحق پالن پور میں مفتی صاحب کے استاذ رہ چکے تھے اور اب دارالعلوم میں علیا کے مدرس تھے۔ مفتی صاحب کو ان کا یہ مشورہ پسند آیا اور ضلع سورت کی با اثر شخصیت مولانا حکیم سعد رشید اجمیری صاحب کے مشورے سے ایک درخواست اور ایک خط دارالعلوم کے مہتمم حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کے نام روانہ کر دیا۔ قاری صاحب نے اسے پڑھ کر امید دلائی۔ شعبان میں مجلسِ شوریٰ منعقد ہوئی اور استاذ کے تقرر کی بات آئی تو مناظرِ اسلام مولانا محمد منظور نعمانیؒ رکنِ شوریٰ دارالعلوم نے مفتی صاحبؒ کا نام پیش کر دیا، جسے باتفاقِ رائے منظور کر لیا گیا۔ آپ کا تقرر 1393ھ میں عمل میں آیا اور درجۂ وسطیٰ کے استاذ منتخب ہوئے۔ مفتی صاحبؒ تازندگی اپنی اس ذمے داری کو ادا کرتے رہے۔

مفتی صاحب کی بحیثیت مفتی خدمات

دارالعلوم میں صرف عربی درجات میں ہی تدریس نہیں کی، بلکہ 1402ھ میں جب دارالعلوم انتشار میں مبتلا ہوا اور کئی اہم مفتیان علیحدہ اور کچھ رخصت پر چلے گئے تو طلبہ کو فتاویٰ نویسی کی مشق کرانے کے لیے حضرت الاستاذ کو نگراں بنایا گیا۔ آپ نے کئی سال تک یہ ذمے داری بھی شان دار طریقے سے نبھائی۔

ایک دل چسپ واقعہ

سورت میں مولانا حکیم سعد رشید اجمیری کے نام سے ایک بڑے بزرگ تھے، جن کا نام ابھی چند سطور پہلے بھی آپ نے پڑھا ہے۔ یہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے مرید تھے۔ سورت میں ہی مطب کرتے تھے۔ حضرت الاستاذ بھی چوں کہ حضرت شیخ الحدیثؒ کے مرید تھے، اس لیے دونوں میں خوب بنتی تھی۔ انہیں کے مشورے پر مفتی صاحبؒ نے دارالعلوم دیوبند کے نام خط بھی لکھا تھا۔ جب مفتی صاحب دارالعلوم آ گئے اور پڑھانے کے لیے کتابیں تفویض ہوئیں تو ان میں ایک کتاب ملا محب اللہ بہاری کی ”مسلم الثبوت“ بھی تھی۔ مفتی صاحبؒ نے دارالعلوم سے سب سے پہلا خط حکیم صاحبؒ کے نام لکھا، جس میں کتابوں کی تفصیل تھی۔ حکیم صاحب نے جواب لکھا کہ الحمدللہ دارالعلوم میں آپ کا ثبوت مسلّم ہو گیا ہے۔ حکیم صاحب کا یہ جملہ اس خلوص سے نکلا تھا کہ حضرت الاستاذ کی شخصیت آگے چل کر واقعی مسلّم الثبوت بن گئی۔

مفتی صاحب کی تدریس

حضرت الاستاذ مفتی صاحبؒ یوں تو ہمہ جہت کمالات کے حامل تھے، مگر تدریس اور تصنیف میں زیادہ عزت و شہرت کمائی۔ ان دونوں میدانوں میں کوئی مدرس ان کا شریک نہیں ہے۔ تدریس کی بات کیجیے تو وہ اس فن میں انفرادی صلاحیت کے مالک تھے، بلکہ اپنے طرزِ تفہیم کے موجد و خاتم دونوں تھے۔ آپ نے مؤطاین اور مسلم شریف کے دروس بھی دیے ہیں۔ کیمپ کے زمانے میں شیخ الحدیث بھی رہے، پھر شیخ نصیر احمد خان بلند شہریؒ واپس آ گئے تو بخاری ان کے پاس واپس چلی گئی۔ اس وقت سے ترمذی شریف کا درس متعلق رہا، جس کا سلسلہ 1432ھ تک چلا۔ ادھر چند سالوں سے بخاری شریف مستقل وابستہ ہوئی جو اختتامِ سال تک چلی۔

حضرت الاستاذ تدریس کے معاملے میں مقامِ اجتہاد پر فائز تھے۔ حلِ عبارت میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ تفہیم کے لیے وہ ایسی ترتیب اپناتے کہ غبی سے غبی طالب علم کے لیے بھی مشکل مسئلہ مشکل نہ رہتا۔ بندے نے ان سے ترمذی شریف اور طحاوی پڑھی ہے۔ ان کا درسِ ترمذی دیکھ کر ایسا لگتا تھا گویا کہ امام ابو عیسیٰ ترمذی نے انہیں کی تدریس کے لیے اس کی تالیف فرمائی ہے۔ حدیث پر مفصل و مدلل کلام۔ موقع بہ موقع حوالجات۔ درسِ ترمذی کے دوران ان کی شانِ فقاہت خوب نمایاں ہوتی تھی۔ زیرِ بحث حدیث پر فقہی کلام اتنی بصیرت اور مرتب انداز میں کرتے کہ طبیعت جھوم جاتی۔ احناف کی ترجیح کے دلائل اس قوت سے دیتے کہ دوسرے طبقے کی طرف سے پیدا کردہ شبہات ہوا ہو کر رہ جاتے۔ متنِ حدیث پر کلام کے ساتھ سندِ حدیث پر بھی ایسا مضبوط تبصرہ کہ آنکھیں کھلی رہ جاتی تھیں۔ رجالِ حدیث پر کلام کے دوران جب حدیث کے مشہور ضعیف راوی عبد اللہ ابنِ لہیعہ کا نام آتا، جسے غیر احناف نے بطور دلیل پیش کیا ہوتا، تو دونوں مونڈھوں کو کہنیوں سمیت اس طرح پھڑ پھڑاتے کہ غیر احناف کے استدلال کا بودا پن صاف محسوس ہو جاتا۔

طلبہ میں درس کی مقبولیت

طلبہ کو عموماً دو چیزیں چاہییں۔ فہمِ اسباق اور مرتب کلام۔ مفتی صاحب کے درس میں یہ دونوں باتیں خوب پائی جاتی تھیں۔ حلِ عبارت اس طرح فرماتے کہ مقصودِ مصنف بڑی سرعت سے الم نشرح ہو جاتا۔ اس کے لیے ترتیب اور تمہید ایسی قائم کرتے جو ان کی مرادات تک بآسانی پہونچا دیتے۔ اس کا لازمی اثر اسباق کی مقبولیت تھی۔ وہ آسان اور مختصر تعبیرات میں اپنی بات کی ترسیل کا عجیب و غریب ملکہ رکھتے تھے۔ ان خوبیوں کی بنا پر ان کے اسباق میں پوری حاضری ہوتی۔ وہ طلبہ جو دیگر اساتذہ کے گھنٹوں میں تساہل اور لاپروائی کرتے، مفتی صاحب کے گھنٹے میں بڑی مستعدی سے حاضر ہوتے۔ ایسا معلوم ہوتا کہ کوئی مقناطیس دارالحدیث میں رکھ دیا گیا ہے اور وہ سارے آہن ریزوں کو پل بھر میں کھینچ رہا ہے۔ احقر نے ترمذی اور طحاوی کے درس میں دیکھا کہ پوری درس گاہ کھچا کھچ بھر جاتی تھی۔ اس طرح کی مقبولیت راقم الحروف نے دارالعلوم میں کسی اور گھنٹے میں نہیں دیکھی۔

حسنِ قرآت کا زبردست اہتمام

مفتی صاحب کے یہاں عبارت خوانی پر بڑا زور تھا۔ عبارت خواں طلبہ پر لازم تھا کہ تصحیحِ اعراب کے ساتھ میانہ روی اور بلند آہنگی کو ملحوظ رکھے۔ ابتدائے سال میں باقاعدہ انتخاب بھی ہوتا اور جہیر الصوت و داؤدی اللہجہ کو ترجیح دی جاتی۔ جس کی عبارت خوانی میں کوتاہی ہوتی اسے ایسی نرم اور مشفقانہ ڈانٹ پلاتے کہ آئندہ کے لیے ایک دم سنبھل جاتا۔ ان کے دروس میں تلاوت کرنے والے کا ذی استعداد، بلبل نوا اور بلند آواز ہونا لازم تھا۔ ان کے سامنے کا کامیاب ہر جگہ کامیاب رہتا۔

مفتی صاحبؒ کی تعبیرات

حضرت الاستاذ اپنے درس کے دوران ایسی تعبیرات اختیار کرتے کہ طلبہ کئی کئی گھنٹے لگاتار بیٹھنے کے بعد بھی اکتاہٹ کا شکار نہ ہوتے۔ مثلاً جب امام ترمذی ایک سند پر کسی دوسری سند کو ترجیح دیتے ہوں تو مفتی صاحب فرماتے کہ: فلاں سند میں یہ خامی ہے، اسی لیے امام ترمذی نے دوسری سند کو راجح کہا ہے۔ حضرت کی عادت ہے کہ جہاں نشیب دیکھتے ہیں، ادھر پانی بہا دیتے ہیں۔ اسی طرح کسی امام یا محدث کا تعارف کراتے تو کبھی کبھار درمیان میں فرماتے کہ ان کا وطنی تعلق گا گلھیڑی سے ہے، جس پر طلبہ بے اختیار ہنس پڑتے۔ طلبہ عموماً ایسے خطیبوں یا مدرسین کو سننا پسند کرتے ہیں، جن کے یہاں تفریحِ طبع اور منورنجن کا سامان ہو، حضرت الاستاذ اس پر فرماتے کہ یہ دین کی طلب نہیں، کان کی عیاشی ہے۔ رجالِ حدیث میں کوئی راوی حد سے زیادہ کمزور ہوتا تو فرماتے کہ یہ راوی تو دو پیسے کا بھی نہیں ہے۔ کبھی کبھی مسئلے کی تفہیم کے وقت خود ہی کوئی استفتاء قائم کرتے تو کہتے: کیا فرماتے ہیں علمائے دین، مفتیانِ شرعِ متین مسئلۂ ذیل میں کہ آیا زید کا یہ عمل درست ہے؟ اگر جواب نفی میں ہوتا تو خاص انداز میں متصلاً فرماتے: اونہوں!! مجمع قہقہوں سے گونج اٹھتا۔ کئی بار عبارت خواں غلطیاں کرتا تو کہتے: تیرے ساتھ سر ٹکرانے سے اچھا ہے کہ میں خود ہی عبارت پڑھ لوں۔ بھینس اللغات کی تعبیر بھی پہلی دفعہ انہیں کی زبانی میں نے سنی۔ غرض کہ اچھوتی اور نئی نئی تعبیرات لاکر طلبہ کو تازہ دم رکھتے۔

تفردات کے سلسلے میں حضرت الاستاذ کی وضاحت

حضرت الاستاذ جو کچھ فرماتے وہ ان کی اپنی تحقیق ہوتی تھی۔ کبھی کبھار ان کی تحقیق سب سے الگ تھلگ ہو جاتی اور تفردات کے خانے میں چلی جاتی تھی۔ کسی فقہی مسئلے پر اپنی کوئی بات رکھتے اور وہ بات جمہور کے خلاف ہو تو طلبہ سے صاف صاف کہہ دیتے کہ میری اس رائے پر تمہارا عمل درست نہیں۔ دارالعلوم کا دارالافتاء ہی تم پر لازم ہے۔ فرمایا کرتے کہ میں ساری مرجوح حدیثوں پر زندگی میں کم از کم ایک بار عمل تو کر ہی لیتا ہوں۔ میں کبھی کبھار رفعِ یدین بھی کر لیتا ہوں۔

اپنی تشریحات سے رجوع

مفتی صاحب کے درس کی ایک خاص بات یہ بھی تھی کہ اگر کسی مسئلے کی تقریر ان سے غلط ہو جاتی تو اگلے دن فرماتے کہ میں نے پچھلے دن تقریر یوں کی تھی، وہ غلط ہے۔ صحیح تقریر وہ ہے جو ابھی بیان کر رہا ہوں۔ یہ ان کی امانت کی بات تھی۔ میری طالب علمی کے دوران سال بھر دو تین بار ایسی نوبت آئی تھی۔

درس گاہ میں حاضری سے متعلق حضرت الاستاذ کا اصول

حضرت الاستاذ طلبہ کو نظم وضبط کا پابند بننے پر خوب زور دیتے۔ چناں چہ ان کی جانب سے ابتدائے سال میں ہی صاف اعلان ہوتا کہ میرے آنے سے پہلے سارے طلبہ دارالحدیث میں آجائیں۔ یوں نہ ہو کہ میں سبق شروع کروں اور کچھ طلبہ اس رخ سے آئیں اور کچھ طلبہ اس جانب سے۔ یہ عمل بہتر نہیں ہے۔ اس سے ذہن منتشر ہوتا ہے۔ مفتی صاحب کے اس اعلان پر طلبہ کی

جانب سے بھی حتی المقدور عمل ہوتا۔ کبھی ایسا ہوا کہ مفتی صاحب درس گاہ تشریف لائے تو طلبہ کم تھے اور بعض دوڑتے ہوئے درس گاہ میں گھس رہے تھے۔ حضرت الاستاذ کو یہ عمل اس قدر ناگوار ہوتا کہ اسی وقت الٹے پاؤں واپس چلے جاتے اور جب تک ترجمان اچھی طرح معافی تلافی نہ کرلے وہ درس گاہ میں نہیں آتے تھے۔ اس دن کا سبق تو ناغہ ہو ہی جاتا تھا۔

کوئی حدیث بغیر کلام کے جانے نہ دیتے

حضرت الاستاذ کی خاص ادا یہ تھی کہ کتاب کی ہر ہر حدیث پر کچھ نہ کچھ کلام ضرور کرتے۔ اگر حدیث بحث طلب ہے اور معرکۃ الآراء مسئلے پر مشتمل ہے تب تو تفصیلی کلام لازم تھا۔ اس کے ہر رخ سے پردہ ہٹاتے۔ اگر مسئلہ معرکۃ الآراء نہیں، مگر کسی نہ کسی درجے میں اہم ہے تو ضروری کلام کرکے آگے بڑھ جاتے۔ اور اگر وہ حدیث پہلے گزر چکی ہے تو فرماتے کہ اس حدیث پر کلام ہو چکا ہے۔ پوری کتاب اسی طرح مکمل ہوتی۔ حضرت الاستاذ کے یہاں سرداً پڑھنے کا معمول نہیں تھا۔ تعلیمی ایام میں انہیں کسی سفر کی عادت نہیں تھی، اس لیے کتاب کی تکمیل میں انہیں کوئی دشواری نہیں آتی تھی۔ بہت کم سنا گیا کہ آج مفتی صاحب تشریف نہیں لائیں گے۔ اپنے مشن میں انہماک اور انہماک میں تواتر و تسلسل ان کی کامیابی کا سب سے بڑا راز تھا۔

کوئی اشکال ہو تو پرچی بھیجو

استاذِ محترم کی یہ ادا بھی رہی کہ وہ دورانِ درس سوالیہ پرچی کے فوری جواب کے قائل نہیں تھے۔ ان کی واضح ہدایت تھی کہ اگر کوئی تقریر سمجھ میں نہ آئی ہو یا کوئی سوال و اشکال ذہن میں آرہا ہو تو پرچہ لکھ کر ابھی دو، لیکن اس کا جواب کل دوں گا۔ پرچیوں پر فوری توجہ سے درس متاثر ہوتا ہے۔

درس گاہ میں بیٹھنے کا انداز

حضرت الاستاذ کے درس گاہ تشریف لانے کا انداز بڑا پرکشش تھا۔ وہ اپنے روایتی لباس میں تشریف لاتے۔ جبہ، جو نصف ساق تک دراز ہوتا۔ پاجامہ اور خاص قسم کی گجراتی ٹوپی، جو سفید، گول اور سر سے چپکی ہوتی تھی۔ اس پر سفید رومال۔ کبھی کبھار عمامہ اور اس پر سفید رومال۔ دیکھ کر لگتا کہ کوئی عربی النسل محدث تشریف فرما ہے۔ پر وقار رفتار سے درس گاہ آتے اور چار زانو ہو کر بیٹھ جاتے۔ ان کے بیٹھنے کی یہ شکل درمیان میں کسی وقت بھی نہ بدلتی تھی، خواہ کتنا ہی وقت درس گاہ میں نہ لگ چکا ہو۔

حضرت الاستاذ اور احترام اسلاف

حضرت الاستاذ کی جن اداؤں نے مجھے بہت زیادہ متاثر کیا، ان میں سے ایک یہ تھی کہ دورانِ درس جب بھی کسی بزرگ، محدث یا فقیہ کا نام آتا، خواہ وہ ائمۂ اربعہ میں سے کسی بھی امام کے مقلد ہوں، بڑے احترام سے انہیں یاد کرتے۔ حضرت، رحمہ اللہ، قدس سرہ اور برد اللہ مضجعہ جیسے دعائیہ جملے ان کی زبان کا لازمی حصہ تھے۔ میں نے کبھی بھی اس ادا میں تخلف نہیں پایا۔ حالانکہ ان کا علمی رد پورے شباب پر چل رہا ہوتا تھا۔ ان کی دلیلوں کی کاٹ پر پوری تقریر چلتی تھی، مگر اس کے باوجود ہوش و

حواس اور احترام بہر صورت قائم۔ اپنے اساتذہ کے نام بھی اسی انداز سے لیتے۔ صرف مولانا مرحوم کہہ کر گزرتے انہیں نہیں دیکھا گیا۔ زندہ شخصیات میں سے بھی کسی محترم شخصیت کا نام لینا ہو تو بھی احترام کا پہلو ان کی نظر سے اوجھل نہیں ہوتا تھا۔

مفتی صاحب اور خطابت

حضرت الاستاذ بہترین استاذ کے ساتھ بہترین خطیب بھی تھے۔ البتہ ان کی خطابت میں جوش، آواز کا ابھار، لہجے کا زیر و بم، حواس باختگی، کرسی شکنی اور ایک سانس میں کئی کئی جملے کی ادائیگی نہیں تھی، مگر وعظ و خطابت مؤثر بہت ہوتی تھی۔ یوں تو حضرت کی پوری توجہ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف پر تھی۔ چھٹی بہت کم، برائے نام کرتے تھے۔ ہمیشہ وقت پر درس گاہ آتے۔ وعظ و خطابت کے لیے ایامِ تعطیل تھے۔ ان دنوں میں وہ اکثر دیوبند سے باہر رہتے تھے۔ دارالعلوم میں طالب علمی کے دوران انجمن کے کئی جلسوں میں، اسی طرح دارالعلوم کے سالانہ انعامی اجلاس میں حضرت الاستاذ کی تقریریں سننے کا شرف مجھ کو ملا ہے۔ ممبئی کے حج ہاؤس میں بھی ان کی خطابت دیکھی۔ وہ نہایت نرم و نازک اور خوب صورت و بلیغ انداز میں اپنی بات رکھتے۔ ان کے بیان میں علم و فضل کے ساتھ دل کش اور مزاحیہ تعبیرات اس قدر ہوتیں کہ سامعین میں سے کوئی بھی نہ اٹھتا۔ اپنی بات کو مخاطب کے ذہن میں اتار دینے کے فن سے خوب آشنا تھے۔ انزلوا الناس علیٰ قدر عقولھم پر ان کا کامل عمل تھا۔ قرآن و حدیث سے استدلال کرنے کا ڈھنگ بڑا ہی اچھوتا پایا تھا۔ ان کی تقریریں زیادہ تر نہی عن المنکر کے قبیل سے ہوتی تھیں۔ ان کے تلامذہ ان کی تقریروں کو درسِ ترمذی کا نام دیتے۔ اپنے اس فن سے انہوں نے بڑے بڑے ہنگامے سرد کیے ہیں۔ دنیا کے کئی ممالک ان کے مواعظ سے براہِ راست مستفید ہو چکے ہیں۔

ان کے خطبات کے تین مجموعے منظرِ عام پر آ چکے ہیں، جن میں ”علمی خطبات“ دو جلدوں میں، * دین کی بنیادیں اور ان کی ضرورت * اور تیسرا مجموعہ * عصری تعلیم * ہے۔ ان کے فرزندوں سے توقع رکھتا ہوں کہ غیر مطبوعہ تقریروں کے مجموعے بھی حسبِ سہولت شائع کریں گے۔

تصنیف و تالیف

درس و تدریس اور اس کے ساتھ کثرتِ تصنیف و تالیف کی بات جب بھی آئے گی، حضرت الاستاذ ہمیشہ صفِ اول میں نظر آئیں گے۔ تدریس کے دوش بدوش کتب نویسی کا کام دارالعلوم کی تاریخ میں کسی نے اس کثرت سے نہیں کیا۔ کئی کتابیں تو کئی کئی جلدوں میں ہیں۔ تحفۃ القاری، رحمۃ اللہ الواسعہ، تحفۃ الالمعی، برہانِ الٰہی، ہدایت القرآن وغیرہ۔ چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی کتابیں ان کے قلم سے آئیں۔ محفوظات سے لے کر تحفۃ القاری تک۔ ان کتابوں میں سے زیادہ تر کا تعلق درسیات سے ہے۔ جو کتاب بھی تدریس کے لیے ان سے متعلق ہوئی، اس کی شرح آ گئی۔ ترمذی شریف کی شرح تحفۃ الالمعی، بخاری شریف کی شرح تحفۃ القاری، حجۃ اللہ البالغہ کی شرح رحمۃ اللہ الواسعہ، الفوز الکبیر کی شرح العون الکبیر، رسم المفتی کی شرح آپ فتویٰ کیسے دیں؟ نخبۃ الفکر

کی شرح وغیرہ۔ ان کا تعارف آئندہ کسی قسط میں پیش کروں گا۔ تصنیف و تالیف میں حضرت الاستاذ کی عادت تھی کہ باقاعدہ وہ اپنے قلم سے لکھتے تھے۔ املا نہیں کراتے تھے۔ زود نویس تھے۔ کم وقت میں کئی کئی سطریں لکھ ڈالتے تھے۔ کتب نویسی میں وہ ایسے مگن تھے کہ ان سے ملاقات کرنا آسان نہیں تھا۔ ملاقات بات کے لیے عصر بعد کا وقت طے تھا، اس کے بعد ان سے ملنا تقریباً محال تھا۔

حضرت الاستاذ سے ملاقات کا ایک واقعہ

چار سال قبل کی بات ہے۔ میرے ایک رشتے دار حضرت مولانا وصی احمد قاسمی صاحب ممبئی سے دیوبند تشریف لائے۔ وہ دارالعلوم کے فاضل تھے۔ حضرت الاستاذ سے انہیں بڑی عقیدت تھی۔ دارالعلوم میں ان کی طالب علمی کا جو سال تھا، وہی حضرت الاستاذ کی مدرسی کا بھی سال تھا، یعنی 1973۔ اسی سال آٹھ سالہ نصاب کی درجہ بندی عمل میں آئی تھی۔ مولانا نے ان سے الفوز الکبیر، سلم العلوم، جلالین اور ہدایہ جلد اول پڑھی تھی۔ فراغت کے بعد ممبئی گئے تو چالیس سال کے بعد ہی دیوبند واپس آئے۔ وقت کم تھا۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ حضرت مفتی صاحب سے ملنا ہے۔ میں نے کہا کہ مغرب کے بعد ملاقات ممکن نہیں۔ کہنے لگے: نہیں ملاقات کر ہی لیں۔ میں انہیں لے کر گیا۔ دروازہ کھٹکھٹایا۔ حضرت نے اجازت دی۔ ہم جوں ہی ان کے قریب ہوئے تو خیریت پوچھی۔ پھر فرمایا: مولانا! آپ غلط وقت پر آگئے۔ یہ وقت میری تصنیف و تالیف کا ہے۔ میں ساری متعلقہ بحثیں دیکھ کر اپنے ذہن میں ایک خاص ترتیب بناتا ہوں اور پھر انہیں قلم بند کرتا ہوں۔ آپ تشریف لائے تو خوشی ہے، مگر میرے سوچے ہوئے سارے مضامین اڑ گئے۔ ساری محنت ضائع ہو گئی۔ یہ جملے درمیانِ گفتگو کئی بار دہرائے۔ مجھے بڑی ندامت ہو رہی تھی کہ بلاوجہ خیر کے ایک بڑے کام میں مخل ہو گیا۔ کہنے لگے: اب تو باتیں کرو، لیکن آئندہ خیال رکھو!

ایک بہترین نصیحت

میرے مہمان نے حضرت سے دعا کی درخواست کی تو فرمایا: اپنے اعمال درست کر لو، ایمان میں خود بخود استحکام آئے گا۔ فرمایا کہ جس درخت یا پودے کی کاٹ چھانٹ ہوتی رہے، ان کی تندرستی اور نمو چلتی رہتی ہے۔ ایمان کی مضبوطی کے لیے اعمال کی تزئین و آرائش ضروری ہے اور یہ اتباعِ سنت کے کمال سے ہی ممکن ہے۔

حفاظتِ وقت کا اہتمام

اس قصے سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وقت کی قدر و قیمت ان کے نزدیک کیا تھی۔ سچ یہ ہے کہ وقت کے معاملے میں وہ انتہائی حساس واقع ہوئے تھے۔ وہ اسے متاعِ گراں مایہ خیال کرتے تھے۔ ایک لگی بندھی زندگی تھی۔ ایک اصولی طرزِ حیات۔ ایک ایک سکینڈ ان کی نظر میں ہیرے جواہرات سے زیادہ قیمتی تھا۔ بہت سوچ سمجھ کر اور گن گن کر اسے صرف کرتے تھے۔ انہیں کبھی خالی نہیں دیکھا گیا۔ ایسے لوگ ہی کم وقت میں زیادہ کام کر جاتے ہیں اور انقلاب ایسے ہی نفوس سے برپا ہوتا ہے۔ اسی

حفاظتِ وقت کے پیشِ نظر طلبہ اور ملاقاتیوں سے ملاقات کا وقت عصر کے بعد کا وقت طے تھا، اس کے بعد ملنا مشکل، بلکہ محال۔ اور یہ وقت بھی علم و فن کی ترسیل و اشاعت میں خرچ ہوتا تھا۔ طلبہ پرچیاں دے کر سوالات کرتے اور حضرت الاستاذ بڑی بشاشت سے ان کے جوابات دیتے۔

تحفۃ القاری کی تصنیف کا دوبارہ آغاز

2005 میں حضرت الاستاذ کے سینے میں درد اٹھا تھا۔ ڈاکٹروں کے مطابق رپورٹ نکلوائی گئی تو پتہ چلا کہ دل کی تین رگیں بند ہو چکی ہیں۔ ایک سال تک علاج چلا، مگر طبیعت بگڑتی چلی گئی۔ پھر شفا مل گئی، اگرچہ کمزوری دن بہ دن بڑھتی رہی۔ 2013 میں طبیعت پھر بگڑی اور ہارٹ اٹیک ہوا۔ ڈاکٹروں نے آپریشن کیا اور آرام کا مشورہ دیا۔ یہ ساری کارروائی ممبئی میں ہوئی۔ چند دنوں کے بعد صحت یاب ہو گئے، مگر معالجین کا مشورہ تھا کہ ابھی مزید آرام کریں، تھوڑے دن آرام کیا اور چلے آئے۔ دیوبند پہونچے تو اب بخار نے زور دار حملہ کیا۔ پھر بمبئی جانا پڑا۔ علاج سے طبیعت سنبھلی، تاہم ڈاکٹر کا اشارہ تھا کہ آپ ابھی یہیں رہیں۔ حضرت الاستاذ کو آرام کی یہ تجویز بھی وقت کا زیاں معلوم ہوئی۔ ممبئی سے جلدی چلے آئے اور تحفۃ القاری کا کام دوبارہ شروع کیا۔ تفصیل کے لیے تحفۃ القاری جلد نمبر 9 دیکھیے۔

شعر و شاعری سے لاتعلقی

شعر و شاعری وقت کا خون بہت کرتی ہے۔ جتنے وقت میں ایک شاعر ایک نظم یا کوئی کلام مکمل کرتا ہے، اتنے وقت میں ایک اچھا مضمون ترتیب پا سکتا ہے۔ احقر کو اس کا بڑا تجربہ ہے۔ اب تو میرے ساتھ ایسا نہیں ہوتا، مگر مبتدیوں کے لیے یہ بڑی مہلک چیز ہے۔ حضرت الاستاذ کا قلم پڑھنے والے جانتے ہیں کہ اردو پر ان کی گرفت کس قدر شان دار تھی!! اگرچہ ان کی زبان سادہ اور لفظی صنعت گری سے آزاد تھی، مگر الفاظ اور جملوں کے بر محل استعمال کا فن انہیں خوب آتا تھا۔ ان کی کتابوں میں ایسے نمونے جگہ جگہ مل جائیں گے، مگر شاعری سے انہیں کوئی سروکار نہیں تھا۔ بچپن میں اشعار یاد کرنے کا شوق انہیں ضرور تھا اور اسی شوق میں اپنا تخلص واصل بھی رکھ لیا تھا۔ تھوڑی بہت مشقِ سخن بھی جاری تھی، لیکن یہ سلسلہ آگے نہ بڑھ سکا۔ تحفۃ الالمعی ج 6 میں حضرت الاستاذ فرماتے ہیں کہ: جب میں مظاہرِ علوم سہارن پور میں طالب علم تھا اور ابھی نابالغ تھا، اس وقت جنون کی حد تک مشاعرے سننے کا شوق پیدا ہو گیا تھا اور خود بھی تک بندی کرتا تھا۔ واصل تخلص رکھ رکھا تھا۔ حضرت الاستاذ مولانا مفتی محمد یحییٰ صاحب قدس سرہ جو میرے سرپرست تھے، میرے حال سے واقف ہوئے۔ انہوں نے مجھے بلا کر یہ حدیث سنائی۔ اس کے بعد میرا حال یہ ہو گیا کہ میں نے وہ سب کاپیاں پھاڑ کر پھینک دیں، جن میں مشاعرے لکھ رکھے تھے۔ اور وہ ہزاروں اشعار جو مجھے یاد تھے، رفتہ رفتہ بھول گیا۔ اور اب یہ حال ہو گیا ہے کہ اشعار پڑھتا ہوں تو وزن ٹوٹ جاتا ہے۔ صحیح شعر نہیں پڑھ سکتا، پڑھتے پڑھتے بھول جاتا ہوں۔

فالحمد للہ علیٰ ذالك و جزی اللہ استاذی خیرا و غفر له و برد اللہ مضجعه۔ (598)

وزن کی سلامتی واقعی باقی نہیں رہی

اشعار سے رشتہ ٹوٹا تو اس سے قدر دور ہوئے کہ کلام کی تخلیق تو کیا ہوتی، اشعار کا پڑھنا بھی ان کے لیے مشکل ہو گیا۔ اس کی ایک مثال ان کی کتاب تحفۃ القاری سے پیشِ خدمت ہے، اپنی سخت علالت اور ہارٹ اٹیک کی کیفیت قلم بند کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

28 اکتوبر پیر کا دن عملِ جراحی کے لیے طے کیا، مگر 27 اکتوبر بروز اتوار دو پہر کے وقت سخت اٹیک آیا اور میں بے ہوش ہو گیا۔ ساتھیوں نے فوراً ڈاکٹروں کو فون کیا۔ ڈاکٹر مع عملہ اتفاقاً شفاخانے میں موجود تھا۔ انہوں نے مجھے فوراً آپریشن کے لیے اٹھایا۔ اور خبر آناً فاناً ملک اور بیرونِ ملک پھیل گئی۔ اور ہر جگہ دعائیں شروع ہو گئیں۔ بعض جگہ ختم پڑھے گئے اور مکہ مکرمہ میں بعض حضرات طواف اور دعامیں لگ گئے:

ملک الموت اڑے ہیں جان لے کے جائیں گے

سر بسجدہ ہے مسیحا کہ میری بات رہے

اس شعر میں پہلا مصرع وزن سے باہر ہے۔ اور نقل بھی مطابقِ اصل نہیں۔ اصل شعر اس طرح ہے:

ملک الموت کو ضد ہے کہ میں جاں لے کے ٹلوں

سر بسجدہ ہے مسیحا کہ مری بات رہے

ممبئی میں ایک مختصر ترین تقریر

وقت کی قدر و قیمت ان کی طبیعت میں اس قدر راسخ تھی کہ اپنے مخاطبین کو اس کی حفاظت کی تلقین ضرور کرتے۔ مجھے یاد ہے کہ میں ممبئی کے دارالعلوم عزیزیہ میں مدرس تھا، حضرت الاستاذ اس ادارے میں چند منٹوں کے لیے تشریف لائے۔ مہتمم حضرت مولانا مظہر عالم قاسمیؒ نے ان سے طلبہ کے درمیان خطاب کی فرمائش کی۔ حضرت الاستاذ نے اسے قبول کرتے ہوئے نہایت مختصر تقریر کی۔ خطبہ کے بعد فرمایا: عربی کا مقولہ ہے: من جد وجد، پھر فرمایا کہ محنت اور جفاکشی انسان کو منزل تک پہونچا کر دم لیتی ہے، اس لیے آپ اپنے مقصد کے حصول میں اپنا وقت صرف کریں، منزل مل کر رہے گی۔ بس اتنی سی بات پر ان کا خطاب مکمل ہو گیا۔

مفتی صاحب اور نہی عن المنکر

کسی برائی کو دیکھ کر تکلیف کا ہونا زندہ ایمانی کی علامت ہے۔ احادیث میں آیا ہے کہ تم میں سے جو کوئی کسی گناہ کو دیکھے تو چاہیے کہ اپنے ہاتھ سے روکے، اگر اس کی ہمت نہ ہو تو کم از کم زبان سے روک دے۔ یہ بھی اگر بس میں نہ ہو تو دل سے اسے گناہ سمجھے، اور یہ ایمان کا سب سے کمزور حصہ ہے۔ حضرت الاستاذ نہی عن المنکر کے باب میں بڑے عزیمت والے واقع ہوئے تھے۔ کسی گناہ

پر خاموش رہنا ان کی طبیعت میں نہیں تھا۔ وہ جو کہتے، ڈنکے کی چوٹ پر کہتے۔ بلا خوفِ لومۃ لائم کہتے۔ انہیں اس کی پرواہ نہیں تھی کہ کوئی کیا کہے گا۔ اس طبیعت کی بنا پر ان پر سخت حالات بھی آئے، لیکن اپنے موقف سے کبھی پیچھے نہیں ہٹے۔

مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ صاحب کی تحریک میں پیدا شدہ خامیوں پر گرفتیں

کم و بیش سو سال قبل حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی صاحبؒ نے مسلم عوام میں اسلامی ماحول بنانے کے لیے ایک گشتی نظام چلایا، جسے تبلیغی جماعت کا نام دیا گیا۔ اس جماعت سے اللہ نے بڑا کام لیا، لیکن آہستہ آہستہ اس میں کچھ خامیاں سر اٹھانے لگیں۔ جن علمائے امت نے اس کی خامیوں کی نشان دہی کی، ان میں حضرت الاستاذ بھی ہیں۔ وہ دورۂ حدیث کے اسباق میں کسی مناسب موقعے پر اس پر بھی اصلاحی تبصرے کرتے تھے۔ ملک و بیرونِ ملک کے دیگر جلسوں اور نشستوں میں بھی ان خامیوں کو دور کرنے کے لیے اصحابِ جماعت کو متوجہ کیا۔ مولانا سعد کاندھلوی صاحب اور دارالعلوم دیوبند کے درمیان جو خطوط کا سلسلہ چلا ان میں حضرت الاستاذ کے دستخط بھی ہیں۔ پھر جب جماعت دو ٹکڑوں میں بٹ گئی اور دارالعلوم میں دونوں پر پابندی لگی تو جملہ اساتذہ کی طرح حضرت الاستاذ بھی غیر جانب دار تھے۔ اور دونوں سے فاصلہ بنائے ہوئے۔ بعضوں نے انہیں شوریٰ والوں کا حامی سمجھا تو انہوں نے سختی سے تردید کی۔ دارالعلوم کے اس فیصلے کے بعد جن بڑے اساتذہ پر جارحانہ اور غیر اخلاقی تبصرے ہوئے، ان میں مفتی صاحب بھی ہیں، مگر وہ ٹس سے مس نہیں ہوئے۔

مفتی صاحب کا واضح موقف

مفتی صاحب صرف کہنے کی حد تک نہیں، جماعت کی غلطیوں پر قلم بھی چلاتے تھے اور بہت صاف الفاظ میں اپنا موقف رکھتے تھے۔ مولانا شعیب اللہ خان صاحب کی کتاب غلو فی الدین میں لکھتے ہیں کہ :

یہاں ایک سوال ہے کہ جماعت کا غلو جماعت کے بڑوں کو سمجھانا چاہیے، اس کو پبلک کے سامنے نہیں رکھنا چاہیے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ پانی سر سے گزر گیا ہے۔ اب جماعت کے عوام و خواص انا، انا و لا غیری کے زعم میں مبتلا ہو گئے ہیں؛ پس جب بات خواص تک محدود نہیں رہی تو قضیہ عوام کے سامنے رکھنا ضروری ہے۔ (ص20)

اسلام اعتدال کا نام ہے

منکرات کے باب میں حضرت الاستاذ کے اس تصلب کی وجہ ان کا یہ موقف تھا کہ اسلام افراط و تفریط سے پاک مذہب ہے، اس میں کمی بیشی اور خلافِ شریعت کوئی آمیزش نہیں چلے گی۔ جس جماعت نے بھی غلو کا راستہ اپنایا وہ منزل چوک گئی اور ایک نیا فرقہ تشکیل پا گیا، چناں چہ فرماتے ہیں کہ :

اسلام کے مزاج میں اعتدال ہے اور * غلو * اعتدال کے منافی ہے۔ اور عقائد کی خرابی اعمال کی خرابی سے ناشی ہوتی ہے۔ جس طرح عملِ صالح سے ایمان کو جلا ملتی ہے، اسی طرح اعتدال سے ہٹے ہوئے اعمال سے [اگرچہ وہ اعمالِ صالحہ ہوں] ایمان کو

گھن لگ جاتا ہے اور وہ دن بدن کمزور ہوتا جاتا ہے، تا آں کہ وہ دائرۂ ایمان سے بالکل نکل جاتا ہے۔ جیسے قادیانی، غالی شیعہ اور منکرینِ حدیث وغیرہ فرقے اور جماعتیں حدود پار کر گئے ہیں اور ان کا اسلام سے کچھ تعلق باقی نہیں رہا۔ اور اسلامی فرقے اور جماعتیں اگرچہ حدود میں ہیں، مگر ان کا اپنے عقائد واعمال میں غلو کسی دن ان کے لیے وبالِ جان بھی بن سکتا ہے۔[ایضاً، ص19[

ممبئی کے حج ہاؤس میں غیر مقلدین کے خلاف مفتی صاحب کا خطاب

میں نے دارالعلوم میں اپنی طالب علمی کے بعد بھی مفتی صاحب کے بیانات متعدد مقامات پر سنے ہیں۔ ایک بیان 2001 میں ممبئی کے حج ہاؤس میں سننے کا موقع ملا۔ یہ غیر مقلدیت کے خلاف جلسہ تھا جو جمعیۃ علمائے ہند کے زیرِ اہتمام منعقد ہوا تھا۔ اس وقت غیر مقلدین عالمِ عرب میں چھائے ہوئے تھے اور پورے شباب میں چل رہے تھے۔ احناف کے خلاف ان کی مہم کسی منہ زور آندھی سے کم نہ تھی۔ سعودی عرب نے مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی تائید کے ساتھ شیخ الہند کا ترجمہ کلام پاک چھاپ رکھا تھا، جو حاجیوں کو ہدیے میں دیا جاتا تھا۔ غیر مقلدین نے اپنی لگاتار کوششوں سے اسے ہٹوا کر محمد جونا گڑھی صاحب کا ترجمہ سعودی حکومت سے چھپوالیا تھا۔ منکرینِ فقہ کے اس بڑھتے سیلاب پر بند ڈالنا ضروری تھا۔ جمعیۃ علمائے ہند اسی غیر مقلدیت کو لگام کسنے لیے ملک بھر میں تحفظِ سنت کانفرنس کے نام سے جلسے کر رہی تھی۔ یہ جلسہ اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ میں اس وقت دارالعلوم عزیزیہ میں مدرس تھا۔ جلسے میں شرکت کے لیے میں بھی روانہ ہوا۔ مجھے معلوم تھا کہ حضرت الاستاذ بھی تشریف لا رہے ہیں، اس زمانے میں موبائل کا کوئی تصور نہیں تھا۔ ان کی تقریر ٹیپ کرنے کے ارادے سے ایک ٹیپ ریکارڈ بھی اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ مفتی صاحب کا خطاب شروع ہوا تو سب کی نگاہیں ان کی طرف ٹک گئیں اور کان ان کے الفاظ کی طرف ملتفت۔ خطاب بہتے دریا کی مانند رواں دواں تھا۔ بڑا علمی اور نہی عن المنکر سے لبریز۔ سلسلہ کلام میں فرمایا کہ غیر مقلدین کے پاس علم و دلائل کچھ نہیں، بس پیسے کے بل پر اچھل رہے ہیں۔ جس دن تھیلی خالی ہو جائے گی ساری اکڑ فوں ختم ہو جائے گی۔

ایک شاندار لطیفہ

اس موقع پر انہوں نے ایک لطیفہ بھی سنایا تھا جو نفحۃ الیمن میں کچھ یوں ہے :حضرت ابو بکر بن الخاضبہ محدث رات میں کچھ لکھ رہے تھے تو چوہے کا ایک جوڑا اچھلتا کودتا ان کے سامنے آیا، انہوں نے ایک کو پیالے سے ڈھانپ دیا۔ اس کے بعد دوسرے چوہے نے بار بار ایک ایک اشرفی لا کر ان کے سامنے رکھنا شروع کیا یہاں تک کہ آخر میں ایک چمڑے کی تھیلی اٹھالایا جس میں ایک اشرفی تھی۔ اس سے انہوں نے سمجھ لیا کہ چوہے کے پاس اب کوئی اشرفی باقی نہیں رہ گئی ہے پھر انہوں نے پیالہ اٹھالیا اور چوہا نکل کر اپنے جوڑے کے ساتھ اچھلتا کودتا بھاگ نکلا۔ ❐❖❐ (بقیہ اگلے شمارہ میں)

فقہ وحدیث کا بحر بیکراں

حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند

مفتی خلیل الرحمن قاسمی برنی

19 / مئی 2020ء مطابق 25 / رمضان المبارک 1441ھ صبح سویرے سوشل میڈیا کے ذریعہ اطلاع ملی کہ فقہ وحدیث کے بحر ناپیدا کنار اور امام المعقول والمنقول استاذ محترم حضرت اقدس مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند کئی دنوں کی علالت کے بعد دار فانی سے دار باقی کی طرف رحلت فرماگئے۔بے ساختہ زباں پر استر جاع کے کلمات جاری ہوگئے۔آنسوؤں کا ایک سیل رواں تھا جو رکنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔بہت دنوں کے بعد ایسی کیفیت ہوئی کہ کافی دیر تک اپنے آپ کو سنبھالنا مشکل ہورہا تھا۔

حضرت الاستاذؒ کی وفات پر حسرت کی خبر نے ان تمام دلوں کو حیرت میں ڈال دیا ہے،جن میں علم وفن کی عظمتیں جاگزیں ہیں آج پوری جماعتِ دیوبند اپنے آپ کو یتیم محسوس کررہی ہے کیوں کہ حضرت الاستاذ موجودہ دور میں جماعت دیوبند کے سب سے بڑے سرخیل تھے آپ استاذ تھے،استاذ الاساتذہ تھے،بڑے تھے،بڑوں کے بھی بڑے تھے،آپ کو دیکھ کر اسلاف کی یاد تازہ ہوتی تھی،آپ بقیۃ السلف اور یادگار صالحین تھے۔

راقم کو جن عظیم المرتبت شخصیات اور بلند پایہ ہستیوں کو قریب سے دیکھنے کا حسین موقعہ ملا اور ان کے جاوداں نقوش سے قلب ابھی تک متأثر ہے ان میں حضرت الاستاذؒ کی ذات گرامی خاص طور پر شامل ہے۔آپ کے اس طرح اچانک رحلت فرمانے سے دیوبند سے وابستہ ہر شخص پر غم واندوہ کا کوہ گراں گر پڑا ہے ہے۔پوری فضا سوگوار ہے۔در و دیوار ماتم کناہیں۔ہر ایک رورہا ہے سب کی آنکھوں میں آنسوں ہیں۔والد محترم حضرت مولانا قاری شفیق الرحمن صاحب بلند شہری استاذ دار العلوم دیوبند کا ابھی فون آیا،آواز بھرا رہی تھی،روتے ہوئے پوچھا،بیٹا کچھ اطلاع ہے۔میں نے کہا کہ مجھے اطلاع مل چکی ہے۔یہ کہہ کر ہچکیوں کے ساتھ رونا شروع کردیا اور کہا کہ بیٹا!حضرت کیلئے جتنا ہوسکے ایصال ثواب کرو۔حضرت الاستاذ کے ہمارے اوپر بہت احسانات ہیں۔اتنا کہہ کر سلسلہ منقطع کردیا۔کون کس سے کیا کہے۔سب غمزدہ ہیں سب مغموم ہیں،تمام تلامذہ اور تمام وابستگان دیوبند کے لئے یہ حادثہ یکساں ں نوعیت کا ہے۔ہر ایک کو تسلی کی ضرورت ہے اور ہر ایک کو تعزیت کی ضرورت ہے۔اللہ آپ کے تمام شاگردوں،محبین اور اہل وعیال کو صبر جمیل نصیب فرمائے۔یقینا آپ کی رحلت اس دور قحط الرجال میں امت کے لئے بہت بڑے خسارہ کا سبب ہے۔یہ ایسا عظیم سانحہ ہے جس کو فضلائے دار العلوم اور وابستگانِ دیوبند شاید ہی کبھی بھلا سکیں۔

حضرت الاستاذ رحمہ اللہ سے جڑی یادوں اور باتوں کا ایک طویل سلسلہ ہے مگر آج کی تحریر میں حضرت رحمہ اللہ کے مختصر سوانحی

نقوش پیش کئے جارہے ہیں:-

ولادت

تقریباً1360ھ مطابق1940ء میں موضع کالیڑہ ضلع بناس کانٹھا (شمالی) گجرات میں پیدا ہوئے، آپ کا نام والدین نے صرف "احمد" رکھا تھا لیکن جب "مظاہر العلوم سہارنپور" میں داخلہ لیا تو آپ نے اپنا نام "سعید احمد" خود لکھوایا تھا، بناس کانٹھا ایک ضلع ہے جس کا مرکزی شہر پالنپور ہے موضع کالیڑہ پالنپور کی مشہور بستی ہے جو پالنپور سے جنوب مشرق میں تیس میل کے فاصلے پر ہے۔

تعلیم وتربیت:

پانچ یا چھ سال کے ہوئے تو آپ کے والد محترم نے گاؤں کے مکتب میں تعلیم کے لئے بٹھادیا، مکتب کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد موصوف اپنے ماموں مولانا عبدالرحمن صاحب کے ساتھ "چھاپی" تشریف لے گئے، یہاں چھ ماہ تک اپنے ماموں اور دیگر اساتذہ سے فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھتے رہے، چھ ماہ کے بعد ماموں چونکہ تدریس چھوڑ کر گھر واپس آگئے تھے۔ اس لئے آپ بھی ماموں کے ساتھ گھر تشریف لے آئے اور چھ ماہ تک ماموں کے گھر ان سے فارسی کی کتابیں پڑھتے رہے، اس کے بعد چار سال تک پالنپور کے مدرسہ میں حضرت مولانا ہاشم صاحب بخاری اور مفتی محمد اکبر میاں صاحب سے عربی کی ابتدائی اور متوسط کتابیں پڑھیں۔

1377ھ میں مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لیکر تین سال تک نحو ومنطق اور فلسفہ کی کتابیں پڑھیں، پھر فقہ، تفسیر، حدیث اور فنون کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے 1380ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ دار لعلوم دیوبند میں آپ کے اساتذہ میں مولانا سید محمد اختر حسین صاحب، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، مولانا سید فخر الحسن صاحب مرادآبادیؒ، مولانا فخر الدین صاحب مرادآبادیؒ، مولانا مفتی مہدی حسن صاحب شاہجہانپوریؒ، مولانا بشیر احمد خان صاحب بلند شہریؒ، اور حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ شامل ہیں۔

حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب سے آپ نے دو کتابیں پڑھیں "الفوز الکبیر، جلالین شریف" آپ بچپن ہی سے ذہین، فطین، کتب بینی اور محنت کے عادی تھے، دارالعلوم دیوبند کی طالبعلمانہ زندگی میں بھی کمال شوق، لگن اور یکسوئی کے ساتھ تعلیم میں مشغول رہے، اسی لئے دورہ حدیث میں آپ نے اول نمبر سے کامیابی حاصل کی۔

1383ھ اور1384ھ میں آپ نے حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحبؒ کی نگرانی میں فتوی نویسی کی مشق کی، جس میں مہارت کے سبب ارباب دارالعلوم دیوبند نے آپ کو "معین مفتی" کی حیثیت سے دارالعلوم میں مقرر کردیا۔

تدریسی زمانہ:

ذیقعدہ 1384ھ میں بحیثیت مدرس علیا آپ دارالعلوم اشرفیہ راندیر (سورت) تشریف لائے، موصوف نے یہاں "ابوداؤد شریف، ترمذی شریف، طحاوی شریف، شمائل، موطین، نسائی شریف، ابن ماجہ شریف، مشکوٰۃ شریف جلالین شریف مع فوز الکبیر" اور دیگر کتب پڑھانے کے ساتھ تصنیف و تالیف کا مبارک مشغلہ بھی جاری رکھا، یہاں رہتے ہوئے آپ نے "داڑھی اور انبیاء کی سنتیں، حرمت مصاہرت، العون الکبیر" اور علامہ طاہر پٹنی کی "المغنی" کی شرح عربی زبان میں تحریر فرمائی نیز اسی زمانہ میں آپ نے حضرت نانوتویؒ کے علوم و معارف کی تسہیل اور تشریح کا گراں قدر کام کا آغاز فرمایا۔

دارالعلوم دیوبند میں تدریس

۱۳۹۳ھ میں آپ کا تقرر دارالعلوم دیوبند میں ہوا اور بحمد اللہ اس وقت سے آج تک دارالعلوم دیوبند میں تسلسل کے ساتھ تدریس کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔

1397-98 میں باقاعدہ حدیث کا درس ارباب دارالعلوم دیوبند نے آپکو تفویض کیا، پہلے سال مشکوٰۃ شریف جلد ثانی مع نخبۃ الفکر کا سبق آپ سے متعلق رہا پھر اگلے سال مشکوٰۃ شریف کے ساتھ موطا امام مالکؒ اور نسائی شریف کا سبق متعلق ہوا، پھر 1402ھ سے تقریباً 1430ھ تک ترمذی شریف کا سبق مکمل جاہ و جلال کے ساتھ پڑھاتے رہے پھر اپنے استاذ محترم حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ کے بعد سے بخاری شریف کا سبق بھی اسی شان و شوکت سے پڑھاتے رہے۔

درس کی خصوصیات:

حضرت مفتی صاحب دام اقبالہ کے درس کی ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کہ آپ رسوخ فی العلم کے ساتھ مرتب مضامین کو سلیقہ مندی اور سلجھی ہوئی زبان میں اس طرح بیان فرماتے تھے کہ طالب علم آپ کا سبق باآسانی سمجھ لیتا، طلبہ ءحدیث آپ کے درس میں حاضری کے لئے خصوصی شوق کا مظاہرہ کرتے نظر آتے تھے، دیکھا گیاہے کہ اکثر طلبہ آپ کی ہر بات نقل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دوران درس سنت کے مطابق ٹھہر ٹھہر کر کلام فرماتے تھے اور ائمہ ءسلف، ائمہ ءمجتہدین اور محدثین کرام کا ذکر انتہائی ادب و عظمت سے کرتے تھے۔

درس میں فقہاء کے مذاہب اور دلائل کی وضاحت میں جو طریقہ اختیار کرتے، وہ عام فہم ہونے کے ساتھ ساتھ انوکھا اور نرالا ہوتا تھا۔ اسی طرح اقوال مختلفہ کی تنقیح اس انداز پر کرتے تھے کہ ہر امام کا قول حدیث شریف کے قریب نظر آتا تھا اور ہر طالب علم محسوس کرتا کہ اکثر مسائل میں اختلاف کی بنیاد نص فہمی کا اختلاف ہے، دلائل کا اختلاف نہیں۔ ایک بڑی خوبی آپ کے درس کی یہ بھی تھی کہ پورے سال درس اس ٹھہراؤ اور ترتیب سے ہوتا کہ کتاب بحسن وخوبی مکمل ہو جاتی، یہ نہیں ہوتا کہ مشہور مباحث میں وقت صرف کرکے بقیہ کتاب پر ضروری توجہ نہ دی جائے، آپ کے یہاں اختلاف ائمہ کے بجائے مدارک اجتہاد (یعنی اختلاف کی بنیادیں، بیان کرنے پر زیادہ زور تھا۔ آپ کے درس کی یہ خصوصیت ترمذی شریف کے درس کے دوران کھل کر سامنے

آتی تھی اور یہ بات تو آپ کا ہر شاگرد جانتا ہے کہ سبق کے دوران آپ صرف مسائل ہی بیان نہیں کرتے بلکہ کتاب بھی پڑھاتے ہیں اور فن بھی سمجھاتے ہیں۔

تصنیفی خدمات:

حضرت والا دامت برکاتہم کی جملہ تصانیف مقبولیت عامہ حاصل کر چکی ہیں۔ آپ کی بیشتر تصانیف کثرت سے شائع ہو کر مشرق و مغرب میں پہونچ چکی ہیں، جن کو ہر جگہ کے علماء نے قدر کی نگاہ سے دیکھا، آپ کی تصانیف میں جو زیادہ مشہور ہیں ان کی فہرست درج ذیل ہے -:

" تفسیر ہدایت القرآن، العون الکبیر، (الفوز الکبیر کی عربی شرح) فیض المنعم شرح مقدمۂ مسلم، تحفۃ الدرر شرح نخبۃ الفکر، مبادی الفلسفہ، معین الفلسفہ، اسلام تغیر پذیر دنیا میں، داڑھی اور انبیاء کی سنتیں، تسہیل ادلۂ کاملہ، رحمۃ اللہ الواسعہ شرح حجۃ اللہ البالغہ (مکمل پانچ جلدوں میں) تہذیب المغنی (المغنی کی عربی شرح) زبدۃ الطحاوی، تحفۃ الالمعی شرح ترمذی (مکمل آٹھ جلدیں) تحفۃ القاری شرح بخاری" حضرت والا دامت برکاتہم کی مذکورہ بالا تصانیف کے علاوہ بھی اور تصانیف ہیں، آپ کی تمام تصانیف اور تمام تحریروں کا قدر مشترک یہ ہے کہ ان میں ترتیب، توضیح اور جامعیت خوب ہے، اسی لئے آپ کی کئی تصانیف دارالعلوم دیوبند اور دیگر مدارس عربیہ کے نصاب میں شامل ہیں۔

اوصاف و کمالات:

قدرت نے آپ کو بے شمار خوبیوں اور عمدہ اوصاف و کمالات سے نوازا ہے، اس تعلق سے آپ کے برادر صغیر حضرت مفتی امین صاحب پالنپوری کی تحریر ملاحظہ ہو:

"استاذ محترم کو اللہ جل شانہٗ وعم نوالہٗ نے بہت سی خوبیوں سے نوازا ہے، آپ کا ذوق؛ لطیف، طبیعت؛ سادہ اور نفیس ہے، مزاج میں استقلال اور اعتدال ہے، فطرت میں سلامت روی اور ذہن رسا کے مالک ہیں، زود نویس اور خوشنویس ہیں، حق و باطل اور صواب و خطاء کے درمیان امتیاز کرنے کی وافر صلاحیت رکھتے ہیں اور حقائق کے ادراک میں یکتائے زمانہ ہیں۔ اور سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ موصوف اپنے کاموں میں نہایت چست اور حالات کا جواں مردی سے مقابلہ کرنے والے ہیں، میں نے حضرت اقدس جیسا شب و روز محنت کرنے والا اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا، آپ کے تمام شاگرد جانتے ہیں کہ آپ کا درس کتنا مقبول ہے. آپ کی تصانیف اور تقاریر کتنی پر مغز، مرتب اور جامع ہوتی ہیں"

حضرت الاستاذ دامت برکاتہم کی ذات گرامی کا ایک بڑا وصف خورد نوازی بھی تھا اپنے چھوٹوں کی اصلاح و تربیت اور ان کو آگے بڑھانے کے لئے راہ کی تعیین اور ان کے دینی علمی تحقیقی کارناموں پر ان کی تحسین و حوصلہ افزائی بھی آپ کی خصوصی عادات میں شامل تھیں۔

تصوف وسلوک سے آپ کا تعلق:

حضرت والا دامت برکاتہم زمانہ ءطالبعلمی میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہٗ سے بیعت ہوے۔ اسی کے ساتھ حضرت مولانا عبد القادر صاحب رائے پوری رحمہ اللہ کی عرفانی واصلاحی مجالس میں شرکت کرتے رہے، اور آخر میں حضرت مولانا مفتی محمد مظفر حسین صاحب قدس سرہٗ سے تعلق قائم کیا۔ حضرت مفتی مظفر حسین صاحب قدس سرہٗ نے باقاعدہ آپ کو اجازت بیعت وارشاد سے نوازا۔

اہل وعیال کی تربیت:

اہل وعیال کی تربیت آپ نے جس طریقہ ءکار کو سامنے رکھ کر انجام دی تھی، وہ ایک انوکھی مثال ہے، آپ نے سب سے پہلے اپنی اہلیہ محترمہ (نور اللہ مرقدہا) کو قرآن کریم حفظ کرایا، پھر تمام بچوں کے حفظ کی ذمہ داری اہلیہ محترمہ (نور اللہ مرقدہا) کے سپرد کی۔ ماشاء اللہ انہوں نے تمام صاحبزادوں اور صاحبزادیوں کو حفظ قرآن مکمل کرادیا نیز صاحبزادوں کی دلہنوں کو بھی حفظ قرآن کی دولت سے بہرہ مند کیا۔

حضرت الاستاذ دامت برکاتہم کو اللہ تعالیٰ نے کثرت اولاد کی نعمت عظمیٰ سے بھی نوازا ہے، چنانچہ گیارہ صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں ہوئیں جن میں بڑے صاحبزادے جناب حافظ مولوی مفتی رشید احمد صاحب 1995ء کے ایک حادثہ میں شہید ہوگئے اور ایک صاحبزادی بچپن میں انتقال کر گئیں۔ ماشاء اللہ دس صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں بقید حیات ہیں، اہلیہ محترمہ چند عرصہ پہلے اللہ کو پیاری ہوگئیں بلاشبہ حضرت کی علمی ترقیوں میں ان کا بھی حصہ ہے، اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھر دے. آج حضر الاستاذ کے اس طرح چلے جانے سے پوری علمی دنیا سوگوار ہے اور ہر ایک اپنے آپ کو یتیم محسوس کر رہا ہے. خدا آپ کی حسنات کو قبول فرمائے اور اور دار العلوم دیوبند کو آپ کا نعم البدل نصیب فرمائے (آمین)

شیخ الحدیث، مولانا مفتی سعید احمد پالن پوریؒ

ڈاکٹر سعید احمد صدیقی

قحط الرجال کے اس دور اور موجودہ حالات میں ایک عظیم علمی و دینی نقصان دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث و صدر المدرسین، کئی نسلوں کے معلم و مربی، استاذ الاساتذہ مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق وہ خبر ہے، جس میں آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا اور ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہوگئے، بلاشبہ، وہ اس وقت اہلِ علم اور دینی طبقے کا عظیم سرمایہ اور گراں بہا اثاثہ تھے۔ مولانا مفتی سعید احمد پالن پوریؒ اسلاف کی یادگار تھے، ان کی وفات کی خبر سن کر دل مغموم ہوا، آنکھیں نم ہیں، ذہن پر رنج و غم کے بادل منڈلا رہے ہیں۔

ولادت و تعلیم:

شیخ الحدیث مولانا مفتی سعید احمد پالن پوریؒ کی ولادت 1362ھ بمطابق 1942ء کو شمالی گجرات کے علاقے پالن پور میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن گجرات میں حاصل کی، پھر دارالعلوم چھاپی اور مولانا نذیر احمد پالن پوری کے مدرسے میں تعلیم حاصل کی، 1377ھ میں مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لیا، جہاں نحو، منطق اور فلسفہ کی بیشتر کتابیں پڑھیں۔ بعد ازاں 1380ھ بمطابق 1960ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور حدیث، تفسیر اور فقہ کے علاوہ دیگر فنون کی کتابیں پڑھیں۔ 1962ء میں دورہ حدیث کی تکمیل امتیازی حیثیت میں کی۔ بعد ازاں دارالعلوم ہی میں شعبہ افتاء میں داخلہ لیا اور فتاویٰ نویسی کی تربیت حاصل کی۔

درس و تدریس:

1963 ء میں دارالعلوم اشرفیہ میں درجہ عالیہ کے مدرس مقرر ہوئے اور تقریباً دس سال اپنے مخصوص دل موہ لینے والے انداز میں تدریسی فرائض بحسن وخوبی انجام دیئے، 1973ء میں دارالعلوم دیوبند میں مسند درس و تدریس کے لیے آپ کا انتخاب عمل میں آیا اور 2020ء تک تقریباً نصف صدی پر محیط تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ سنن ترمذی، صحیح بخاری کی تدریس بڑے دل نشین انداز میں فرماتے، آپ کے درس کے وقت کمرۂ جماعت میں طلباء کی بڑی تعداد شریک ہوتی۔ ان کے علاوہ دیگر حضرات بھی استفادہ کی غرض سے جوق در جوق حاضر ہوتے۔ جب حدیث پڑھی جاتی اور شیخ الحدیث مولانا مفتی سعید احمد پالن پوریؒ کی تقریر شروع ہوتی تو ایک عجیب سماں بندھ جاتا، طلباء پر ایک سحر کی کیفیت طاری ہو جاتی، آپ کی تقریر دلکش، سحر انگیز اور اتنی دل نشین ہوتی کہ ہر طالب علم سراپا سماعت بن جاتا اور مکمل ذہنی وفکری حاضری کے ساتھ درس گاہ میں موجود ہوتا، آپ کے اسلوب کلام اور اندازِ بیان میں ایک مقناطیسیت تھی جو طلباء کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی۔ حضرت کے درس کی خوبی یہ تھی کہ آپ اپنا ارتکاز

موضوع پر رکھتے اور اس کی تفہیم میں تمام متعلقہ دلائل و براہین کو اس خوبصورتی اور منطقی ترتیب سے بیان فرماتے کہ سننے والا عش عش کر اٹھتا۔ کم و بیش 35 سال آپ نے سنن ترمذی شریف اور 2009ء سے تاحیات صحیح بخاری شریف کا درس دیا، شیخ الحدیث مولانا مفتی سعید احمد پالن پوریؒ کے متعلق اگر یہ کہا جائے تو بے جانہ ہوگا کہ آپ پڑھاتے نہیں تھے، بلکہ تعلیم کے ساتھ ساتھ دل نشین انداز میں تربیت کرتے تھے۔ طلباء اور سامعین کے حواس پر چھا جاتے، ایسا لگتا کہ منہ سے موتی جھڑ رہے ہوں۔ ان کی نگاہ دل نواز اور ادا دلفریب تھی۔

مولانا پالن پوریؒ کی شخصیت میں بھی مخصوص نوع کی وجاہت تھی، جو ایک محدث کے شایان شان ہوتی ہے، اگر چہ سادگی کے پیکر تھے، مگر ان میں کشش ایسی تھی کہ دل و نگاہ کو اپنا اسیر بنا لیتے، قدرت نے آپ کو انتہائی ذہانت سے نوازا تھا۔ آپ کا دماغ گویا ایک وسیع و عریض کتب خانہ تھا جس میں مختلف علوم و فنون پر ہزاروں کتابیں ہر وقت موجود و مستحضر رہتیں۔

تصانیف:

اللہ تعالیٰ نے شیخ الحدیث مولانا مفتی سعید احمد پالن پوریؒ کو تصنیف و تالیف کا خصوصی ملکہ ودیعت فرمایا تھا۔ اسی لیے آپ کی کتابوں اور شروحات نے برصغیر پاک و ہند میں یکساں اور خوب خوب مقبولیت حاصل کی، آپ نے آٹھ جلدوں میں "ہدایت القرآن" کے نام سے قرآن کریم کی جامع و عام فہم تفسیر لکھی، جبکہ "تحفۃ القاری" کے نام سے بخاری شریف کی شرح بارہ جلدوں میں تحریر فرمائی، "تحفۃ الالمعی" کے نام سے آٹھ جلدوں میں سنن ترمذی کی مشہور عالم شرح لکھی۔ امام الہند شاہ ولی اللہؒ کی مشہور زمانہ تصنیف حجۃ اللہ البالغہ کی شرح پانچ جلدوں میں "رحمۃ اللہ الواسعۃ" کے نام سے لکھی اور امت پر احسان عظیم فرمایا۔ آپ نے "فیض المنعم" کے نام سے مسلم شریف کے مقدمے کی شرح بھی تحریر فرمائی۔ اس کے علاوہ بانی دارالعلوم دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی متعدد کتابوں کی تسہیل فرمائی اور نئی نسل کے لئے عام فہم بنایا۔ درس نظامی کی متعدد کتابوں کی اردو زبان میں شروح تحریر فرمائیں اور لطف یہ کہ شیخ الحدیث پالن پوریؒ کے ساری کتابیں انتہائی جامع، پر مغز عام فہم ہیں۔

مولانا سعید احمد پالن پوریؒ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے اور فی زمانہ ان کا کوئی ثانی نہ تھا، وہ سچائی کے علمبرداروں کے لئے مینارۂ نور تھے اور علوم نبوت کے امین و پاسبان تھے جو کہ مرجع خلائق کے ساتھ ساتھ تشنگان علوم نبوت کے لیے وہ آب رواں تھے، جن کا فیض کبھی ختم نہیں ہوتا اور اپنے پیچھے علوم نبوت سے بہرہ مند ایک ایسی جماعت کو چھوڑ جاتے ہیں، جو ان کے فیوض و برکات کو جاری و ساری رکھے اور ہمیشہ ان کے اصولوں اور طریقوں پر گامزن رہے گی۔

یہ بلند پایہ محدث جن کو اللہ کے نور نے ہمیشہ متحرک رکھا۔ آج کے دور میں ان کی قیادت و سیادت کی اشد ضرورت تھی 25, رمضانُ المبارک 1441ھ بمطابق 19، مئی 2020 کو آپ اس دنیائے فانی سے رحلت فرما گئے۔ ان کے پیروکاروں کے لئے ان کی سیرت، ان کا اخلاق، ان کی نشست و برخاست اور طرزِ زندگی ایک روشن نمونہ ہے۔ آپ کے اندر دینی حمیت کوٹ کوٹ کر بھری

ہوئی تھی اور آپ کے قول و فعل میں کوئی تضاد ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتا تھا۔ آپ دنیا کے لئے ایک کھلی ہوئی کتاب اور اپنے اسلاف کی زندگی کا عملی نمونہ تھے، اللہ تعالی نے اس عظیم محدث کو اپنی خلق میں بے پناہ مقبولیت سے نوازا کہ ہر چھوٹا بڑا ان سے تعلق پر فخر کرتا اور ہر ایک ان سے تعلق قائم رکھنے کی دلی خواہش رکھتا تھا۔

آپ ساری زندگی ریاکاری، دکھاوے، شہرت سے دُور اور خالص اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت میں ہمہ تن مصروف عمل رہے۔ آپ کے قلب و روح میں اسلام کی محبت رچی بسی تھی، آپ اخلاص و تقوی، تواضع و انکساری کے پیکر اور اعلیٰ اسلامی اقدار کے امین تھے، دنیا کی ہر نعمت و آسائش میسر ہونے کے باوجود دنیا سے منہ موڑا اور اپنے اکابرین کے زہد و تقویٰ کو اپنائے رکھا۔

مولانا سعید احمد پالن پوریؒ ایک قابلِ رشک زندگی گزار کر دنیا سے رخصت ہوئے، جو ہم سب کے لیے قابل رشک اور عملی نمونے کی زندہ دعوت ہے۔ انہوں نے اپنے رب کی رضا کو ہمیشہ مقدم رکھا۔ آخر میں ہم اللہ تعالیٰ کی عظیم بارگاہ میں دست بہ دعا ہیں کہ رحمت الٰہی انہیں اپنی پناہ میں لے لے، ان کی تمام مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے اور ان کے اہل و عیال، اصحاب، طلبائے کرام اور پیروکاروں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ انہیں اس درجے پر فائز فرمائے جس کی وہ ہمیشہ تعلیم دیتے رہے اور یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنا انعام فرمایا۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

❐❖❐

آہ؛ محقق عصر ومدقق دہر چلا گیا، سعید اسم بامسمی ہو گیا۔

عبد القیوم شاکر القاسمی جنرل سکریٹری جمعیت علماء نظام آباد تلنگانہ

عادت اللہ یہی جاری ہیکہ ہر آنے والا رخت سفر باندھتا ہے، نظام قدرت ہی کچھ ایسا ہے کہ یہاں ہر آنے والے کو جانا لازم ہے یہی سنت خداوندی اور مشیت ایزدی ہے جس کو قران نے کل نفس ذائقة الموت کہا ہے۔ اس حقیقت واضحہ ومسلمہ سے سرموانحراف نہیں کیا جاسکتا ہے انسان خواہ جتنا بھی اس دنیائے آب وگل میں رہ لے اور زندگی گزار لے خواہ کتنے ہی اچھے اور مثالی کارنامے درج کرالے وہ سب اس کو چھوڑ کر ہی جانا ہے قضاء وقدر اور داعیٔ اجل کو تو خواہی نخواہی لبیک کہنا ہی پڑتا ہے؛ لیکن آہ! آج بتاریخ 25/ رمضان المبارک 1441 19/ مئی 2020 بروز منگل بوقت چاشت کائنات ارضی کا چمکتا دمکتا سورج اپنے افق پر نمودار ہو کر بلندی پر چڑھ رہا تھا عین اسی وقت علمی دنیا کا آفتاب نیر تاباں استاذ الاساتذہ عالم کبیر محدث زمن شیخ دہر ولی کامل حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری کی شکل میں غروب ہو گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

آپ اپنے علمی تفوق وکمال میں فرید وقت وحید دہر ویکتائے زمانہ اور طاق تھے شاید اڈی مناسبت سے رخصتی کے لیے پروردگار عالم نے عیسوی اور ہجری تواریخ بھی طاق ہی منتخب فرمائی ہوں گی اپنے تفردات وتحقیقات میں انفرادیت رکھنے والا علمی ذوق اور عملی شوق کا رسیا وخوگر لاکھوں تشنگان علوم نبوت کو سیرابی دینے والا دین اسلام کے لہلہاتے چمن کو اپنی تحقیق وتدقیق کے آب شیریں سے سینچنے والا بافیض عالم مصلح امت سعید الملت باغباں آج ہم سے رخصت ہو گیا ہم اپنے اس روحانی باپ کے گزر جانے سے اپنے آپ میں یتیمی کا احساس پا رہے ہیں۔ یقیناً میرے اور سارے ہندوپاک ودیگر ممالک کے علماء کے روحانی باپ اور پیشوا جو اپنے امتیازات وخصوصیات سے ہر دل کی دھڑکن ہر طالب کے مطلوب ہر سائل کے مجیب دلوں پر حکمرانی کرنے والے علمی میدان کے مرد مجاہد تھے اللہ پاک اپنے خاص سائبان تلے جوار رحمت میں جگہ عنایت فرما کر ام المدارس الاسلامیہ دارالعلوم دیوبند کو ان کا نعم البدل عطاء فرمائے۔ مربی وشیخ کامل کا مختصر سوانحی خاکہ بھی ذہن میں رہے اس لیے حق تلمیذیت ادا کرنے کے لیے راقم سطور نے چند تعزیتی کلمات رقم کیے ہیں۔

مفتی سعید احمد پالن پوری کی ولادت

1362ھ مطابق 1942ء میں ہوئی۔ وہ موضع کالیڑہ ضلع بناس کانٹھا (شمالی گجرات) کے رہنے والے ہیں۔ والدین نے ان کا نام ''احمد'' رکھا تھا، لیکن جب انہوں نے مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لیا تو اپنے نام کے شروع میں ''سعید'' کا اضافہ کر دیا، اس طرح ان کا پورا نام ''سعید احمد'' ہو گیا۔

زمانۂ طالب علمی

ابتدائی تعلیم اپنے وطن گجرات ہی میں ہوئی، والد کے ہاتھوں ان کی بسم اللہ ہوئی اور ناظرہ و دینیات وغیرہ کی تعلیم وطن کے مکتب میں حاصل کی، پھر دار العلوم چھاپی چلے گئے اور وہاں فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ دار العلوم چھاپی میں ان کا قیام چھ ماہ رہا، پھر نذیر احمد پالن پوری کے مدرسہ میں داخل ہوئے اور وہاں عربی درجہ کی شرح جامی تک تعلیم حاصل کی، وہاں محمد اکبر پالن پوری اور ہاشم بخاری ان کے خاص استاد تھے۔

1377 ھ میں مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لیا، نحو، منطق و فلسفہ کی بیشتر کتابیں وہیں پڑھیں، بعد ازاں 1380ھ مطابق 1960ء میں دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور حدیث و تفسیر اور فقہ کے علاوہ دیگر کئی فنون کی کتابیں پڑھیں۔ 1382ھ مطابق 1962ء میں دورہ حدیث شریف سے فارغ ہوئے اور سالانہ امتحان میں امتیازی نمبرات حاصل کیے، پھر اگلے تعلیمی سال (یکم ذیقعدہ 1382ھ) میں شعبہ افتاء میں داخلہ ہوا اور فتاویٰ نویسی کی تربیت حاصل کی۔

تدریس

تکمیل افتاء کے بعد 1384ھ میں دار العلوم اشرفیہ راندیر (سورت) میں علیا کے مدرس مقرر ہوئے، یہاں تقریباً دس سال تدریسی خدمات انجام دیں۔ پھر دار العلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے معزز رکن محمد منظور نعمانی کی تجویز پر 1393ھ میں دار العلوم دیوبند کے مسند درس و تدریس کے لیے ان کا انتخاب عمل میں آیا اور 2020 تک تقریبا نصف صدی پر محیط تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، دار العلوم میں مختلف فنون کی کتابیں پڑھانے کے ساتھ برسوں سے ترمذی شریف جلد اول اور طحاوی شریف کے اسباق ان سے متعلق رہیں۔ ان کے اسباق بے حد مقبول، مرتب اور معلومات سے بھرپور ہوتے تھے، طلبہ میں عموما ان کی تقریر نوٹ کر لینے کا رجحان پایا جاتا تھا، ان کی تقریر میں اتنا ٹھہراؤ اور اتنی شفافیت ہوتی ہے کہ لفظ بلفظ اسے نوٹ کر لینے میں کسی طرح کی دشواری پیش نہیں آتی، دار العلوم کے شیخ الحدیث اور صدر المدرسین نصیر احمد خان کی علالت کے بعد (1429ھ مطابق 2008ء) سے بخاری شریف جلد اول کا درس بھی ان سے متعلق کر دیا گیا۔ اب بوقت انتقال دار العلوم کے شیخ الحدیث اور صدر المدرسین تھے، اوقات کی پابندی اور کاموں میں انہماک، دین میں تصلب ان کے اہم قابل تقلید اوصاف ہیں۔ ان کا مزاج شروع ہی سے فقہی رہا اور فقہ و فتاویٰ میں امامت کا درجہ رکھنے والے دار العلوم دیوبند جیسے ادارہ سے تکمیل افتاء کے بعد ان کے فقہی ذوق میں اور بھی چار چاند لگ گئے، ترمذی شریف کے درس کے دوران میں بڑی خوبی اور اعتماد کے ساتھ فقہی باریکیوں کی طرف اشارہ کرتے تھے، فقہی سمیناروں میں ان کی رائے کو بڑی اہمیت دی جاتی تھی اور ان کے مقالات کو بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ اشرف علی تھانوی کے مجموعہ فتاویٰ امداد الفتاویٰ پر حاشیہ بھی لکھا ہے، نیز ان کی فقہی مہارت اور رائے قائم کرنے میں حد درجہ حزم و احتیاط ہی کی وجہ سے دار الافتاء دار العلوم کے خصوصی بنچ میں ان کا نام نمایاں طور پر شامل ہوا۔ انہوں نے درس و تدریس کے ساتھ تصنیف و

تالیف میں بھی گرانقدر خدمات انجام دیں، ان کی بہت سی کتابیں دار العلوم سمیت مختلف دینی مدارس میں شامل نصاب ہیں۔ 19 مئی 2020, 25 رمضان کو بوقت صبح تنفس میں تکلیف کے بعد ممبئی میں انتقال ہوا۔

تصنیفات

- مبادیات فقہ
- آپ فتویٰ کیسے دیں
- حرمت مصاہرت
- داڑھی اور انبیا کی سنت
- تحشیہ امداد الفتاوی
- کیا مقتدی پر فاتحہ واجب ہے؟
- تسہیل ادلہ کاملہ
- مشاہیر محدثین وفقہا کرام اور تذکرہ روایان کتب
- تفسیر ہدایت القرآن
- رحمۃ اللہ الواسعہ
- آسان نحو (دو حصے)
- آسان صرف (دو حصے)
- آسان منطق
- مبادی الفلسفہ (عربی)
- معین الفلسفہ
- فیض المنعم (شرح مقدمہ صحیح مسلم)
- مفتاح التہذیب (شرح تہذیب المنطق)
- تحفۃ الدرر (شرح نخبۃ الفکر)
- حیات امام داؤد
- حیات امام طحاوی
- اسلام تغیر پزیر دنیا میں
- تہذیب کی اردو شرح
- العون الکبیر (حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کتاب "الفوز الکبیر" کی مفصل (عربی شرح)

اللہ پاک غریق رحمت کرے درجات کو بلند فرمائے پسماندگان اور وابستگان کو صبر جمیل عطاء فرمائے۔ آخری اپیل اور گزارش ہیکہ رمضان کے ان مقدس ایام اور موجودہ حالات میں ہم میں سے ہر عالم حافظ کچھ نہ کچھ قرأن مجید کو تلاوت کرکے ایصال ثواب کا اہتمام فرمائیں۔

وقت بھی کیسے موڑ پر ہم کو لے آیاہیکہ جس نے ساری زندگی ایک مرد مجاہد کی طرح طلباء کے ہجوم اور وابستگان کے جھرمٹ میں گزاری ہے آج پوری دنیا میں شاید کہیں بھی کووڈ19 اور اس چل رہے مہلک کروناوائرس کی وجہ سے کسی ادارہ کسی مسجد کسی خانقاہ میں طلباء یا اولیاء اللہ کا اجتماع نہ ہے اور نہ ہی مستقبل قریب میں اس کا کوئی امکان ہے اس لیے اجتماعیت کے ناممکن ہونے کی وجہ سے ہم پر زیادہ حق بنتاہیکہ ہم اپنی اپنی استطاعت اور حسب توفیق ایصال ثواب کا ضرور اہتمام کریں۔ یہ بھی خدا کی شان ہے جس کی زندگی مکمل اجتماعیت میں گزری ہے آج اس کے جانے پر کوئی اجتماع نہیں ہے۔

❑❖❑

نقوش وتاثرات

مفتی سعید احمد پالنپوریؒ کا انتقال ایک عظیم سانحہ

حضرت مولانا ارشد مدنی صاحب دامت برکاتہم

نئی دہلی: 19 / مئی (پریس ریلیز)

یہ خبرانتہائی رنج وغم کے ساتھ سنی جائے گی کہ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث وصدرالمدرسین حضرت مولانا سعید احمد پالنپوریؒ آج صبح بمبئی میں انتقال فرماگئے،ان للہ واناالیہ راجعون، حضرت مولانا سعید احمد پالنپوریؒ دارالعلوم دیوبند کے ابنائے قدیم میں سے تھے، مولانا بچپن ہی سے نہایت ذہین وفطین، کتب بینی اور محنت کے عادی تھے اپنی ذہانت وذکاوت کی وجہ سے مختلف علوم وفنون اورخاص طورپر فقہ اورحدیث میں ممتاز جانے جاتے تھے، فراغت کے بعد مختلف مدرسوں میں علم حدیث کی خدمت کرتے رہے اور پھر تقریبا 47سال پہلے دارالعلوم دیوبند نے مادر علمی کی خدمت کے لئے دارالعلوم میں بلالیا، اسی وقت سے ان کا علم حدیث سے خاص شغف رہا ہے، اس وقت موصوف دارالعلوم کے شیخ الحدیث اور صدرمدرس تھے بخاری شریف کا درس دیا کرتے تھے، اس زمانہ میں ان کا درس حدیث مختلف علوم وفنون پر دسترس کی بنیادپر بہت ہی ممتاز سمجھاجاتاتھا، اگر یہ کہا جائے کہ داراالعلوم کے مسند حدیث کے امتیاز کو انہوں نے قائم کررکھا تھا تو اس میں کوئی مبالغہ نہ ہوگا،اس کے علاوہ مولانا مرحوم کی متعدد تصانیف ہیں جس سے لوگ مستقبل میں استفادہ کرتے رہیں گے۔

مولانا مرحوم دارالعلوم کے شعبہ ختم نبوت کے ناظم بھی تھے، ہمیں افسوس ہے کہ مولانا ہم سے جداہوگئے، وہ زمانہ سے شوگرکے مریض تھے اوراس وقت ان کے عوارض یکے بعد دیگرے بڑھتے گئے یہاں تک کہ انہوں ہم کو داغ مفارقت دیدیا،ہماری بارگاہ خداوندی میں دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائے اور درالعلوم کو اس کا نعم البدل عطافرمائے اورمولانا مرحوم کی علمی وصلبی اولادکی نگہبانی فرمائے ہم سب خدام جمعیۃ ان کے غم میں برابرکے شریک ہیں، میری جماعتی احباب اہل مدارس،علماء کرام، طلباء عزیز، ابنائے دارالعلوم اور مسلمانوں سے حضرت مرحوم کی مغفرت وترقی درجات کے لئے اور پسماندگان،اعزاواقارب کے لئے بارگاہ خداوندی میں صبر جمیل کی دعاء کی اپیل ہے۔

حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالنپوریؒ اسلامی علوم کے دُرِّ تابندہ تھے

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم

حیدرآباد: 19/ مئی (پریس ریلیز)

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ناظم المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد نے اپنے تعزیتی بیان میں کہا ہے کہ حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالنپوریؒ مقبول مدرس، صاحب نظر مصنف اور ایک عظیم محقق تھے، انھوں نے نصف صدی سے زیادہ درس نظامی کی منتہی کتابوں کا درس دیا، اور طویل عرصہ تک بخاری اور ترمذی جیسی حدیث کی اہم کتابیں نہایت کامیابی کے ساتھ پڑھائیں، پوری دنیا میں ان کے تلامذہ مختلف جہتوں سے دین کی خدمت انجام دے رہے ہیں، عام طور پر تدریس کے پیشہ سے وابستہ اہل علم تصنیف وتالیف کی طرف کم توجہ کر پاتے ہیں؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو دوہری صلاحیت کا امتزاج بنایا تھا، انھوں نے اکثر اسلامی اور عربی علوم پر قلم اُٹھایا، بخاری شریف اور ترمذی شریف کی بہت سی اردو شرحیں بر صغیر میں لکھی گئی ہیں؛ لیکن اس سلسلہ میں ان کی کاوش کو جو قبولیت حاصل ہوئی، کم ہی کسی دوسرے مصنف کو وہ مقبولیت حاصل ہوئی، مسند الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی کتاب ”حجۃ اللہ البالغہ“ اپنے موضوع پر ایک بے نظیر مگر دقیق کتاب سمجھی گئی ہے، آپ نے بہت خوش اسلوبی کے ساتھ اس کی شرح فرمائی ہے، جس نے اس سے استفادہ کو آسان کر دیا ہے، انھوں نے ہدایت القرآن کے نام سے قرآن مجید کی ایک ایسی تفسیر لکھی ہے جو اساتذہ وطلبہ اور عام اصحاب ذوق کے لئے فہم قرآن کی بہترین کلید ہے، درس وتالیف کے علاوہ دنیا کے مختلف ملکوں میں ان کے خطابات بھی ہوا کرتے تھے، اور ان کے بیانات پر بھی علمی رنگ حاوی ہوتا تھا، وہ واقعی علوم اسلامی کے دُرِّ تابندہ تھے، ان کی وفات سے پوری علمی دنیا کو ناقابل تلافی نقصان ہوا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائے، اور امت کو ان کا بدل عطا کرے۔

حضرت مولانا سعید احمد پالن پوریؒ۔ فکرولی اللہی کے مستند شارح

مولانا زاہد الراشدی

۲۰ مئی ۲۰۲۰ء

حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحبؒ کی وفات کا صدمہ ابھی تازہ تھا کہ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث حضرت مولانا سعید احمد پالنپوری بھی ہمیں داغ مفارقت دے گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ صبح ساڑھے آٹھ بجے کے لگ بھگ حسب معمول نیند سے بیدار ہو کر موبائل فون کھولا تو کراچی کے ڈاکٹر ثناء اللہ محمود کے اکاؤنٹ پر حضرت مفتی صاحبؒ کے فرزند مولانا قاسم احمد پالنپوری کا میسج رنج وغم کا ایک نیا طوفان لیے نگاہوں کے سامنے موجود تھا کہ "انتہائی رنج وغم کے ساتھ یہ خبر صاعقہ اثر لکھی جارہی ہے کہ ہمارے والد محترم حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند آج بتاریخ ۱۹ مئی مطابق ۲۵ رمضان المبارک بروز منگل بوقت چاشت اللہ کو پیارے ہوگئے ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون"۔ مفتی صاحبؒ کی علالت کی خبریں کئی روز سے آرہی تھی مگر گزشتہ روز ایک میسج نے تشویش میں اضافہ کر دیا تھا جو آج حقیقت میں بدل گئی اور عالم اسلام کی یہ عظیم علمی شخصیت، محدث، فقیہ، متکلم اور ہزاروں علماء کرام کے شفیق استاذ اپنا سفر زندگی مکمل کر کے دار باقی کی طرف روانہ ہوگئے۔

مولانا پالنپوریؒ کے تعارف کے لیے اس کے بعد مزید کسی بات کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی کہ وہ جنوبی ایشیا کی سب سے بڑی علمی درسگاہ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث تھے اور انہوں نے سالہاسال تک اس مرکز علم میں ہزاروں تشنگان علوم کو مسلسل فیضیاب کیا ہے۔ دارالعلوم دیوبند کا یہ منصب ہمیشہ اپنے دور کی ممتاز ترین علمی شخصیات کے ساتھ مخصوص رہا ہے جن میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ، خاتم المحدثین حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ اور شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ جیسے اساطین علم وفضل کے نام آتے ہیں، اور ان کے ساتھ کسی فہرست میں نام کا شمار ہونا بجائے خود کسی بڑے سے بڑے علمی اعزاز سے کم نہیں ہے۔ مگر حضرت مولانا سعید احمد پالنپوریؒ ہر صاحب علم وفضل کی طرح اپنے کچھ امتیازات اور خصوصیات بھی رکھتے تھے جن کے باعث وہ اپنے معاصرین میں ایک الگ شان کے ساتھ جلوہ گر دکھائی دیتے تھے اور ان کی آراو افکار کو اہل علم کے حلقوں میں رہنمائی اور استفادہ کے لیے مرجع کی حیثیت حاصل تھی۔

مجھے متعدد بار ان کی زیارت وملاقات کا شرف حاصل ہوا اور ان کے ارشادات سے مستفید ہونے کا موقع ملا۔ لندن میں ورلڈ اسلامک فورم کے قیام کے بعد اپنے عہد کی جن ممتاز علمی و فکری شخصیات نے اس کے علمی پروگراموں کو رونق بخشی، ان میں حضرت پالنپوریؒ بھی شامل ہیں۔ لندن کے مرکز ختم نبوت اسٹاک ویل گرین میں ورلڈ اسلامک فورم کی ایک فکری نشست میں وہ تشریف لائے اور عصر حاضر میں علماء کرام کی ذمہ داریوں کے عنوان سے انہوں نے بلیغ خطاب فرمایا۔ دور حاضر کے فکری و

نظریاتی فتنوں پر ان کی نظر بہت گہری تھی اور وہ علمائے کرام اور دینی حلقوں کو اپنے مخصوص انداز میں ان سے باخبر کرتے رہتے تھے۔ یہ خطاب بھی ان کے اسی ذوق کا آئینہ دار تھا، پھر ایک بار نیویارک میں ''شریعۃ بورڈ'' کے مولانا مفتی نعمان احمد کے ہاں ان کی زیارت ہوئی اور کچھ دیر ان کی مجلس و گفتگو سے شادکام ہونے کا موقع ملا۔ ان دنوں والد گرامی حضرت مولانا سرفراز خان صفدرؒ کا کچھ عرصہ قبل انتقال ہوا تھا اس لیے زیادہ دیر انہیں کی باتیں ہوتی رہیں بلکہ گوجرانوالہ کے ایک لوکل اخبار نے حضرت والد محترم کے حوالے سے خصوصی اشاعت کا اہتمام کیا تھا جس کی ایک کاپی حضرت پالنپوریؒ کی خدمت میں پیش کی اور اس کے مختلف پہلوؤں پر انہوں نے تبصرہ فرمایا۔ اس کے علاوہ بعض ممتاز اہل علم کے کچھ علمی و فقہی تفردات بھی زیر بحث آئے جن کے بارے میں انہوں نے فرمایا کہ تفردات اور انفرادی آرا کو اگر باقاعدہ موقف بنا کر سامنے نہ لایا جائے تو بہت سی الجھنوں سے بچا جا سکتا ہے۔ خود میرا ذوق بھی ان معاملات میں یہی ہے اس لیے یہ گفتگو کافی دلچسپ رہی۔

میں نے ایک موقع پر کسی مجلس میں عرض کیا کہ ہم درس نظامی کے نصاب میں علم کلام کے موضوع پر بنیادی کتاب "شرح العقائد" پڑھاتے ہیں جو یونانی فلسفہ کے پیدا کردہ اعتقادی و کلامی مباحث کے حوالے سے ہے اور اہل سنت کے عقائد کے بنیادی ڈھانچے سے آگاہی کے لیے وہ از حد ضروری ہے، مگر آج کے دور میں ہمیں جن عقائد و افکار کا سامنا ہے ان کا بیشتر حصہ مغربی فلسفہ و ثقافت کا پیدا کردہ ہے، اس لیے جدید مغربی فکر و فلسفہ نے جو مسائل کھڑے کیے ہیں ان کے بارے میں شرح العقائد کی دوسری جلد لکھنے کی ضرورت ہے جسے اس کے ساتھ ہی درسی طور پر پڑھایا جانا چاہیے۔ بعض دوستوں نے اسی مجلس میں سوال کیا کہ یہ لکھے گا کون؟ میں نے عرض کیا کہ میری نظر میں اس وقت تین بزرگ ہیں جو اس کام کو صحیح اور بہتر طور پر کر سکتے ہیں (۱) حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہم (۲) حضرت مولانا سعید احمد پالنپوریؒ اور (۳) حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ۔ ان میں سے دو تو ہم سے رخصت ہو گئے ہیں جبکہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی کے لیے بلا مبالغہ جسم کا رواں رواں دعا گو رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں امت مسلمہ کی رہنمائی کے لیے صحت و عافیت کے ساتھ تادیر سلامت رکھیں آمین یا رب العالمین۔

حضرت مولانا سعید احمد پالنپوریؒ کا امت کے اصحاب علم پر ایک عظیم احسان یہ بھی ہے کہ انہوں نے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کی معرکۃ الآرا تصنیف ''حجۃ اللہ البالغۃ'' کی اردو و عربی دونوں زبانوں میں شرح لکھ کر علماء اور طلباء کی رسائی اس عظیم علمی ذخیرہ تک آسان کر دی ہے جو یقیناً ان کے لیے صدقہ جاریہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کی حسنات قبول فرمائیں، سیئات سے درگزر کریں اور ان کے خاندان، تلامذہ اور مستفیدین کو ان کی حسنات سلسلہ تادیر جاری رکھنے کی توفیق سے نوازیں آمین یا رب العالمین۔ ❒❖❒

مفتی سعید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ

(حضرت مولانا مفتی) محمد یوسف تاؤلوي، خادم تدریس دارالعلوم دیوبند

میرا ان سے بیت دیرینہ تعلق ہے اور بہت بے تکلفی بھی رہی۔ میں انکا بہت قدرداں بھی ہوں۔ اور ان کی 2 خوبی تو سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہیں (1) انکی محنت جو آخری دم تک رہی (2) حق پسندی بہت دفعہ ایسا ہوا کہ وہ کسی بات پر مصر ہیں۔ جب میں نے اسکے خلاف معتبر کتب میں دکھایا تو فورا رجوع بھی کیا اور شکریہ بھی ادا کیا۔ یہ باتیں عامۃ لوگوں میں کم پائی جاتی ہیں۔ گو کچھ دنوں سے بعض لوگوں نے دیرینہ تعلقات میں خلل ڈال رکھا تھا مگر جب ملاقات ہوتی تھی ،تو اسی دیرینہ انداز پر ہی ہوتی تھی اور وہی مجھے امروہہ سے دارالعلوم لانے والے ہیں۔ واقعہ تفصیلی ہے۔ خیر

دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث مولانا سعید احمد پالنپوری صاحب کا 19 مئی 2020 بروز منگل صبح انتقال ہو گیا، وہ برصغیر کی مشہور علمی شخصیت تھے، ان کی لکھی ہوئی کتابوں اور شروح کو اللہ نے بڑی مقبولیت عطا فرمائی تھی، انہوں نے چھوٹی بڑی کوئی تیس کے قریب کتابیں لکھی ہیں، جن میں بارہ جلدوں میں بخاری شریف کی شرح "تحفۃ القاری" آٹھ جلدوں میں ترمذی شریف کی شرح "تحفۃ الالمعی" شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی حجۃ البالغۃ کی پانچ جلدوں میں شرح "رحمۃ اللہ الواسعۃ" شامل ہیں، انہوں نے آٹھ جلدوں میں قرآن کریم کی تفسیر بھی "ہدایت القرآن" کے نام سے لکھی ہے اور "فیض المنعم" کے نام سے مسلم شریف کے مقدمہ کی شرح بھی تحریر فرمائی ہے, ان کی یہ شروحات انتہائی آسان اور عام فہم ہیں اور کتاب حل کرنے میں کمزور استعداد کے طلبہ کے لئے بھی بہت مفید ہیں، ان کی کتابیں ہندوستان و پاکستان اور بنگلا دیش تینوں جگہ چھپتی ہیں اور طالبان علوم نبوت میں ان خصوصیات کی وجہ سے یکساں مقبول ہیں۔۔۔ وہ 1940 میں پیدا ہوئے، 1962 میں انہوں نے دارالعلوم دیوبند سے دورہ حدیث کیا، 1973 میں دارالعلوم دیوبند میں مدرس مقرر ہوئے اور تقریباً نصف صدی تک تا دم وفات منصب درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا چراغ جلائے رکھا, اللہ تعالی ان کی مغفرت فرمائے، لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے اور دارالعلوم کو تمام شر و فتن سے محفوظ فرمائے۔۔ آمین

مثالی استاذ

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب ؒ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند

مفتی امانت علی قاسمی صاحب ، استاذ و مفتی دار العلوم وقف دیوبند

پچیس رمضان المبارک (۱۴۴۱ھ) صبح سات بجے یہ اندوہناک خبر ملی کہ عالم اسلام کی ہر دلعزیز شخصیت، علم و عمل کی پاکیزہ روایت کے امین حضرت الاستاذ، حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحبؒ اب ہمارے درمیان نہیں رہے (انا للہ وانا الیہ راجعون)، کئی دنوں سے تشویش کی خبریں آرہی تھیں، تاہم اس خبر کے لیے دل و دماغ بالکل آمادہ نہیں تھا؛ لیکن تقدیر کے سامنے کس کی چلتی ہے ، موت سے کس کو رستگاری ہے، میرے یا مجھ جیسے ہزاروں کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے، قانون قدرت ہر آن اور ہر حال اپنا کام کرتی ہے، اور قدرت جس چیز کی مصلحت سے واقف ہے انسان اس کی تہہ تک نہیں جاسکتا ہے، ہر شخص کے آنے اور جانے کا وقت متعین ہے اس میں کوئی تاخیر نہیں ہوسکتی ہے، کسی کی موت کے وقت کو دنیا کا کوئی ماہر ڈاکٹر نہیں ٹال سکتا ہے، اس لیے نہ چاہنے اور دل کے نہ ماننے کے باوجود بھی اس خبر کا یقین کرنا پڑا۔

زندگی ہے اپنے قبضے میں نہ اپنے بس میں موت
آدمی مجبور ہے اور کس قدر مجبور ہے

جانے والے جاتے ہیں، آئے دن موت کی خبریں آتی ہیں، لیکن جسم و اعصاب پر اور دل و دماغ پر، بسا اوقات کسی کے جانے کی خبر سے جنبش بھی نہیں ہوتی؛ لیکن جانے والوں کی فہرست میں کبھی ایسے نام آجاتے ہیں، جن کے جانے کا غم اور درد سہا نہیں جاتا ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کی جگہ اگر میری موت مقدر ہوتی تو شاید اتنا دکھ نہ ہوتا، مفتی صاحب کی وفات کا رنج و غم صرف اس لیے نہیں ہے کہ آپ میرے استاذ تھے، صرف اس لیے تکلیف نہیں ہوئی کہ مجھے آپ سے محبت تھی؛ بلکہ آپ کے منوں ٹن مٹی کے نیچے چلے جانے کا افسوس اس لیے بھی ہے کہ آپ دارالعلوم دیوبند کی زینت تھے، چمنستان قاسمی میں آپ سے رونق تھی، آپ کے عالم آخرت کے سفر پر چلے جانے کا غم، اندوہناک اس لیے بھی ہے کہ آپ علماء دیوبند کے ترجمان تھے، علوم نانوتویؒ کی توضیح و تشریح کرنے والے تھے، آپ کی وفات کی خبر دل پر بجلی بن کر اس لیے گری کہ آپ دارالعلوم کی مسند تدریس کی شان تھے، فکر ولی اللہی کے امین و محافظ تھے، آپ کی رحلت کا افسوس اس لیے بھی ہے کہ آپ علم حدیث کے نیر تاباں تھے، آپ سے دارالعلوم کی درس گاہ میں تابانی تھی۔ سچ پوچھئے تو یہ بھرتی کے الفاظ نہیں ہیں، مبالغہ آمیزی نہیں ہے، الفاظ کی ہیرا پھیری نہیں ہے، تعبیرات کی کرشمہ سازی نہیں ہے؛ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مشکل حالات میں آپ امت کے لیے سرمایہ تھے، جس وقت

کہ باطل قرآن وحدیث کی بے جا تاویلیں کر رہا ہے، حدیث کی من گھڑت تشریح کر رہا ہے ان حالات میں آپ امت کے لیے نسخہ شفاء تھے، قوم کے دردِ دل کی دوا تھے، آپ کو کھو کر ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ہم نے بحر بیکراں کو کھو دیا ہو، آپ سے بچھڑ کر لگتا ہے کہ کشتی اپنے ناخدا سے بچھڑ گئی ہے۔ سچ پوچھئے تو آپ کے جانے سے پوری قاسمی برادری سوگوار ہو گئی، ملت کے ہر طبقہ نے شدید کرب محسوس کیا، دارالعلوم کے بام و در وہاں کے چمن وانجمن، گنبد و مینار، سڑک اور راستے، دارالحدیث کی مسند، مسجد رشید کا اسٹیج ہر ایک نے خاموشی سے تنہائی اور خلوت میں درد و کرب کا اظہار کیا ہے، یہ بھی سچ ہے کہ آپ اس وقت دارالعلوم کے گنجہائے گراں مایہ اور چمنستان قاسمی کے گل سر سبد تھے۔

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی جو پنہاں ہو گئیں

حضرت مفتی صاحبؒ کی شخصیت، علمی شخصیت تھی، آپ تقریر، تحریر اور تدریس تینوں فنون میں ممتاز تھے، سب میں نمایاں تھے، آپ کی تقریریں علمی ہوا کرتی تھیں لیکن انداز اور طریقہ اس قدر سہل ہوتا کہ عوام و خواص ہر ایک یکساں مستفید ہوتے تھے، ہندوستان میں عام جلسوں میں آپ نہیں جایا کرتے تھے، اسی طرح ایام تعلیم میں اسفار سے مکمل گریز کیا کرتے تھے، لیکن جس پروگرام یا سیمینار میں آپ تشریف فرما ہوتے وہ اس کانفرنس کی قسمت اور اس کے معیار کی ضمانت ہوا کرتی تھی، جس پروگرام میں آپ ہوتے اس کے میر محفل ہوا کرتے تھے، اور سب سے اہم اور فیصلہ کن خطاب آپ کا ہوا کرتا تھا، دارالعلوم کے ہر اجلاس میں آپ کا خطاب ہوتا تھا، انعامی جلسہ میں آپ کے خطاب کی حلاوت اور ایک ہی مضمون کو ہر سال ایک نئے پیرہن میں بیان کرنے کی دل آویز ادا کبھی نہیں بھول سکتا ہوں، آپ کا انداز تقلیدی نہیں اجتہادی تھا، آپ کا لب و لہجہ منفرد تھا، آپ علمی باتوں کو جس سہل پیرائے میں بیان کیا کرتے تھے وہ آپ کا حصہ تھا بقول ڈاکٹر کلیم عاجزؒ

یہ طرز خاص ہے کوئی کہاں سے لائے گا
جو ہم کہیں گے کسی سے کہا نہ جائے گا

مفتی صاحبؒ کو تقریر کے علاوہ تحریر میں بھی بے پناہ ملکہ حاصل تھا، آپ کی کتابیں نئے اسلوب کے ساتھ تسہیل و ترتیب کا حیرت انگیز شاہکار ہیں، ماضی قریب میں حضرت مولانا قاری صدیق صاحب باندویؒ کو اللہ تعالی نے تسہیل کے فن سے نوازا تھا آپ نے مشکل کتابوں کو تسہیل کے پیرہن میں ڈال کر امت پر بڑا احسان کیا ہے، حضرت قاری صاحبؒ کے بعد اس میدان کی دوسری شخصیت میری نظر میں مفتی صاحبؒ کی ہے، آپ نے مختلف فنون کی مشکل کتابوں کی شرح اور تسہیل و ترتیب کا کام کیا ہے، اور مشکل کتابیں آپ کی تشریح و توضیح سے آسان ہو گئی ہیں، درس نظامی کی کتابوں میں کافیہ مشکل ترین کتاب مانی جاتی ہے آپ نے ہادیہ لکھ کر اس کے ثقل کو ختم کر دیا، فن منطق میں تہذیب دقیق ترین کتاب سمجھی جاتی ہے آپ نے مفتاح التہذیب لکھ کر اس کے

بوجھ کو کم کر دیا۔ اسی طرح شرح مأۃ عامل کی شرح مفتاح العوامل، فلسفہ میں معین الفلسفہ، طحاوی کتاب الطہارت کا خلاصہ زبدۃ الطحاوی لکھ کر موجودہ وقت میں طالبین علوم نبوت کے لیے بڑا کارنامہ انجام دیا ہے، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی حجۃ اللہ البالغہ جو اسرار شریعت پر مایہ ناز تالیف ہے، آپ نے رحمۃ اللہ الواسعۃ لکھ کر شاہ صاحب کے علوم وافکار سے استفادہ کو آسان بنا دیا۔ آپ نے حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ کے علوم وافکار جس کا سمجھنا اور پڑھنا اس دور میں مشکل کام ہو گیا ہے اس کی تشریح وتوضیح کا بڑا عظیم کارنامہ انجام دیا ہے۔

تقریری وتحریری خوبیوں کے علاوہ مفتی صاحبؒ کا اصل امتیاز آپ کی تدریس ہے، آپ رجال ساز تھے، آپ باکمال اور بے مثال مدرس تھے، تدریس کے باب میں آپ نے کسی کی تقلید نہیں کی تھی؛ بلکہ ایک نئے انداز کی آپ نے طرح ڈالی تھی، اس لیے کہنا چاہیے کہ آپ امام تدریس تھے، مجدد تدریس تھے، آپ کا سبق بہت مقبول ہوا کرتا تھا، اور آپ نے درس کو ہر چیز پر ترجیح دی تھی ، درس وتدریس آپ کا محبوب ترین مشغلہ تھا، غیر حاضری کا آپ کے یہاں تصور نہیں تھا، اور نہ ہی دیر حاضری کا، آپ کے آنے سے پہلے تمام طلبہ کا درس میں حاضر ہونا ضروری تھا، آپ کے آنے کے بعد کسی کو درسگاہ میں حاضر ہونے کی اجازت نہیں تھی اگر کسی نے ایسی غلطی کی تو اس کا خمیازہ تمام طلبہ کو جھیلنا ہوتا تھا، مفتی صاحب اس اصول کی خلاف ورزی پر سبق موقوف کر کے ناراض ہو کر گھر چلے جاتے تھے، تمام طلبہ کو مفتی صاحب کا یہ مزاج معلوم تھا۔

مجھے مفتی صاحب سے ترمذی شریف اور طحاوی شریف پڑھنے کا شرف حاصل ہوا ہے اگر مجھ سے یہ سوال کیا جائے کہ دس سالہ زمانہ تعلیم میں کون سی کتاب ہے جس میں ایک دن کی غیر حاضری نہیں ہے تو میرا جواب ہو گا کہ ترمذی شریف میں ایک بھی غیر حاضری نہیں ہوئی، اسی زمانہ میں دارالعلوم وقف دیوبند میں محدث عصر حضرت مولانا انظر شاہ صاحب کشمیریؒ کے درس بخاری کا بڑا چرچا رہتا تھا، ان کا درس عالمانہ اور فاضلانہ ہوا کرتا تھا، ہفتم کے سال ختم بخاری کی ایک مجلس میں شریک ہو چکا تھا شاہ صاحبؒ کا خطیبانہ انداز اور محققانہ درس واقعی مسحور کن ہوا کرتا تھا آپ ابن حجرؒ کو بھی خاطر میں نہیں لاتے تھے؛ بلکہ درس بخاری میں شاید سب سے زیادہ نقد ابن حجر پر ہی کیا کرتے تھے، دورہ حدیث کے سال تمنا ہوتی تھی کہ شاہ صاحب کے درس بخاری میں شریک ہو سکوں لیکن مفتی صاحب کے درس کی عظمت اس قدر دل میں پیوست تھی کہ ان کا سبق چھوڑ کر کہیں اور جانے کا سوال ہی نہیں تھا، ہاں جمعہ میں مغرب کے بعد اگر مفتی صاحب تشریف نہیں لاتے تو کبھی کبھی شاہ صاحبؒ کے درس تک رسائی ہو جاتی تھی۔

مفتی صاحب کے درس ترمذی کا انداز بڑا نرالا تھا، حدیث کی تشریح پس منظر کے ساتھ اس طرح بیان کرتے تھے کہ تعارض کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا، بہت سی باتیں خود بخود حل ہو جاتی تھیں، آپ مذاہب ائمہ کے اختلاف میں اس پر ضرور روشنی ڈالتے تھے کہ یہ اختلاف نص فہمی کی بنا پر ہوا ہے یا دلائل میں اختلاف کی بنا پر اس سے بڑا اطمینان ہوتا تھا، مفتی صاحب کے سمجھانے اور بیان کرنے کا انداز نرالا تھا اور انداز میں اس قدر ٹھہراو تھا کہ ہمارے ساتھیوں میں نوے فیصد آپ کی تقریر کو بآسانی لکھ لیا کرتے تھے؛

بلکہ بعض صاحب ذوق تو مفتی صاحب کی تقریر کو عربی میں قلم بند کر لیتے تھے ، اور مفتی صاحب کے یہاں دلائل کی بہت زیادہ فراوانی نہیں ہوتی تھی، لیکن حدیث کی ایسی فقہی تشریح کرتے تھے کہ احناف کا مسلک بہت مضبوط انداز میں نمایاں ہو جاتا تھا، بعض مرتبہ صرف احناف کے دلائل بیان کرتے تھے اور فرماتے شوافع کے دلائل انہی سے معلوم کرلو میں کیوں بیان کروں ۔مفتی صاحب کی زندگی میں علم و عمل کا بڑا توازن تھا، درس سے آپ کو غایت درجہ محبت تھی، سبق کا تسلسل اوروقت کی بڑی قدروقیمت تھی اور ان سب پر مستزاد آپ کا خلوص، آپ کی پاکیزہ زندگی تھی جس نے آپ کے درس کو حد درجہ مقبول بنادیا تھا۔

جن کے کردار سے آتی ہو صداقت کی مہک
ان کی تدریس سے پتھر بھی پگھل سکتے ہیں

آپ کی بعض باتیں آج بھی دل کی انگھوٹی میں نگینے کی طرح سجی ہوئی ہیں اور حسین یادوں کی طرح بسی ہوئی ہیں، آپ مطالعہ کے بہت عادی تھے، آپ نے مطالعہ کو اپنی زندگی کی غذا بنایا تھالیکن صرف مطالعہ کی بنا پر سبق پڑھانے کے قائل نہیں تھے؛بلکہ آپ کی رائے تھی کہ مطالعہ کے بعد حاصل مطالعہ کو ذہن کے خانوں میں ترتیب دیناضروری ہے اس سے تفہیم کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے، آپ کا نظریہ تھا کہ کسی کتاب کو پڑھانے کے لیے شروحات کا مطالعہ کافی نہیں ہے؛بلکہ کسی کتاب کا پڑھانے کے لیے اس فن کو پڑھنا ضروری ہے،جب آدمی فن کو پڑھ لیتا ہے تو اس کے لیے اس فن کی کسی کتاب کو پڑھانا آسان ہو جاتا ہے، آپ کا نظریہ یہ تھا کہ متون کو حفظ کرنے کا اہتمام کیا جائے اس سے فن میں درک پیدا ہوتا ہے ،دارالعلوم دیوبند میں معین المدرسین کا ایک شعبہ تھا لیکن مفتی صاحب اس کے خلاف تھے ان کا نظریہ تھا کہ فن کی ابتدائی کتابیں وہ پڑھائے جس نے فن پڑھ رکھا ہو، فراغت کے بعد جو معین مدرس ہو جاتے ہیں وہ بچوں پر تجربہ کرتے ہیں ان کا مطالعہ فن کا نہیں ہوتا ہے وہ شروحات دیکھ کر پڑھاتے ہیں اس لیے طلبہ کو اس سے خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوگا۔ آپ نے گو بہت سی اردو شروحات لکھی ہیں؛ اس لیے کہ طلبہ میں عربی شروحات کو سمجھنے کی صلاحیت مفقود ہوتی جارہی ہے لیکن آپ اکثر کہا کرتے تھے کہ سو سال بھی اردو شروحات پڑھتا رہے اس کو علم نہیں آئے گا۔ آپ کہتے تھے کہ طلبہ کے تین درجات ہیں اعلی صلاحیت ،ادنی اور متوسط، اعلی صلاحیت کے طلبہ کو فراغت کے بعد فورا تدریس میں لگ جانا چاہیے، تکمیلات میں رہ کر اپنی صلاحیت ضائع نہیں کرنی چاہیے، اور متوسط طلبہ کو تکمیلات میں رہ کر اپنی کمزوری کی اصلاح کرنی چاہیے اور کمزور طلبہ کو خدمت خلق کے میدان میں لگ جانا چاہیے اور اپنے دین کے تحفظ کے لیے ایک سال کے لیے جماعت میں چلے جانا چاہیے۔ آپ کہا کرتے تھے کہ طلبہ دو طرح کے ہیں ایک جو اپنے لیے پڑھتے ہیں اور ایک ماں باپ کے لیے پڑھتے ہیں، ماں باپ کے لیے جو پڑھنے کے لیے مدارس میں آتے ہیں وہ پڑتے ہیں پڑھتے نہیں ہیں، یعنی صرف پڑے رہتے ہیں اس لیے طلبہ کو ماں باپ کے لیے نہیں اپنے لیے پڑھنا چاہیے۔

فراغت کے بعد بھی مفتی صاحب سے گاہے بہ گاہے ملاقات ہوتی تھی، آپ کی مجلس عام طور پر علمی مجلس ہوا کرتی تھی، آپ کبھی کبھی دارالعلوم حیدرآباد میں ختم بخاری کے لیے تشریف لاتے تھے، اسی طرح جمعیۃ علماء کے مباحث فقہیہ میں بھی آپ تشریف لاتے تھے وہاں آپ کو دیکھ کر اور آپ کی باتیں سن کر بڑی خوشی ہوتی تھی، کبھی کبھی شوال میں بھی دیوبند میں آپ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوتا تھا، مفتی صاحب اپنے قریبی شاگردوں کو ہدیہ وغیرہ بھی دیا کرتے تھے، بعض مرتبہ کوئی کتاب ہدیہ میں پیش کی جاتی تو اس پر انعام سے بھی نوازتے تھے، ایک مرتبہ میں اپنی کتاب "امام ابوحنیفہ سوانح وافکار" لے کر مفتی صاحب کی خدمت میں گیا، مفتی صاحب بہت دیر تک اس کے مختلف اوراق کو پڑھتے رہے اور اخیر میں فرمایا" تمہاری اردو اچھی ہے" یہ جملہ صرف حوصلہ افزائی کے لیے تھا، میں نے محسوس کیا ہے یہ میرے لیے بہت بڑاانعام ہے، شاید ہزار روپیے سے مجھے وہ خوشی نہ ملتی جتنی مفتی صاحبؒ کے اس ایک جملے سے ہوئی تھی، مفتی صاحب سے آخری ملاقات تین ماہ قبل ہوئی تھی، مفتی اشتیاق احمد صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند سے ملاقات ہوگئی کہنے لگے کہ مفتی صاحب کے پاس جارہاہوں تم بھی چلو تعزیت ہوجائے گی، اس وقت مفتی صاحب اپنے سمدھی کے انتقال کے بعد ممبئی سے تشریف لائے تھے اور اسی دن واپسی ہوئی تھی، اس دن کافی دیر تک آپ کی خدمت میں رہنے کا موقع ملا، بارش ہورہی تھی اس لیے مغرب کی نماز بھی آپ کے گھر میں پڑھی، دارالعلوم کے بعض اساتذہ بھی تشریف فرماتھے اس موقع پر مفتی صاحب نے فرمایا میں نے اپنا بھائی کھو دیا۔ یہ آخری ملاقات تھی کسے معلوم تھا کہ یہ آخری ملاقات ثابت ہوگی۔

آخری بات لکھ کر مضمون ختم کرتاہوں، مفتی صاحب کی زندگی کی اہم بات یہ ہے کہ آپ نے فراغت کے بعد حفظ کیا تھا اس لیے کہ مفتی صاحب سمجھتے تھے کہ قرآن کو سمجھنے کے لیے قرآن کا حفظ ہوناضروری ہے، اسی طرح آپ کی اہلیہ محترمہ نے شادی کے بعد حفظ کیا تھا، پھر امی جان نے اپنے تمام بیٹوں بیٹیوں کو اسی طرح تمام بہوؤں کو اور تمام پوتوں کو حافظ بنانے کا اہتمام کیا تھا ، گویا کہ حفظ قرآن کے تعلق سے" این خانہ ہمہ آفتاب است"کامصداق ہے۔

مقبول جو ہوں شاذ ہیں، قابل تو بہت ہیں
آئینہ کے مانند ہیں کم دل تو بہت ہیں

حضرت مولانا سعید احمد پالن پوریؒ

مولانا نسیم اختر شاہ قیصر، استاذ دارالعلوم وقف دیوبند

تمام جگہوں پر اختلاف ہو سکتا ہے، راستے جدا ہو سکتے ہیں، مگر ایک راستہ ایسا ہے جس پر سب کو چلنا ہے، اللہ پرست ہوں یا بُت پرست، خدا آگاہ ہوں یا خدا بیزار، فرعون مزاج لوگ ہوں یا ولی صفت انسان، تختِ شاہی کو زینت بخشنے والے ہوں یا فرشِ خاک پر لوٹنے والے، علم کے موتی رَولنے والے ہوں یا خزف ریزوں سے کھیلنے والے، علم کے جویا ہوں یا جہالت کے ہمدوش سب اس راستے کے راہی ہیں، فرق ہے تو صرف اتنا کہ جس کا وقت آئے گا وہ چلے گا، آج نہیں تو کل چلنا ضرور ہے، وہ راستہ موت کا راستہ ہے، اسی راستے پر چل کر حضرت مولانا سعید احمد پالن پوریؒ بھی بارگاہِ رب میں حاضر ہو گئے۔

دور حاضر میں حضرت مولانا سعید احمد پالن پوریؒ علم کی ایک مثال، مطالعہ اور وسعت کی ایک نظیر، تدریسی خصوصیات کا امتیاز، زبان وبیان کی جوئے رواں، اسلوب واداکا اعتبار اور تحقیقات ونوادرات کی ایک نشانی تھے، انھوں نے بحیثیت شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کے علمی سلسلوں کو زندہ رکھا انھوں نے علم کی اس روشنی کو پھیلانے اور آگے بڑھانے کی کوشش کی جس کو ہم اس منصب کا تقاضہ اور مطالبہ کہہ سکتے ہیں، انھیں موجودین میں بلاشبہ امتیازی مقام حاصل تھا، انھوں نے گہرائی میں اترنے کا، شناوری کے جوہر دکھانے کا اور رذانتِ علمی کا ثبوت دیا، اپنے قلم سے کئی شاہکار کتابیں بھی دنیا کو دیں اچھی اور کامیاب زندگی گذاری، یکسوئی کے ساتھ کاموں میں مشغول رہے۔

میں ۷۳۔۱۹۷۲ء کے سال شعبۂ فارسی کے درجہ سوم کا طالب علم تھا، عربی درجات کے لیے ایک نئے استاذ کے آنے کا شور ہوا، ہمارے زمانۂ طالب علمی میں کسی استاذ کی آمد کا دارالعلوم کی چہار دیواری میں مہینوں چرچا رہتا تھا، آج ایسا نہیں ہوتا آنے والے استاذ سے طلبہ کی ملاقات درسگاہ ہی میں ہوتی ہے، خاموشی کے ساتھ تقرر ہو جاتے ہیں، ہو سکتا ہے اس ضمن میں میری معلومات ادھوری ہوں بظاہر ایسا ہی ہوتا ہے، بہر حال حضرت مولانا سعید احمد پالن پوریؒ دارالعلوم دیوبند میں تشریف لے آئے، کچھ وقت کے بعد مجھے ان سے بیضاوی شریف پڑھنے کا موقع ملا، یہ مولانا کی ابتدا تھی اور انتہا آپ کے سامنے ہے، اس دور ہی کو ذہن میں رکھ کر یہ چند سطور قلمبند کی ہیں، میں نے دارالعلوم میں جن اساتذہ سے پڑھا ان میں حضرت مولانا سعید احمد پالن پوریؒ کی جگہ نمایاں رہی اور اس وقت وہ دارالعلوم کی تدریسی زندگی کی جان اور ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے تھے، ان کا سا نکھرا ذوق، ان کا سا انہماک فی العلم، ان کا سا تدریسی درک، نکتہ آفرینیوں کا مزاج، رائے میں صلابت اور استحکام، علمی مباحث پر نظر، مسالکِ اربعہ کا احاطہ، اختلافی مسائل میں اعتدال اور میانہ روی، ادب کا خیال یہ سب کچھ مولانا کی علمی زندگی کی بنیادیں ہیں۔

یہ دور جسے ہم علمی افراد سے محرومی کا دور کہتے ہیں یقینا محرومی کا دور ہے، ایک کے بعد ایک صاحبِ علم کے سفر آخر سے اس راہ کی ویرانی بڑھتی جارہی ہے، سناٹوں نے وحشتیں بڑھادی ہیں، اور سب سے بڑھ کر یہ احساس جان نکالے دیتا ہے کہ جانے والے کی جگہ خالی ہی رہے گی، علم کے دروازے بند ہی رہیں گے۔

ربّ کائنات حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوریؒ کو اپنی خاص رحمتوں اور نوازشوں سے سرفراز فرمائے، پسماندگان کو ان کی علمی وراثت کا امین بنائے۔(آمین)

اتر گئے منزلوں کے چہرے امیر کیا؟ کارواں گیا ہے

مفتی اختر امام عادل قاسمی مہتمم جامعہ ربانی منورواشریف سمستی پور

رئیس المحدثین حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالنپوریؒ یادوں کے نقوش

ایک سوگوار صبح ۲۵ / رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ (۱۹/ مئی ۲۰۲۰ء) کی صبح کیسی سوگوار تھی کہ اس کے آسمان کا سورج ابھی نکلا ہی تھا کہ آسمان علم وفن کا روشن آفتاب غروب ہوگیا، ابھی صبح کلیوں نے کھلنا اور کوئل نے چہکنا شروع کیا تھا کہ گلشن اسلام کا ایک پھول مرجھا گیا، اور باغ علوم نبوت کا ایک بلبل خاموش ہوگیا، یعنی علم وفن کا امام رئیس المحدثین حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد پالنپوری شیخ الحدیث وصدرالمدرسین دارالعلوم دیوبند نے اس دنیائے فانی کو الوداع کہا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

کئی دنوں سے آپ کی شدید علالت کی تشویشناک خبریں موصول ہو رہی تھیں، ۲۴/ رمضان المبارک کو شام سے ہی حالت زیادہ خراب ہونے کی خبر ملی، ۲۵/ رمضان کی شب کشمکش میں گذری، رات بھر جاگنے کے بعد صبح کے تھکے ہوئے لمحات میں ابھی آنکھ لگی ہی تھی کہ اس حادثۂ جانکاہ کی اطلاع ملی، آخر زندگی بھر کا تھکا ہارا مسافر ابدی نیند سو گیا۔

کڑے سفر کا تھکا مسافر، تھکا ہے ایسا کہ سو گیا ہے
خود اپنی آنکھیں تو بند کرلیں، ہر آنکھ لیکن بھگو گیا ہے

ہمہ جہت شخصیت

حضرت مفتی صاحبؒ اس دور میں ایک عبقری شخصیت کے مالک تھے، جن کو ہر علم وفن سے آشنائی تھی، مدارس کے نصاب میں رائج نیچے سے اوپر تک ہر کتاب کی تدریس کی ان کو سعادت حاصل ہوئی تھی، وہ تدریس کا بے پناہ ملکہ رکھتے تھے، کسی فن کی کتاب ہو، پانی کر دیتے تھے، علم کو گھول کر پلانے کا وہ ہنر جانتے تھے، ان کا طریقہ فن میں اتر کر کلام کرنے کا تھا، وہ ہر فن کے مزاج شناس تھے، گفتگو کسی موضوع پر بھی ہو بصیرت وگہرائی میں ڈوبی ہوتی تھی، خاص طور پر حدیث اور فقہ ان کے ذوق کا حصہ تھے، ان دونوں فنون کے مراجع وماخذ پر گہری نظر تھی، حدیث وفقہ کے فطری مذاق کا نتیجہ تھا کہ ان کے درس حدیث میں بڑا اعتدال ہوتا تھا، وہ نہ اہل ظاہر کی طرح گفتگو فرماتے تھے، اور نہ فقہی تشقیقات میں غلو کے قائل تھے، آپ کے یہاں روایت ودرایت دونوں کا امتزاج تھا، حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے دارالعلوم دیوبند میں جس طرز تدریس کی بناڈالی تھی، مفتی صاحب اس دور میں اس کے بہترین نمائندہ تھے، وہ متصلب حنفی تھے، لیکن درس ایسا بصیرت افروز اور مدلل ہوتا تھا کہ مسلک حنفی دل ودماغ کی گہرائیوں میں اتر جاتا تھا، ان کا درس بڑا مقبول اور طرز افہام وتفہیم بہت مؤثر تھا، اسی لئے بلا شدید مجبوری کے کوئی طالب

علم ان کے درس سے غیر حاضر نہیں ہوتا تھا۔ فقہ وحدیث کے علاوہ علوم حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور معارف حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ پر بھی آپ کا خصوصی مطالعہ تھا، ان بزرگوں کی کئی کتابوں کی تشریح وتسہیل آپ نے فرمائی۔

لب ولہجہ اور زبان وبیان

درس ہو یا عوامی خطاب ان کا لب ولہجہ ہمیشہ مجلسی ہوتا تھا، تکلفات اور آورد سے بالکل پاک، سیدھا سادہ انداز بیان اور سادہ عام فہم الفاظ، وہ بہ تکلف پر شکوہ الفاظ اور حسین تعبیرات کے درپے نہیں ہوتے تھے، اسی لیے ان کی گفتگو سامعین کے سروں کے اوپر سے نہیں بلکہ دل ودماغ کے اندر کو چھوتی ہوئی گذرتی تھی، خشک سے خشک موضوع کو تروتازہ اور دلچسپ بنا کر پیش کرنے کا جو سلیقہ انہیں حاصل تھا کہ اس دور میں شاید باید۔۔۔ گو کہ ان کی مادری زبان اردو نہیں تھی مگر وہ اہل زبان کی طرح اس پر قدرت رکھتے تھے، اردو اور عربی دونوں زبانوں پر ان کو یکساں عبور حاصل تھا، مختلف علوم وفنون پر ان کی تصنیفات اس کے لیے شاہد عدل ہیں، نادر موضوعات پر چالیس (۴۰) سے زیادہ تصنیفات آپ نے یادگار چھوڑیں، جو ایک مستقل علمی لائبریری ہے، آئندہ محققین کے لئے وہ مأخذ کا کام کرے گی، ان شاءاللہ۔

شرف تلمذ اور رابطہ

مجھے (۱۴۰۶ھ، ۱۴۰۷ھ / ۱۹۸۶ء، ۱۹۸۷ء میں) آپ سے ہدایہ رابع اور ترمذی وطحاوی پڑھنے کا شرف حاصل ہوا، آپ کی ترمذی وطحاوی کے درسی افادات بھی میں نے قلمبند کئے تھے، جو میرے ذخیرۂ کاغذات میں محفوظ ہیں، دارالعلوم دیوبند کے دوران قیام مجھے یاد نہیں کہ کسی استاذ کے سبق سے میں غیر حاضر ہوا ہوں، لیکن حضرت مفتی صاحب کے درس سے میں بہت متاثر تھا، وہ اس وقت دارالعلوم دیوبند کی درسگاہ کی آبرو تھے، بہت سے علمی مسائل میں لوگ ان کی طرف رجوع کرتے تھے، ہمارے دور میں طلبہ کے درمیان وہ سب سے زیادہ مقبول ترین استاذ تھے، بہت بارعب اور باوقار تھے، لیکن اس کے باوجود بڑی محبوبیت کے حامل تھے، طلبہ عصر کے بعد ان کے گھر پر حاضر ہوتے تھے، اس زمانہ میں مفتی صاحب گھر سے دارالعلوم پاپیادہ تشریف لاتے تھے، میرا قیام افریقی منزل قدیم میں تھا، اسی کے پاس سے گذر کر وہ معراج گیٹ سے دارالعلوم تشریف لے جاتے تھے، اس طرح اکثر آمنا سامنا اور ملاقات ہوتی تھی، مگر ہمت کی کمی کے سبب بہت دنوں تک آپکے در دولت پر حاضری سے محروم رہا۔

سہ روزہ عالمی ختم نبوت کانفرنس میں مقالہ پیش کرنے کا قصہ

پہلی بار مجھے آپ کے گھر پر حاضری کا شرف دارالعلوم دیوبند میں پہلی سہ روزہ عالمی ختم نبوت کانفرنس (۱۹۸۷ء) کے موقعہ پر حاصل ہوا، وہ قصہ بھی بڑا عجیب تھا، میں دارالعلوم دیوبند کا ایک گمنام طالب علم، ایک چھوٹے سے مدرسہ (مدرسہ دینیہ غازی پور یوپی) سے آیا تھا، حلقۂ احباب میں وہی دو چار طلبہ تھے، جو غازی پور سے ساتھ آئے تھے، دارالعلوم کے عظیم اساتذہ

کے درباروں تک ہم جیسے معمولی طلبہ کی رسائی نہیں تھی، میری طبیعت کی کم آمیزی اس پر مستزاد، طلبہ سے بھی بہت کم شناشائی تھی، درسگاہ اور کتب خانہ کے علاوہ کہیں آنا جانا نہیں تھا، دارالعلوم سے باہر کبھی کسی تفریح گاہ، جلسہ، مشاعرہ یا پروگرام میں شریک نہیں ہوا، اپنے ضلعی اور صوبائی انجمنوں میں بھی بہت کم شرکت ہوتی تھی، اسی زمانہ میں دارالعلوم میں ختم نبوت کانفرنس کی مہم شروع ہوئی، جس میں ملک وبیرون ملک سے بڑی علمی، ملی اور سیاسی شخصیات نے شرکت کی، امام حرم عبد اللہ بن سبیل بھی تشریف لائے، اس موقعہ پر دارالعلوم دیوبند کی انتظامیہ نے طے کیا کہ کانفرنس کے پروگراموں میں ایک نشست طلبۂ دارالعلوم کی بھی رکھی جائے، تاکہ دارالعلوم کی نمائندگی اس میں شامل ہو، نشست میں پانچ (۵) طلبہ کے مقالات اور پانچ (۵) طلبہ کی تقاریر پیش کرنے کا فیصلہ کیا گیا، اور خواہشمند طلبہ کو اس میں حصہ لینے کی دعوت دی گئی، تاکہ مسابقہ کے بعد بہتر سے بہتر انتخاب عمل میں آسکے، اس کا اعلان آویزاں ہوتے ہی خوہشمند طلبہ کا اژدحام دیکھنے کو ملا، دارالعلوم دیوبند تو علم کا بحر بے کراں ہے، یہاں ایک پر ایک باصلاحیت طلبہ ہر زمانے میں موجود رہے ہیں، دفتر تعلیمات کے پاس میں نے بھی یہ اعلان دیکھا، میری تمناؤں نے بھی انگڑائی لی، مگر یہ سوچ کر کہ دارالعلوم کے باصلاحیت اور ممتاز طلبہ کے درمیان میرے جیسے ایک معمولی اور گمنام طالب علم کی کیا حیثیت ؟ ہمت نہیں ہوتی تھی، لیکن شوق کے ہاتھوں مجبور ہو کر میں نے بھی ختم نبوت کے موضوع پر مقالہ نویسی میں حصہ لینے کا عزم کر لیا، پھر وقت مقررہ کے اندر مقالہ تیار کر کے خاموشی کے ساتھ خریداران یوسف کی آخری صف کے امیدوار کی طرح دفتر میں جمع کرا دیا جس کی اطلاع میرے قریب ترین ساتھیوں کو بھی نہ ہوسکی، حقیقت یہ ہے کہ مجھے ایک فی صد بھی امید نہیں تھی کہ میرا مقالہ کسی لائق ہوگا اور اس عظیم الشان کانفرنس کے لئے اس کا انتخاب عمل میں آئے گا، اس مسابقہ میں کتنے طلبہ نے حصہ لیا یہ تو معلوم نہ ہوسکا لیکن میری خوش بختی کہ پانچ منتخب مقالا تمیں ایک میرا مقالہ بھی شامل تھا۔

گاہ باشد کہ کودکے ناداں بہ غلط بر ہدف زند تیرے دفتر کا چپراسی ڈھونڈتا ہوا میرے کمرے پر آیا اور تحریری حکم سنایا کہ اپنا مقالہ لے کر حضرت مفتی سعید احمد پالنپوری کے گھر پر حاضر ہو، اس طرح پہلی مرتبہ مجھے حضرت مفتی صاحب کے در دولت پر حاضری کی سعادت میسر ہوئی، مفتی صاحب نے کچھ ضروری ہدایات دیں، اور رخصت کر دیا، یہ پہلا موقعہ تھا جب میرا رابطہ حضرت مفتی صاحب کے ساتھ اتنے قریب سے ہوا۔۔ بہر حال عظیم الشان سہ روزہ کانفرنس ہوئی اور اس کی ایک نشست میں جس میں ملک وبیرون ملک کے اعیان وعلماء تشریف فرما تھے، اس حقیر کو بھی اپنا مقالہ پیش کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ فقہ میں اختصاص اشتغال بالفقہ سے پیدا ہوتا ہے، رسمی کورس سے نہیں ☆ اس کے بعد مفتی صاحب سے میری مناسبت بڑھتی گئی، اور وہ بھی شفقت فرمانے لگے، دورۂ حدیث میں مجھے امتیازی نمبرات حاصل ہوئے، تو نظر عنایت میں اور بھی اضافہ ہو گیا تھا، مگر افتاء کے سال میں اپنے اسباق اور کاموں میں ایسا مصروف رہا کہ مفتی صاحب کے یہاں بہت کم آمد ورفت رہی، مفتی صاحب کے پاس ہمارا کوئی گھنٹہ نہیں تھا، افتاء سے فارغ ہونے کے بعد فقہ میں مزید اختصاص کے لئے میں تدریب افتاء میں جانا چاہتا تھا، جس کو وہاں

معین المفتی کہتے تھے، ایک دن دفتر اہتمام میں مجھے طلب کیا گیا، میں حاضر ہوا تو وہاں اس وقت حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند، اوراستاذالاساتذہ حضرت مولانا معراج الحق صاحبؒ، اور حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین صاحبؒ کے علاوہ پوری مجلس تعلیمی موجود تھی، اس میں حضرت مفتی سعید احمد صاحب بھی تھے، ان بزرگوں نے میرانام دارالعلوم میں معین المدرس کے لئے تجویز فرمایا تھا، میں نے تدریب افتا کی خواہش ظاہر کی، تو مفتی سعید صاحبؒ نے فرمایا کہ:

"تدریب افتا کا مقصد اختصاص فی الفقہ ہے اور یہ رسمی کورس سے نہیں بلکہ مسلسل اشتغال بالفقہ سے حاصل ہوگا"

مفتی صاحبؒ کے اس ارشاد کے بعد میں نے اپنی خواہش واپس لے لی، اور بزرگوں کے فیصلہ کو قبول کرلیا، مفتی صاحب کا یہ جملہ فقہ کے ابواب میں سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے، یہ ان کی زندگی بھر کے تجربات ومشاہدات کا حاصل تھا، اس واقعہ (۱۹۸۸ء) کو قریب بتیس سال ہونے جارہے ہیں، مفتی صاحب کے اس جملہ کی صداقت ہر دن مشاہدہ میں ہے، اختصاص تو شاید مجھے حاصل نہ ہوسکا لیکن میرے اشتغال بالفقہ کا سفر آج تک موقوف نہیں ہوا، مفتی صاحب کے اس ایک جملہ نے میری زندگی کی ترتیب بدل ڈالی۔

میری پہلی تالیف "منصب صحابہ"- مفتی صاحب کا انکار اور اطمینان

حضرت مفتی صاحب سے وابستہ ایک اور یادگار واقعہ جو میری تصنیفی وتحقیقی زندگی میں سنگ میل کا درجہ رکھتا ہے، ۱۹۸۹ء کا ہے، جب میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوکر وہاں معین المدرس تھا، میں نے افتا پڑھنے کے زمانے میں اپنی پہلی تالیف "منصب صحابہ" مرتب کی، میرٹھ میں فرق باطلہ کے بعض افراد سے میری علمی مڈبھیڑ نے اس کتاب کا مواد تیار کیا، جس کی بنیادی فکر حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کے ایک مضمون سے لی گئی ہے جو (غالباً ۱۹۵۸ء میں) رسالہ دارالعلوم میں کئی قسطوں میں شائع

ہوا تھا، اور اس مضمون کی طرف رہنمائی استاذ مکرم بحر العلوم حضرت مولانا وعلامہ محمد نعمت اللہ اعظمی صاحب استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند سے ملی تھی، معین المدرسی کے زمانے میں اس کتاب کی اشاعت کے بعض اسباب پیدا ہوئے، تو اس پر تقریظ کے لئے میں نے اپنے اساتذہ سے رجوع کیا، اسی ضمن میں میں نے حضرت مفتی صاحبؒ کے آستانہ پر حاضری دی اور تقریظ کی خواہش کا اظہار کیا، اتفاق سے وہ سال کا آخری حصہ تھا، اور ان دنوں اسباق کے علاوہ بہت سے اسفار اور پروگراموں کا بھی ان پر بوجھ تھا، لیکن حضرت مفتی صاحب نے ازراہ شفقت میری خواہش کو قبول فرمایا، آپ اس وقت بھی کسی پروگرام کے لئے ہی پابہ رکاب تھے، فرمایا کہ کتاب کا مسودہ دے دو، میں سفر میں اس پر ایک نظر ڈالوں گا، دودن کے بعد آکر ملاقات کرو، دودن کے بعد حسب الحکم جب حاضر ہوا تو مجھے دیکھتے ہی فرمایا کہ میں نے تمہارے مسودہ کا ابتدائی حصہ دیکھا ہے، مگر مجھے اس کی بنیاد سے ہی اتفاق نہیں ہے، اس لئے کہ اگر تمہاری بات مان لی جائے تو علماء دیوبند کی پچاس سالہ خدمات پر پانی پھر جائے گا۔ میں

نے کتاب میں صحابہ کے معیارِ حق ہونے کی تشریح لکھی تھی، اوراس کو مذاہب اربعہ کی روشنی میں مدلل کیا تھا، پوری کتاب میں کہیں بھی اکابر دیوبند میں سے کسی بزرگ کا نام یا ان کی کسی عبارت کا اقتباس نقل نہیں کیا گیا تھا، اور نہ فریق مخالف میں سے کسی کا نام یا ان کی کسی عبارت کا اقتباس شامل کیا گیا تھا، مسئلہ کو خالص مثبت، علمی اور غیر جانبدارانہ انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی تھی، تاکہ لوگ اس مسئلہ کو مناظرہ اور مقابلہ کی عینک نکال کر خالص علم و تحقیق کی روشنی میں دیکھیں۔۔۔اس موضوع پر اس انداز میں غالباً اس سے پہلے کوئی کتاب منظرِ عام پر نہیں آئی تھی، مفتی صاحب کو شاید یہ نیا انداز مطالعہ پسند نہیں آیا۔۔۔

حضرت مفتی صاحبؒ دارالعلوم دیوبند میں ایک بلند حیثیت عرفی کے مالک تھے، میرے استاذ تھے، میں ان پر اعتماد کرتا تھا، اس لئے ان کے اس ارشاد سے تھوڑی دیر کے لئے مجھے لگا کہ جیسے میرے پاؤں تلے زمین نکل گئی ہو، گو کہ میری تحقیق کی بنیاد علماء متقدمین کی عبارتوں پر تھی، جس کی پشت پر خود ترجمان مسلک دیوبند حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ کی تفکیر و تشریح موجود تھی، لیکن مفتی صاحب کا مطمئن ہونا بھی میرے حق میں ضروری تھا۔۔۔میں نے نہایت ادب و احترام سے عرض کیا کہ علماء دیوبند کی کس کتاب میں معیارِ حق کی تشریح کی گئی ہے؟ جو میری یہ تشریح اس سے متناقض ہے، کتابوں میں معیارِ حق کی صرف اصطلاح استعمال کی گئی ہے، اوراس کا مفہوم ذہنی اب تک ہماری کسی کتاب میں صفحۂ قرطاس پر منتقل نہیں ہوا، جب کہ معیارِ حق کے اثبات سے قبل اس اصطلاح کی توضیح و تشریح ضروری ہے، اگر حضرت والا کے علم میں کوئی کتاب ہو تو رہنمائی فرمائیں۔۔۔ میری معروضات کو حضرت مفتی صاحبؒ نے بہت توجہ کے ساتھ سنا، اور تھوڑے تأمل کے بعد کل آنے کے لئے ارشاد فرمایا، ابھی وہ کسی سفر سے آئے تھے، اور آرام کرنا چاہتے تھے، میں بہت مایوسی کے ساتھ اپنی قیامگاہ پر واپس آیا، اور تھوڑی دیر کے بعد دارالعلوم کے کتب خانہ کا رخ کیا، تاکہ اس مسئلہ پر مزید مطالعہ و تحقیق کرسکوں، پورے چوبیس گھنٹے میرے نہایت بے قراری میں گذرے، مفتی صاحب نے مجھے دوسرے دن عشاء کے بعد کا وقت دیا تھا جب وہ کھانا تناول فرماتے تھے، میں نے اس تعلق سے جو ممکنہ اعتراضات تھے، ان کو سامنے رکھ کر مختلف عبارتیں ایک الگ کاغذ پر جمع کی تھیں، اگلے دن میں حاضر خدمت ہوا تو حضرت دسترخوان پر بیٹھ چکے تھے، اور بہت خوشگوار موڈ میں تھے میں نے گذشتہ روز کی گفتگو کے تناظر میں کچھ وضاحتی گفتگو پیش کرنی چاہی، حضرت مفتی صاحبؒ نے مجھے روکتے ہوئے فرمایا کہ اپنی اصل کتاب سنانا شروع کرو، میں نے کتاب شروع کردی، مفتی صاحب نے کوئی اعتراض نہیں کیا بس خاموشی کے ساتھ متوجہ رہے، مفتی صاحب کا کھانا ختم ہوا، تو فرمایا کہ بس، اب اگلا حصہ کل اسی وقت، اس طرح میں نے پوری کتاب کی خواندگی حضرت مفتی صاحب کے کھانے کے وقت قریب دس دنوں میں مکمل کی، اوراس اثناء مفتی صاحب نے ایک آدھ جگہ جزوی مشورہ کے علاوہ کوئی کلام نہیں فرمایا، خواندگی مکمل ہونے کے بعد آپ نے فرمایا کہ میں اس پر تقریظ نہیں مقدمہ لکھوں گا، چنانچہ آپ نے اس پر قریب بارہ (۱۲) صفحات کا وقیع مقدمہ تحریر فرمایا، جس میں کتاب پر اپنے اعتماد کا اظہار فرمایا، اور حقیر مؤلف کی حوصلہ افزائی فرمائی۔

"منصب صحابہ" پر مفتی صاحب کا مبسوط مقدمہ

بطور نمونہ مقدمہ کا یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیں: "الغرض یہ ایک مناقشاتی موضوع بن گیا ہے، ضرورت تھی کہ اس مسئلہ پر ردو قدح سے علیحدہ ہو کر مثبت انداز میں کوئی مختصر کتاب لکھی جائے، تا کہ کھلے ذہن کے لوگ اس کا مطالعہ کریں، اور ٹھنڈے دل ودماغ سے اس مسئلہ پر غور کریں۔

مجھے خوشی ہے کہ ہمارے دارالعلوم دیوبند کے ہونہار فاضل جناب مولانا اختر امام عادل سمستی پوری جو فی الحال دارالعلوم دیوبند میں تدریس کی مشق کر رہے ہیں، اور معین المدرسین کی حیثیت سے پڑھا رہے ہیں، انہوں نے ایسی کتاب لکھی ہے جس کی عرصہ سے خواہش تھی، میں آج کل ایک عارضی بیماری میں مبتلا ہوں جس کی وجہ سے میں اسے بنظر غائر تو نہ دیکھ سکا ہوں، مگر میں نے پوری کتاب سنی ہے، اور میں پورے وثوق کے ساتھ یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ اس کتاب میں جس طرح اس مسئلہ کی تحلیل کی گئی ہے، اور جس دلچسپ انداز میں دلائل قاری کے ذہن نشیں کرنے کی کوشش کی گئی ہے، ان شاءاللہ یہ کتاب غیر مطمئن ذہنوں کے لئے بھی باعث تشفی ہوگی، اور عام مسلمانوں کے لئے
بھی زیادتی ایمان اور صحابہ کرام کی قدر شناسی کا ذریعہ ثابت ہوگی" پھر حضرت مفتی صاحب ہی نے مجھے مشورہ دیا کہ ہمارے یہاں زبان وادب کے نقطۂ نظر سے حضرت مولانا ریاست علی بجنوریؒ کی شخصیت بہت اہم ہے، یہ مسودہ ایک نظر ان کو بھی دکھلا دو، دوسرے دن عصر کے بعد حضرت مولانا ریاست علی بجنوری کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا یہ مسودہ برائے تقریظ ان کی خدمت میں بھی پیش کیا، حضرت الاستاذ مولانا بجنوریؒ نے بھی نہایت محبت کے ساتھ تقریظ لکھی۔ حضرت بجنوریؒ کی تقریظ کا ایک اقتباس ملاحظہ کریں:

"الحمد اللہ کہ اکابر دیوبند اور علماء دیوبند کے بروقت تنبہ اور تعاقب سے امت اس بڑے فتنہ سے آگاہ ہوئی اور اس کا زور بھی کم ہوا، اب دارالعلوم دیوبند کے معین المدرسین عزیزم مولانا اختر امام عادل سلمہ اللہ نے ایک مفصل
تحریر مرتب کی ہے۔۔۔۔۔۔ عزیزم کا یہ مفصل مضمون ایک ضرورت کی تکمیل اور مسلک دیوبند کے ایک مخصوص مسئلہ کی قابل اعتماد تشریح ہے"

اس کتاب پر حضرت الاستاذ علامہ محمد حسین بہاریؒ اور حضرت الاستاذ مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحیؒ کی تقریظات بھی ہیں ، تفصیل کے لئے اہل ذوق کتاب کی طرف مراجعت فرمائیں، کتاب انٹرنیٹ پر موجود ہے۔ اس تفصیل سے حضرت مفتی صاحب کی وسعت نظری اور خورد نوازی کا اندازہ ہوتا ہے، اور کس طرح وہ کھلے ذہن ودماغ کے ساتھ مسائل کا مطالعہ کرتے تھے، اور اگر کوئی بات سمجھ میں آجاتی تو قبول کر لینے میں بھی کوئی دریغ نہیں ہوتا تھا، اس کا بھی پتہ چلتا ہے۔

مفتی صاحب "منصب صحابہ" کو شیخ الہند اکیڈمی سے شائع کرانا چاہتے تھے، اس کتاب کی اشاعت کا ایک زریں پہلو یہ بھی ہے کہ مفتی صاحب نے کتاب اور موضوع کی اہمیت کے پیش نظر یہ خیال ظاہر فرمایا کہ یہ کتاب دارالعلوم دیوبند کی شیخ الہند اکیڈمی سے شائع ہو تو اس کی استنادیت میں اضافہ ہوگا اور دارالعلوم کی علمی وفکری نمائندگی بھی ہوگی' اور غالباً حضرت مولانا ریاست علی صاحبؒ کے پاس مجھے بھیجنے کا مقصد یہی تھا، حضرت مولانا ریاست علی صاحبؒ ان دنوں دارالعلوم دیوبند کے ناظم تعلیمات بھی تھے ،اور شیخ الہند اکیڈمی کے ڈائریکٹر بھی ،حضرت مفتی صاحب کی یہ تجویز ان کی عالی ظرفی ،وسیع القلبی اور چھوٹوں کو آگے بڑھانے کی شاندار مثال ہے، حضرت مولانا بجنوریؒ نے بھی اس تجویز کو قبول کر لیا تھا، اور ظاہر ہے کہ میرے لئے اس سے بڑی خوش نصیبی کیا ہوسکتی تھی ،میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ حضرت مفتی صاحبؒ میری ایک معمولی تحریر کو اتنی اہمیت دیں گے ، لیکن سوء اتفاق جس ناشر نے طباعت کی تیاری کی تھی ،اور کتابت وغیرہ کے سارے مراحل مکمل کئے تھے، میں نے جب اس کے سامنے یہ تجویز رکھی تو وہ اس کتاب سے دستبردار ہونے پر راضی نہ ہوا، بلکہ یگلونہ فتنہ کی شکل پیدا کر دی ،اور اتنی عجلت کا مظاہرہ کیا کہ اس نے خریداری کی بکنگ کے لئے ایک پوسٹر شائع کر دیا، اور کتاب کے منظر عام پر آنے سے قبل ہی کتاب کی بڑی تعداد بک ہوگئی۔۔۔۔ حضرت مفتی صاحبؒ مجھ پر اعتماد کرتے تھے ،اور میرا بھلا چاہتے تھے اس لئے پر امید تھے کہ میں ان کی تجویز کو ہر صورت میں قبول کروں گا، انہوں نے دارالعلوم کی دیواروں پر یہ پوسٹر دیکھے تو ان کو صدمہ پہونچا، پھر میں حاضر بارگاہ ہوا تو بے حد رنج کا اظہار فرمایا اور کہا کہ تم نے ایک سنہرا موقع کھو دیا۔۔۔

شیخ الہند اکیڈمی کے اسسٹنٹ ڈائریکٹر کی ملازمت کا مشورہ

اس کتاب کی بنا پر حضرت کو مجھ سے حسن تعلق اور حسن ظن اس قدر بڑھ گیا تھا کہ جب میری معین المدرسی کی مدت اختتام پذیر ہونے لگی (شعبان سے قریب ایک ماہ پیشتر) تو مجھ سے فرمایا کہ دارالعلوم دیوبند میں شیخ الہند اکیڈمی کو ایک اسسٹنٹ ڈایریکٹر کی ضرورت ہے جو اس کے علمی اور قلمی کاموں میں معاونت کرے، ابھی اسی ہفتہ شوریٰ کی میٹنگ ہونے والی ہے، تم اس کے لئے ایک درخواست دے دو، میں نے عرض کیا کہ کیا قلمی خدمات کے ساتھ مجھے تدریسی خدمات کا بھی موقعہ مل سکے گا؟ مفتی صاحب نے فرمایا کہ نہیں، یہ قلمی کام کا عہدہ ہے، میں نے عرض کیا کہ آپ نے ہی ہمیں نصیحت کی ہے کہ فراغت کے بعد کم از کم دس سال تک تدریسی خدمت کرنا ضروری ہے، اس کے بغیر علم میں پختگی نہیں آتی، مفتی صاحب نے فرمایا، درست ہے، ایسا کرو کہ جزوی تدریس کی شرط کے ساتھ درخواست دے دو، شاید قبول کر لیں۔۔۔ بہر حال میں نے حضرت مفتی صاحبؒ کے حکم پر درخواست دی، مگر شاید وہ قبول نہ ہو سکی، کہ ایک شخص دو شعبوں میں کام نہیں کر سکتا تھا،۔۔۔ دیوبند سے رخصت ہوتے وقت مفتی صاحب سے الوداعی ملاقات کے لئے حاضر ہوا تو مفتی صاحب نے تسلی دی اور فرمایا کہ " امید ہے کہ اللہ پاک اس سے بہتر صورت میں تمہیں دیوبند واپس لائیں گے " وابستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ دیوبند سے نکل جانے کے بعد بھی

مفتی صاحب سے میں مسلسل مربوط رہا اس لئے کہ میرا ایقان تھا کہ "وابستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ" میں نے ہمیشہ اپنے بزرگوں کی جوتیوں میں رہنا اپنے لئے باعث فخر سمجھا۔

دارالعلوم حیدرآباد میں میری ملازمت کی بات چیت

دیوبند سے میں سیدھے مدرسہ سراج العلوم سیوان (بہار) آگیا تھا، یہاں عربی ششم تک تعلیم تھی، افتا کی ذمہ داری اور جمعہ کی خطابت بھی مجھے دی گئی تھی، لیکن یہاں کے ماحول میں بڑی گھٹن تھی، میں نے مفتی صاحب کو خط لکھا تو انہوں نے مجھ سے پوچھے بغیر ہی میرے لئے دارالعلوم حیدرآباد والوں سے بات کرلی، ایک زمانہ میں دارالعلوم حیدرآباد کے ذمہ داران ہر کام میں مفتی صاحب سے مشورہ کرتے تھے، اور مفتی صاحب کی رائے فیصلہ کن قرار پاتی تھی، اختتام سال پر میں دیوبند حاضر ہوا تو مفتی صاحب نے فرمایا کہ دارالعلوم حیدرآباد کے لوگ آئے تھے، ان کو ایک صاحب قلم مفتی کی ضرورت تھی، میں نے تمہارے لئے بات کرلی ہے، رمضان کے بعد سیدھے دیوبند آجاؤ، ان کا ایک وفد آئے گا ان کے ساتھ چلے جانا۔

علمی رہنمائی

حیدرآباد سے بھی مسلسل میرا رابطہ آپ سے قائم رہا، بعض علمی مشورے بھی آپ سے لیتا تھا، ایک بار مجھے فقہی مصطلحات کے لئے انگریزی لغت کی ضرورت تھی، تو آپ نے ہی معجم لغۃ الفقہاء (مرتبہ: ڈاکٹر محمد رواس قلعہ جی وڈاکٹر حامد صادق قنیبی، مطبوعہ دارالنفائس بیروت، ۱۴۰۵ھ / ۱۹۸۵ء) کی طرف میری رہنمائی فرمائی، اس کتاب سے میں نے اسلامی قانون کے تقابلی مطالعہ کے موقعہ پر کافی استفادہ کیا، حضرت مفتی صاحبؒ کو انگریزی زبان کا بھی بہتر مذاق تھا۔ اللہ پاک ان کی روح کو اعلیٰ علیین میں جگہ عنایت فرمائے آمین۔

جامعہ ربانی کا قیام– مشکلات، مشورے اور ہدایات

حیدرآباد کے زمانۂ قیام میں بعض محرکات کے تحت جب میں نے اپنے وطن سمستی پور میں ایک دینی مدرسہ قائم کرنے کا ارادہ کیا، تو اس موقعہ پر بھی میں نے مفتی صاحب کو پل پل سے باخبر رکھا، اور آپ سے ضروری مشورے اور ہدایات کا طالب رہا، چنانچہ ابتدا میں جب میں نے (۱۹۹۶ء میں) مدرسہ کا پلان بنایا، تو وہ بڑا پلان تھا، مفتی صاحب نے اس پر نکیر کی، اور بالآخر وہ پلان بعض سازشوں کے تحت سولہ (۱۶) ماہ کے بعد فیل ہوگیا (جس کی ایک تلخ تاریخ ہے جو ان شاء اللہ کبھی زیر تحریر آئے گی) اس کی اطلاع میں نے حضرت مفتی صاحب کو دی تو آپ نے مجھے تسلی دی، حوصلہ بڑھایا اور تحریر فرمایا: "برادر مکرم و محترم جناب مولانا اختر امام عادل صاحب زید فضلہ وعلمہ

سلام مسنون

آپ کا خط ملا، جملہ احوال کا علم ہوا، غور کرنے کے بعد آپ کے لئے بہتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کوئی متبادل ادارہ قائم کریں، اور اپنے علمی مشاغل بھی جاری رکھیں، مگر ادارہ قائم کرنے کی صورت میں زمام کار بدست خود رکھیں، ورنہ پھر وہی حشر ہوگا جو ہو چکا۔

بحمدہ تعالیٰ آپ پر مصارف کا کوئی خاص بوجھ نہیں ہے، اس لئے آزادرہ کر کام انجام دے سکتے ہیں، میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے کاموں میں برکت عطا فرمائیں۔ ابھی آپ ناتجربہ کار ہیں، حوادث سے نہ گھبرائیں، کسی بھی اہم مقصد کو حاصل کرنے کے لئے کٹھنائیوں سے گذرنا پڑتا ہے، تب جاکر منزل ملتی ہے، اور ملازمت تو ملازمت ہے، اس میں جورو بننا ہی پڑتا ہے، اور زمانہ کی ناموافقت کا شکوہ ہمیشہ بڑے لوگ کرتے رہے ہیں، کشتی موجوں سے ٹکرا کر ہی ساحل مراد پر پہونچتی ہے۔ یہاں کے احوال بحمدہ تعالیٰ اچھے ہیں، دعوات صالحہ میں یاد رکھیں، بندہ بھی دعا گو ہے۔

والسلام

سعید احمد پالنپوری

۲۰/ ۴/ ۱۹ھ

مفتی صاحب نے یہ خط مجھے ۲۰/ ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ مطابق ۱۳/ اگست ۱۹۹۸ء کو تحریر فرمایا، اور بھی کئی اکابر کو میں نے خط لکھا تھا، اور سب نے ہی تقریباً یہی بات لکھی، بالآخر اس خط کی تاریخ تحریر سے دوماہ کے اندر ۸/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ مطابق یکم اکتوبر ۱۹۹۸ء کو شہر سے دور منورواشریف میں نہایت سادگی کے ساتھ جامعہ ربانی کا افتتاح عمل میں آیا، اور اس کی اطلاع بھی حضرت مفتی صاحب کو دی گئی، تو آپ نے اظہار مسرت فرمایا، اور یہ خط تحریر کیا:

”برادر مکرم ومحترم زید لطفہ سلام مسنون

آپ کا دو (۲) رجب کا مکتوب ہم دست ہوا، جامعہ ربانی کے افتتاح سے بہت مسرت ہوئی، ان الرقیٰ فی البدایۃ المتواضعۃ معمولی آغاز ہی میں کامیابی کا راز مضمر ہے، پہلے جو آپ نے ماسٹر پلان بنایا تھا وہ ایک سنہرا خواب تھا اور اس کا انجام آپ دیکھ چکے، وہ طریقہ صحیح نہیں تھا، جیسا کہ میں نے اس وقت آپ کو لکھا تھا، اور غالباً وہ میرا لکھنا آپ کو ناگوار بھی ہوا تھا، مگر حقائق بہر حال حقائق ہوتے ہیں، اور امانی کبھی بھی حصول مقصد کا ذریعہ نہیں بنتے۔

اب آپ اس نونہال کی آبیاری کریں، ان شاء اللہ بہت جلد یہ مبارک درخت ثمر بار ہوگا۔۔۔۔ رہے علاقہ کے احوال جو آپ نے لکھے ہیں، وہ کوئی قابل تعجب اور لائق حیرت نہیں ہیں، اگر لوگوں کے یہ احوال نہ ہوں، تو ماضی میں انبیاء کرام کیوں مبعوث کئے جاتے، اور حال میں اور مستقبل میں وارثین انبیاء کی کیا ضرورت باقی رہتی ہے۔

آپ کے علمی کاموں میں اللہ تعالیٰ برکت عطا فرمائیں، ہم ناکاروں کے لئے دعا فرمائیں کہ کچھ کر سکوں، والد ماجد سے سلام مسنون کہیں، اور مدرسہ کی طرف پوری توجہ رکھیں، پچھلے ادارہ جیسا حال نہ کر دیں، رہا کبھی کسی مناسب وقت میں علاقہ کا دورہ ہوا تو ان شاء اللہ اس سے دریغ نہ ہو گا۔

والسلام

سعید احمد پالنپوری

۱۵/ رجب ۱۴۱۹ھ

میری تالیف "قوانین عالم میں اسلامی۔۔" کو جامع انسائیکلوپیڈیا قرار دیا جامعہ ربانی کے قیام کے بعد میری کئی کتابیں منظر عام پر آئیں، لیکن جب میری دستاویزی کتاب "قوانین عالم میں اسلامی قانون کا امتیاز" تیار ہوئی، تو میں نے یہ کتاب حضرت مفتی صاحبؒ کی خدمت میں پیش کی، مفتی صاحب اس کتاب کو پڑھ کر بے حد مسرور ہوئے، اور اس پر درج ذیل تحریر بطور تقریظ وتعارف کے رقم فرمائی:

"(بعد حمد وصلوٰۃ) جناب مولانا مفتی اختر امام عادل قاسمی زید مجدہم کی مایہ ناز کتاب "قوانین عالم میں اسلامی قانون کا امتیاز" پیش نظر ہے، دور حاضر میں اسلامی قانون اور اسلامی تمدن کو جس چیلنج کا سامنا ہے وہ اہل نظر سے مخفی نہیں ہے، اس سے لوہا لینے کے لئے ہمیں بڑی تیاری کرنی ہے، مدارس اسلامیہ کے عام طلبہ اور شعبۂ افتاء کے مخصوص طلبہ کو اسلامی قانون کا تقابلی مطالعہ کرانا ضروری ہے، اس سلسلہ میں مراجع کی کمی تھی، عربی میں تو خیر کافی مواد موجود تھا، مگر اردو میں نہ کے برابر ہے، اب بفضلہ تعالیٰ یہ مفصل کتاب منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو رہی ہے۔ یہ قیمتی کتاب پانچ (۵) بابوں پر مشتمل ہے۔

☆ پہلے باب میں اسلامی قانون کا تعارف، خصوصیات وامتیازات، تدریجی ارتقاء، مختلف ادوار اور ان کی خصوصیات کا بیان ہے، اور آج تک ہونے والی متعدد فقہی مساعی پر روشنی ڈالی گئی ہے، نیز اسلام کے بین الاقوامی قوانین
کا جائزہ لیا گیا ہے۔

☆ دوسرے باب میں مصنف نے اسلامی فقہ کے خلاف پیدا کی گئی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا ہے، اور دنیا کے دیگر قوانین نے جو اسلامی قانون سے خوشہ چینی کی ہے، اس پر روشنی ڈالی ہے، اور مثالوں سے یہ بات واضح کی ہے۔

☆ تیسرے باب میں دنیا کے مشہور غیر مسلم ملکوں کے قوانین کا تعارف کرایا گیا ہے اور ان کی خصوصیات سے بحث کی گئی ہے، اور اسلامی قانون کی بہ نسبت وہ کتنے ناقص ہیں اس پر نظر ڈالی گئی ہے۔

☆ چوتھے باب میں قانون اسلامی پر لکھی گئی بنیادی کتابوں کا تذکرہ ہے، اس باب میں تقریباً پچیس سو (۲۵۰۰) فقہی مآخذ کا ذکر آ گیا ہے۔

☆پانچویں باب میں فقہی اصطلاحات کی فرہنگ ہے جس کی ضرورت عالمی قوانین کے مطالعہ کے وقت پیش آتی ہے، اس باب میں تقریباً ایک ہزار (۱۰۰۰) فقہی اصطلاحات کا عظیم ذخیرہ جمع کر دیا ہے۔ اس طرح یہ ایک جامع انسائیکلوپیڈیا بن گیا ہے، اور یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کتاب اس موضوع پر حرف آخر ہے، لیکن یہ بات ضرور ہے کہ اس موضوع پر لکھی جانی والی کتابوں میں یہ کتاب سب سے زیادہ مبسوط اور جامع ہے۔ دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قبول فرمائیں اور اس کا فیض عام و تام فرمائیں ، اور امت کی صلاح و فلاح اور بلند پرواز مصنف کے رفع درجات کا ذریعہ بنائیں (آمین)

سعید احمد عفا اللہ عنہ پالنپوری

۲۱ / صفر ۱۴۲۶ھ خادم دارالعلوم دیوبند

دیار غیر میں درس اور سوال وجواب کی عملی تربیت

اس طرح حضرت مفتی صاحب سے میرے استفادہ کا سلسلہ زمانۂ مابعد تک جاری رہا، میں چھوٹی سی چھوٹی سے چیز میں بھی اپنے اساتذہ کی رہنمائی کا طلبگار رہتا تھا۔۔۔ اس ضمن میں ایک واقعہ قابل ذکر ہے، وہ یہ کہ ۱۴۲۶ھ / ۲۰۰۵ء میں رمضان المبارک کے موقعہ پر میرا برطانیہ کا سفر ہوا، اور "مسجد الرحمن بولٹن" میں رمضان کے آخری عشرہ میں میرے درس قرآن کا پروگرام طے ہوا، اس سے پہلے عشرے میں حضرت مولانا مفتی شکیل احمد سیتاپوری سابق استاذ دارالعلوم دیوبند اسی مسجد میں درس پر فائز تھے، یہ بیرون ملک کسی باقاعدہ درس کا میرا پہلا تجربہ تھا، مجھے معلوم ہوا کہ لندن میں اسٹام فورڈ کی مسجد قبا میں حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد پالنپوریؒ تشریف لائے ہوئے ہیں، اور عید تک یہیں قیام فرمائیں گے، میں نے اس ارادے سے کہ حضرت کے طریق کار سے رہنمائی حاصل کروں سیدھے لندن پہونچا، حضرت مسجد ہی کے ایک حجرہ میں آرام فرما رہے تھے، ان کو معلوم ہوا تو بہت خوش ہوئے، اپنے میزبان سے میرے کھانے پینے کے انتظام کا حکم فرمایا، لیکن میرا قیام اسی محلہ میں محترم جناب یوسف بھائی پٹیل کے یہاں تھا، وہ بھی میرے ساتھ تھے، میں نے معذرت کی، دو تین دنوں تک میں آپ کے درس اور سوال وجواب کی مجالس میں شریک رہا، پہلے دن ازراہ ادب میں نے پیچھے بیٹھنے کی کوشش کی، تو حضرت نے حکم دے کر مجھے آگے بلایا اور اپنے بازو میں بٹھایا، اور لوگوں سے دو چار تعارفی کلمات بھی ارشاد فرمائے، بعض سوالات کے جوابات بھی دینے کو کہا۔۔۔ اس طرح ایک اجنبی ملک میں درس اور سوال وجواب کی عملی تربیت میں نے حضرت مفتی صاحبؒ سے حاصل کی۔ یہ واقعہ اگرچہ کہ بہت چھوٹا ہے لیکن میرے لئے بہت اہم ہے، میں برطانیہ میں رہنے والے مسلمانوں کی نفسیات اور ان کے مسائل اور تقاضوں سے واقف نہیں تھا، ان کو کیسے مطمئن کیا جائے، کون سی بات ان کے سامنے رکھنی چاہئے اور کون سی نہیں ، اس کے لئے بھی بصیرت کی ضرورت ہے، مفتی صاحبؒ وہاں ایک عرصہ سے تشریف لے جا رہے تھے، اور ان کی نفسیات

اور ضرورتوں کو اچھی طرح سمجھتے تھے، اس لئے میرے لئے ان کا طرز عمل دلیل راہ بنا اور میں نے بولٹن (برطانیہ) کے دروس میں اس سے کافی استفادہ کیا۔

جوہر نایاب

یہ تمام واقعات حضرت مفتی صاحب کی وسعت قلبی، خرد نوازی، حسن تربیت، اور افراد سازی کی بے نظیر صلاحیت کے مظہر ہیں، آج جب لوگوں کے پاس ان چیزوں کے لئے وقت نہیں ہے، اور بڑے لوگوں کے اندر چھوٹوں
کو آگے بڑھانے کا جذبہ کم سے کمتر ہوتا جارہا ہے، مفتی صاحب جیسے انتہائی اصولی اور عدیم الفرصت شخص کے پاس یہ چیزیں فراوانی کے ساتھ موجود تھیں، اور انہی بزرگوں کے طفیل دین اور علم کی امانت نسلاً بعد نسل منتقل ہوتی چلی آرہی ہے، امت کی مائیں بانجھ نہیں ہیں، ضرورت ایسے مربیوں اور معلموں کی ہے جو ذرہ کو آفتاب اور خاک کو کیمیا بنانے کا ہنر رکھتے ہوں، حضرت مفتی صاحب اس دور زوال میں ایسے ہی

جوہر نایاب تھے جو اب ڈھونڈھنے سے نہیں مل سکتا۔

ڈھونڈوگے اگر ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

جو یاد نہ آئے بھول کے پھر اے ہم نفسو وہ خواب ہیں ہم

(شادؔ عظیم آبادی)

فقہی سیمیناروں اور اجتماعات میں شرکت

حضرت مفتی صاحب گو کہ قدیم میخانوں کے بادہ خوار تھے لیکن ان میں شدت اور خشکی نہیں تھی، وہ ہر اچھی چیز کا خیر مقدم کرتے تھے، مجھے خوب یاد ہے، غالباً ۱۹۸۸ء کی بات ہے، جب میں دارالعلوم دیوبند میں معین المدرس تھا، دستاویزی فقہی رسالہ بحث و نظر (پٹنہ) (زیر ادارت فقیہ العصر حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ) کے پوسٹر دارالعلوم کی دیواروں پر جگہ بہ جگہ چسپاں نظر آئے، میں نے خیال کیا کہ اردو کے عام فہم اور دلچسپ رسالوں کا تو خریدار نہیں ہے، تمام اردو رسائل خسارہ میں چل رہے ہیں، اس فقہی دستاویزی رسالہ کا خریدار کون ہوگا؟ لیکن جب یہ رسالہ منظر عام پر آیا تو خریداروں کے ہجوم میں وقت کے ممتاز علماء وفقہاء بھی نظر آئے، یہی رسالہ فقہ اکیڈمی اور آئندہ فقہی سیمیناروں کا سنگ بنیاد بنا، اور اس نے پورے ملک میں فقہی انقلاب کی لہر پیدا کردی، دوسرے فقہی سیمینار (منعقدہ ۱۹۸۹ء بمقام جامعہ ہمدرد دہلی) میں حضرت الاستاذ مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحیؒ (سابق مفتی دارالعلوم دیوبند) کے خادم کی حیثیت سے میں پہلی بار شریک ہوا، تو استاذ مکرم حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالنپوریؒ بھی تشریف فرما تھے، معلوم ہوا کہ مفتی صاحبؒ بحث و نظر کے تین سال کے خریدار بنے۔۔۔

مفتی صاحب اس رسالہ اور حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ کے مداحوں میں تھے، قاضی صاحبؒ کے کئی سیمیناروں میں وہ شریک رہے، بعد میں بعض وجوہات اور مصالح کے تحت انہوں نے سیمینار میں شرکت ترک کر دی تھی۔

فقہی مسائل میں اتفاق واختلاف–ملامت کی پرواہ کئے بغیر اپنی رائے کا اظہار

حضرت مفتی صاحب کا فقہی ذوق کافی بلند تھا، اور نئے مسائل میں بھی ان کا ذہن بہت تیزی کے ساتھ چلتا تھا، انہوں نے نکتہ رس ذہن پایا تھا، وہ اصول اور قواعد کی سخت رعایت کے ساتھ نئے مسائل میں اپنی رائے دیتے تھے، ان کے یہاں اسلاف کی احتیاط بھی تھی، اور عہد حاضر کی ضرورتوں کا ادراک بھی، ادارۃ المباحث الفقہیۃ (جمعیۃ علماء ہند) کے اجتماعات میں وہ پابندی سے شریک ہوتے تھے، بلکہ روح رواں رہتے تھے، ان اجتماعات میں ہمیشہ آپ کے خیالات سے استفادہ کا موقعہ ملتا تھا، اور مسئلہ کی مختلف شقوں تک رہنمائی ہوتی تھی، کئی مسائل میں مجھے ان کی رائے سے اتفاق نہیں تھا، اور کئی مسائل میں بہتوں کو ان سے اختلاف رہا، لیکن مفتی صاحب اپنی رائے میں کسی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے تھے، وہ پوری طاقت سے اپنی بات پیش کرتے تھے، میڈیکل انشورنس، منیٰ میں قصرواتمام، اور تعزیتی جلسے وغیرہ کئی مسائل میں ان کی ایک الگ رائے تھی، اور کئی علماء ان کے حامی بھی تھے، اور بہتوں کو اختلاف بھی تھا، لیکن ان کی رائے کسی دباؤ کی پابند نہیں تھی، وہ جو اخلاص کے ساتھ سمجھتے تھے وہی بولتے تھے، خطاؤصواب میں کلام ہو سکتا ہے، ان کے اخلاص میں نہیں، مگر اس کے ساتھ وہ وسیع النظر تھے، اختلاف کرنے والوں کے ساتھ بھی ان کا رویہ مخلصانہ اور مشفقانہ ہوتا تھا، اس دور میں ایسی مثالیں کمیاب ہیں، آج لوگوں کو اپنی رائے پر اتنا اصرار ہوتا ہے کہ اس سے اختلاف کرنے والے کو اپنا مخالف تصور کرنے لگتے ہیں، وہ اختلاف اور مخالفت کے فرق سے واقف نہیں ہیں، حضرت مفتی صاحب اس نقطۂ امتیاز کو سمجھتے تھے۔

حضرت سے آخری ملاقات کا منظر

حضرت سے میری آخری ملاقات ادارۃ المباحث الفقہیۃ کے پندرہویں فقہی اجتماع (۱۹ تا ۲۱ رجب ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۷ تا ۲۹ مارچ ۲۰۱۹ء، دفتر جمعیۃ علماء ہند دہلی) میں ہوئی تھی، حضرت پروگرام میں تشریف فرما تھے، اور اجلاس جاری تھا، میں آگے بڑھ کر ملاقات کے لئے حاضر ہوا، تو بے ساختہ اپنی کرسی سے کھڑے ہو گئے، وہ بیمار اور کمزور تھے، میں نے ہر چند اصرار کیا کہ حضرت نہ اٹھیں تشریف رکھیں، لیکن وہ نہ مانے اور کھڑے ہو کر مجھ سے معانقہ فرمایا، میں شرم سے پانی پانی ہو گیا۔۔۔یہ تھی ہمارے بزرگوں کی تواضع اور اپنے معمولی سے معمولی شاگرد کی قدر افزائی، وہ قدرت کی طرف سے بہت اونچا دل، وسیع ظرف اور بلند اخلاق لے کر آئے تھے، وہ نفسانیت سے پاک اللہ سے ڈرنے والے بزرگ تھے۔

بلا تنخواہ تدریس اور سابقہ تنخواہوں کی واپسی–مدارس کی تاریخ میں ایک زریں مثال

آپ کے بلند تقویٰ ،احتیاط اور خشیت وانابت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ جب اللہ پاک نے آپ پر مالی فتوحات کے دروازے کھول دیئے،اور تجارت وغیرہ کی سہولت پیدا ہوئی، تو آپ نے ۱۴۲۳ھ میں حج بیت اللہ سے واپسی کے بعد ہی دارالعلوم دیوبند سے تنخواہ لینے کا سلسلہ موقوف کر دیا،اور ۱۴۲۳ھ سے آخر تک بغیر تنخواہ کے دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات انجام دیں، بلکہ شوال ۱۳۹۳ھ سے ذی الحجہ ۱۴۲۳ھ تک دارالعلوم دیوبند سے جو تیس سال تین ماہ تک تنخواہ لی تھی، وہ تنخواہ بھی دارالعلوم دیوبند کو واپس کر دی، اسی طرح ذیقعدہ ۱۳۸۴ھ سے شعبان ۱۳۹۳ھ تک دارالعلوم اشرفیہ سے جو نو (۹) سال تنخواہ لی تھی، وہ تنخواہ بھی دارالعلوم اشرفیہ کو واپس کر دی، ایسی مثالیں ماضی میں بھی خال خال ملتی ہیں، آج کا تو سوال ہی کیا ہے،اس کی تفصیل جناب عادل سعیدی پالن پوری صاحب نے اپنے ایک مضمون میں اس طرح بیان کی ہے:

دارالعلوم اشرفیہ عربیہ راندیر سورت گجرات کو واپس کی ہوئی تنخواہ کی تفصیل:

واپسی کی تاریخ:۲۸ / اپریل ۲۰۰۳ء

☆مارچ ۱۹۶۵ء سے جنوری ۱۹۶۸ء تک: مبلغ پانچ ہزار سات سو چالیس روپے فقط (۵۷۴۰)۔

☆فروری ۱۹۶۸ء سے فروری ۱۹۷۰ء تک: مبلغ پانچ ہزار ایک سو پانچ روپے فقط (۵۱۰۵)۔

☆مارچ ۱۹۷۰ء سے فروری ۱۹۷۲ء تک: مبلغ چھ ہزار چھ سو روپے فقط (۶۶۰۰)

☆مارچ ۱۹۷۲ء سے اکتوبر ۱۹۷۳ء تک: مبلغ پانچ ہزار آٹھ سو پانچ روپے فقط (۵۸۰۵)۔

ٹوٹل: مارچ ۱۹۶۵ء سے اکتوبر ۱۹۷۳ء تک: مبلغ تیئیس ہزار دو سو پچاس روپے فقط (۲۳۲۵۰)۔

دارالعلوم دیوبند کو واپس کی ہوئی تنخواہ کی تفصیل

واپسی کی تاریخ:۹ / صفر ۱۴۲۴ھ

☆شوال ۱۳۹۳ھ سے ذی الحجہ ۱۴۰۰ھ تک: مبلغ تینتیس ہزار دو سو ستر روپے فقط (۳۳۲۷۰)۔

واپسی کی تاریخ:۱۷ / ربیع الاول ۱۴۲۴ھ

☆از محرم تا ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ: مبلغ دس ہزار آٹھ سو اکیاسی روپے بارہ پیسے فقط (۱۰۸۸۱/۱۲)۔

☆از محرم تا ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ: مبلغ دس ہزار پانچ سو تین روپے اٹھائیس پیسے فقط (۱۰۵۰۳/۲۸)۔

☆از محرم تا ذی الحجہ ۱۴۰۳ھ: مبلغ گیارہ ہزار چھ سو انہتر روپے چھہتر پیسے فقط (۱۱۶۶۹/۷۶)۔

☆از محرم تا ذی الحجہ ۱۴۰۴ھ: مبلغ گیارہ ہزار نو سو انچاس روپے ساٹھ پیسے فقط (۱۱۹۴۹/۶۰)۔

☆از محرم تا ذی الحجہ ۱۴۰۵ھ: مبلغ چودہ ہزار ایک سو اکتیس روپے چوالیس پیسے فقط (۱۴۱۳۱/۴۴)۔

☆از محرم تا ذی الحجہ ۱۴۰۶ھ: مبلغ بارہ ہزار دو سو سولہ روپے تینتیس پیسے فقط (

۱۲۲۱۶/۳۳)۔

☆از محرم تاذی الحجہ ۱۴۰۷ھ: مبلغ پندرہ ہزار ایک سوستانوے روپے باون پیسے فقط(۱۵۱۹۷/۵۲)۔

☆از محرم تاذی الحجہ ۱۴۰۸ھ: مبلغ سترہ ہزار باسٹھ روپے پچاس پیسے فقط(۱۷۰۶۲/۵۰)۔

☆از محرم تاذی الحجہ ۱۴۰۹ھ: مبلغ بائیس ہزار دوسوساٹھ روپے اڑتالیس پیسے فقط(۲۲۲۶۰/۴۸)۔

☆از محرم تاذی الحجہ ۱۴۱۰ھ: مبلغ چوبیس ہزار پانچ سوستر روپے چوبیس پیسے فقط(۲۴۵۷۰/۲۴)۔

واپسی کی تاریخ:۱۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ

☆از محرم تاذی الحجہ ۱۴۱۱ھ: مبلغ چھبیس ہزار نوسو چھپن روپے اسی پیسے فقط(۲۶۹۵۶/۸۰)۔

☆از محرم تاذی الحجہ ۱۴۱۲ھ: مبلغ انیتس ہزار چار سوبیس روپے سولہ پیسے فقط(۲۹۴۲۰/۱۶)۔

☆از محرم تاذی الحجہ ۱۴۱۳ھ: مبلغ تیس ہزار گیارہ روپے باون پیسے فقط(۳۰۰۱۱/۵۲)

☆از محرم تاذی الحجہ ۱۴۱۴ھ: مبلغ چوالیس ہزار آٹھ سواڑ تیس روپے فقط (۴۴۸۳۸)۔

☆از محرم تاذی الحجہ ۱۴۱۵ھ: مبلغ پینتالیس ہزار سات سو آٹھ روپے فقط(۴۵۷۰۸)۔

واپسی کی تاریخ:۱۶/ رجب ۱۴۲۴ھ

☆از محرم تاذی الحجہ ۱۴۱۶ھ: مبلغ چھیالیس ہزار پانچ سواٹھتر روپے فقط(۴۶۵۷۸)۔

☆ از محرم تاذی الحجہ ۱۴۱۷ھ: اڑتالیس ہزار چار سوچوالیس روپے فقط(۴۸۴۴۴)

☆ از محرم تاذی الحجہ ۱۴۱۸ھ: مبلغ پچپن ہزار آٹھ سوچھیانوے روپے فقط(۵۵۸۹۶)۔

☆ از محرم تاذی الحجہ ۱۴۱۹ھ: مبلغ اکیاسی ہزار دوسوبیاسی روپے فقط(۸۱۲۸۲)۔

☆ از محرم تاذی الحجہ ۱۴۲۰ھ: مبلغ اکیاسی ہزار دوسوبیاسی روپے فقط(۸۱۲۸۲)

واپسی کی تاریخ:۲۲/ ذیقعدہ ۱۴۲۴ھ

☆ از محرم تاذی الحجہ ۱۴۲۱ھ: مبلغ اٹھاسی ہزار تین سو چھپن روپے فقط(۸۸۳۵۶)

☆ از محرم تاذی الحجہ ۱۴۲۲ھ: مبلغ اکیانوے ہزار آٹھ سوچھیانوے روپے فقط(۹۱۸۹۶)۔

☆ از محرم تاذی الحجہ ۱۴۲۳ھ: مبلغ پچانوے ہزار چار سوچوبیس روپے فقط(۹۵۴۲۴)۔ٹوٹل: شوال ۱۳۹۳ھ سے ذی الحجہ ۱۴۲۳ھ تک: مبلغ نولاکھ انچاس ہزار آٹھ سو چار روپے پچھتر پیسے فقط(۹۴۹۸۰۴/۷۵)۔دارالعلوم اشرفیہ اور دارالعلوم دیوبند کو واپس کی ہوئی تنخواہ کا ٹوٹل: مبلغ نولاکھ تہتر ہزار چون روپے پچھتر پیسے فقط(۹۷۳۰۵۴/۷۵) دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم اشرفیہ سے لی ہوئی تنخواہ اسی سال واپس کی، جس سال دارالعلوم دیوبند سے تنخواہ لینی بند کی، اور محرم ۱۴۲۴ھ سے تاوفات دارالعلوم

دیوبند میں بغیر تنخواہ کے پڑھا رہے تھے" (عادل سعیدی صاحب کی تحریر مکمل ہوئی، جو حضرت کے وصال کے بعد حال ہی میں کسی واٹس ایپ سے مجھے حاصل ہوئی)

ولادت سے وفات تک - بہ یک نظر

حضرت مفتی صاحب کی ولادت ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۹۴۰ء میں موضع کالیڑہ ضلع بناس کانٹھا (شمالی گجرات) میں ہوئی، کالیڑہ پالنپور سے تقریباً تیس میل کے فاصلے پر واقع ہے، گاؤں میں مکتب کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد اپنے ماموں مولانا عبدالرحمن صاحب کے ساتھ دارالعلوم چھاپی میں داخل ہوئے، وہاں اپنے ماموں اور دیگر اساتذہ سے فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں، چھ (۶) ماہ کے بعد حضرت مولانا نذیر میاں پالنپوریؒ کے مدرسہ پالنپور چلے گئے، اور وہاں چار سال تک مولانا مفتی محمد اکبر میاں پالن پوریؒ اور مولانا ہاشم بخاریؒ سے عربی کی ابتدائی اور متوسط کتابیں (شرح جامی تک) پڑھیں، اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء میں مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور میں داخل ہوئے، یہاں آپ نے تین سال تعلیم حاصل کی، ۱۳۸۰ھ میں آپ دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے، اور ۱۳۸۲ھ / ۱۹۶۲ء میں دورۂ حدیث شریف سے فارغ ہوئے اور اول پوزیشن حاصل کی، یہ دارالعلوم دیوبند کا سوواں (۱۰۰) سال تھا، فراغت کے بعد دو سال تک افتاء کا کورس کیا اور حضرت مفتی سید مہدی حسن صاحب شاہجہاں پوریؒ سے فتویٰ نویسی کی مشق کی۔ فراغت کے بعد ذیقعدہ ۱۳۸۴ھ سے دارالعلوم اشرفیہ عربیہ راندیر، سورت، گجرات میں تدریسی خدمات کا سلسلہ شروع کیا، اور شعبان ۱۳۹۳ھ تک مسلسل نو (۹) سال دارالعلوم اشرفیہ میں پڑھایا، شوال ۱۳۹۳ھ / نومبر ۱۹۷۳ء میں آپ کا تقرر دارالعلوم دیوبند میں مدرس کی حیثیت سے ہوا، اور اس وقت سے تا وفات تقریباً سینتالیس (۴۷) دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات انجام دیں، جن میں آخری دس سال آپ دارالعلوم دیوبند کے سب سے باوقار منصب شیخ الحدیث وصدرالمدرسین کے منصب پر فائز رہے۔ وفات ۲۵ / رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۹ / مئی ۲۰۲۰ء بروز منگل بوقت چاشت قریب سات بجے ممبئی کے ایک اسپتال میں ہوئی، اور اسی دن شام میں جوگیشوری کے قبرستان میں مدفون ہوئے، اناللہ وانا الیہ راجعون ۔ آپ کی وفات صرف دارالعلوم دیوبند کا نہیں بلکہ پوری ملت اسلامیہ کا سانحہ ہے، آپ کے جانے سے ایسا خلا پیدا ہوا ہے، جس کا پر ہونا آسان نہیں ہے، اللہ پاک آپ کی مغفرت فرمائے اور درجات بلند فرمائے اور ہمیں آپ کے نقش جمیل پر چلنے کی سعادت عطا فرمائے آمین

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

اختر امام عادل قاسمی، جامعہ ربانی، منورواشریف سمستی پور بہار ۲۹ / رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ مطابق ۲۳ / مئی ۲۰۲۰ء

❏❖❏

تری لحد پر خدا کی رحمت، تری لحد کو سلام پہونچے

مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی
(نائب ناظم امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ جھاڑکھنڈ، ناظم اعلیٰ وفاق المدارس الاسلامیہ ، مدیر ہفت روزہ نقیب)

مفکر اسلام، مفسر قرآن، محدث کبیر، محقق دوراں، فکر نانوتوی اور رموز ولی اللہی کے شارح و امین ،فقیہ زمن، امام المنطق والفلسفہ ،نمونہ سلف ،درجنوں کتابوں کے مصنف، ازہر ہند دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث وصدر مدرس، استاذ الاساتذہ حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری نے ۱۹/مئی ۲۰۲۰ء مطابق ۲۵رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ بروز منگل بوقت چاشت سنجیونی ہوسپیٹل ملاٹ ممبئ میں داعی اجل کو لبیک کہا،ان کی طبیعت ادھر کئی مہینوں سے خراب چل رہی تھی،اتار چڑھاؤ آتا رہتا تھا،رمضان المبارک میں ان کی تفسیروں کا سلسلہ ممبئ میں جاری تھا،سوشل میڈیا پر افادات آبھی رہے تھے،پھیپھڑے میں پانی بھر جانے کی وجہ سے سانس لینے میں دشواری تھی اور یہی مرض الموت ثابت ہوا،تدفین پانچ بجے شام اوشیوارہ مسلم قبرستان جوگیشوری(ویسٹ) ممبئ میں عمل میں آئی،پہلی نماز جنازہ ان کے صاحبزادہ مولانا عبدالوحید صاحب نے سنجیونی نرسنگ ہوم سے متصل مسجد کے قریب پڑھائی اور دوسری نماز جنازہ کی امامت حضرت کے ایک اور صاحبزادہ مولانا عبد اللہ نے قبرستان سے متصل کی ،لاک ڈاؤن کی وجہ سے محدود تعداد میں ہی لوگوں کو جنازہ میں شرکت کی اجازت ملی،حضرت مفتی صاحب کے انتقال سے علمی دنیا کا جو خسارہ ہوا ہے اس کی تلافی کی کوئی شکل نظر نہیں آتی،اہل علم و فن بہت ہیں ،خود دارالعلوم دیوبند میں علمی دنیا کے شمس و قمر، ماہ و نجوم کی کثرت ہے،اس کے باوجود کہنا پڑتا ہے کہ "ایسا کہاں سے لائیں کہ تجھ سا کہیں جسے"پس ماندگان میں ۹لڑکے ،دولڑکیاں بقید حیات ہیں پوتے پوتیاں نواسے نواسیوں سے بھرا پرا گھر چھوڑا۔اہلیہ ۲۰۱۱ء میں انتقال فرما گئیں تھیں،اور حضرت کی زندگی میں ہی دو نوجوان لڑکوں نے داغ مفارقت دے دیا تھا۔

حضرت مولانا مفتی سعید احمد بن یوسف بن علی بن حیوا(یحییٰ)بن نور محمد کی ولادت ۱۹۴۰ء مطابق ۱۳۶۰ھ کے آخری ماہ میں ہوئی،یہ تاریخ بھی تخمینی ہے، واک پیڈیا میں تاریخ ولادت ۱۹۴۲ء درج ہے ،حضرت کی جائے پیدائش کالیڑہ ضلع بناس کانٹھا (شمالی گجرات)ہے جو پالن پورسے تیس میل جنوب مشرق میں واقع ہے،ابتدائی تعلیم کا آغاز ان کے والد محترم نے کروایا،پھر کالیڑہ کے مکتب میں بیٹھا دئے گئے ،یہاں آپ نے مولانا داؤد صاحب چودھری،مولانا حبیب اللہ صاحب چودھری اور حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب جونکیہ سے کسبِ فیض کیا،فارسی کی ابتدائی تعلیم دارالعلوم چھاپی میں اپنے ماموں مولانا عبدالرحمن صاحب شیرا سے حاصل کی،چھ ماہ کے بعد اپنے ماموں

کے ساتھ ان کے وطن "جونی سینڈھی" آگئے اور فارسی کی تعلیم جاری رکھی، عربی کی ابتدائی اور متوسطات تک کی تعلیم حضرت مولانا نذیر میاں صاحب پالن پوری کے مدرسہ سے حاصل کیا، اس زمانہ میں مولانا محمد ہاشم بخاری (سابق استاذ دارالعلوم دیوبند) یہاں استاذ تھے، چنانچہ ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا، ۱۳۷۷ھ میں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور تشریف لائے اور یہاں تین سال تک وہاں کے نامور اساتذہ حضرت مولانا صدیق احمد صاحب جموئی مولانا مفتی یحییٰ صاحب سہارنپوری، مولانا عبد العزیز رائے پوری رحمھم اللہ سے منطق و فلسفہ اور دوسرے علوم متداولہ کی درسی کتابیں پڑھیں، ۱۳۸۰ھ مطابق ۱۹۶۰ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۹۶۲ء میں سند فراغت پائی، شوال میں دارالافتاء میں داخل ہوئے، اور ڈیرھ سال بعد معین مفتی بنائے گئے، فراغت کے بعد آپ نے حفظ قرآن شیخ محمود عبدالوہاب مصری سے کیا جو ان دنوں جامعہ ازہر قاہرہ کی طرف سے دارالعلوم میں مبعوث تھے۔

تدریسی زندگی کا آغاز دارالعلوم اشرفیہ راندیر سے ہوا، ۱۳۸۴ھ سے ۱۳۹۳ھ تقریباً نو سال درس نظامیہ کی اعلیٰ نصابی کتابیں پڑھائیں، یہاں آپ نے تفسیر، عقائد، اصول تفسیر، فقہ اور اصول فقہ کی منتہی کتابوں کا درس دیا، تصنیف وتالیف کا آغاز بھی وہیں سے ہوا، چنانچہ داڑھی اور انبیاء کی سنتیں، حرمت مصاہرت، العون الکبیر وغیرہ اسی دور کی یادگار ہیں، ۷/رجب ۱۳۹۳ھ کی مجلسِ شوریٰ کے ایک فیصلہ کے مطابق بحیثیت استاذ دارالعلوم دیوبند میں آپ کی تقرری عمل میں آئی، اللہ کے فضل اور اپنی محنت کی بدولت آپ مسلسل ترقی کرتے رہے، یہاں تک کہ حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی علالت کے زمانہ ۲۰۰۸ء مطابق ۱۴۲۹ھ میں بخاری شریف جلد اول کا درس بھی آپ سے متعلق ہوا اور آپ دارالعلوم دیوبند میں شیخ الحدیث کے منصب جلیلہ پر فائز ہوئے، آپ کی تصنیفات و تالیفات کی تعداد چھیالیس ہے، جس میں تحفہ الالمعی شرح سنن ترمذی کی آٹھ جلدیں اور تحفۃ القاری شرح صحیح البخاری کی بارہ جلدیں شامل ہیں، صدر جمہوریہ ہند پرتیبھا دیوی سنگھ پاٹل نے آپ کو عربی میں علمی شغف اور مسلمہ قابلیت کے لئے ۱۹/جون ۲۰۱۲ء کو ایوارڈ سے نوازا تھا۔ تصوف کے رموز آپ نے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب اور مولانا عبد القادر رائے پوری رحمھم اللہ سے سیکھے اور حضرت مولانا مفتی مظفر حسین مظاہری رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت بیعت پائی، تین بار حج بیت اللہ کی سعادت حاصل ہوئی، پہلا حج ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۹۸۰ء میں اور آخری حج ۱۹۹۰ء میں وزارت حج و اوقاف سعودی عرب کی دعوت پر کیا، ۱۴۱۴ھ میں ایک سفر عمرہ کا بھی آپ نے کیا، آپ کا فیض علمی ہندوستان ہی نہیں دنیا کے بیشتر ملکوں میں شاگردوں کے ذریعہ پہونچا، خود آپ بھی رمضان میں محاضرات کے لئے کناڈا اور برطانیہ خصوصیت کے ساتھ بلائے جاتے تھے، گزشتہ رمضان بھی آپ

نے لندن میں گذارا تھا اور آپ کی تقریروں سے مسلمانوں کی بڑی تعداد مستفیض ہوتی تھی،لندن کی مختلف مجلسوں میں میں بھی شریک ہوا کرتا تھا۔

میری پہلی باقاعدہ ملاقات حضرت مفتی صاحب سے صد سالہ کے سال ان کے گھر پر ہوئی ،یہ میرا جلالین کا سال تھا یعنی عربی ششم کا، اور میں اپنی پہلی تصنیف فضلائے دارالعلوم اور ان کی قرآنی خدمات کے لئے مواد جمع کررہا تھا،حضرت کی تفسیر ہدایت القرآن کے نام سے اس زمانہ میں قسط وار چھپ رہی تھی،میں حضرت کے پاس بعد نماز عصر پہونچ گیا اور ان کی زندگی اور تفسیر سے متعلق تفصیلی انٹرویو لیا ،جس کا ایک حصہ میری کتاب فضلائے دارالعلوم اور ان کی قرآنی خدمات میں شامل ہے،مجھے یاد ہے کہ جب میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ بہت ساری تفسیر کی موجودگی میں آپ کو اس کام کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی،فرمایا کہ "پاگل پن ہے"میں خاموش ہوگیا کہنے لگے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ قرآن کریم کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوتے،میں سوچتا ہوں کہ کوئی خاص بات اللہ تعالیٰ اس کام کی وجہ سے میرے دل میں بھی ڈال دے گا ،پھر فرمایا کہ اس تفسیر کا آغاز مولانا کاشف الہاشمی نے کیا تھا ،مکتبہ حجاز لیتے وقت اس تفسیر کی تکمیل کا وعدہ میں نے کیا تھا اسی کو نبھا رہا ہوں۔

حضرت مفتی صاحب سے میرے تعلقات دورۂ حدیث کے نتیجہ امتحان آنے کے بعد شروع ہوئے ،دورۂ میں میری جب پوزیشن آگئی تو حضرت کی توجہ میری طرف مبذول ہوئی ،دورۂ حدیث کی بیشتر کتابیں میں نے حضرت سے ہی مدنی مسجد میں پڑھی تھیں ،اور تقریریں بھی نقل کی تھیں،دارالعلوم بند تھا اور کیمپ میں دورہ کی اکثر کتابیں حضرت ہی کے زیر درس تھیں ،بعد میں بخاری شریف حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب پڑھانے لگے تھے۔دورہ سے فراغت کے بعد جب میں نے افتاء میں داخلہ لیا تو حضرت ہی اس شعبہ کے ذمہ دار تھے،حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سفر حج پر چلے گئے تھے،چنانچہ داخلہ کی کارروائی حضرت نے ہی مکمل کرائی،داخلہ سے پہلے ہی حکم دیا کہ شامی کی پہلی جلد،طحطاوی علی المراقی اور فتاویٰ رشیدیہ اپنے اپنے پیسوں سے خرید لاؤ ،حکم کی تعمیل کی گئی،پھر فرمایا کہ کتاب کے صفحات الٹنا سیکھو،تم لوگ مدرسہ کی کتابوں کی جلد الٹ الٹ کرتوڑ دیتے ہو،پھر کھول کر دکھایا کہ اس طرح کتاب کھولنے سے جلد نہیں ٹوٹتی ہے،پہلے سبق میں تین نصیحتیں بھی کیں،ایک یہ کہ اگر فتویٰ تم کو لکھنا ہو تو سوال اپنے قلم سے کبھی نہیں لکھنا،جواب ہمیشہ مستفتی کے سوال والے کاغذ سے ہی شروع کرنا ،چاہے ایک سطرہی اس کاغذ پر آئے ، تاکہ کوئی بدل نہ سکے ، دوسطروں یا الفاظ کے بیچ میں اتنا فاصلہ نہ چھوڑنا

کہ کوئی اضافہ کرسکے،یہ تینوں نصیحتیں آج تک کام آرہی ہیں،پھر فرمایا دستخط صاف صاف کرنا ،اس لئے کہ فتویٰ کی اہمیت مفتی کی شناخت سے ہوتی ہے،پھر مسکراتے ہوئے فرمایا کہ دستخط کا ٹیڑھاپن مزاج کے ٹیڑھے پن کو بتاتاہے۔

افتاء کے سال ہی میں نے حضرت کی تقریر ترمذی سترہ سو صفحات میں نقل کیا ،مفتی رشید احمد لینیسیا جنوبی افریقہ ان تقریروں کو ٹیپ کرتے اور میں رات کو کیسیٹ کی مدد سے نقل کرتا،بعد میں مفتی رشید احمد نے وہ ٹیپ ریکارڈر مجھے ہدیہ کردیا جو آج بھی میرے پاس موجود ہے،میں نے وہ تمام نقل شدہ صفحات نظر ثانی کے لئے حضرت کی خدمت میں پیش کردیا تھا،حضرت کی رائے تھی کہ میں ایک بار پھر ترمذی شریف ان سے پڑھوں ،تقریریں قلم بند کروں اور دونوں کو ملاکرکے ایک مسودہ تیار کروں ،حضرت کی نظر ثانی کے بعد اسے شائع کیا جائے،حضرت کی تجویز یہ بھی تھی کہ میں مدرسہ احمدیہ ابابکر پور ویشالی سے دیوبند آجاؤں بال بچوں کے ساتھ نان و نفقہ حضرت نے اپنے ذمہ لینے کی بات بھی کہی،لیکن اسی زمانہ میں حضرت کے بڑے صاحبزادہ کا ایک حادثہ میں انتقال ہوگیا،حضرت پر اس کا زبردست اثر رہا اور بات آئی گئی ،ہوگئی ،بعد میں حضرت کی تقریری افادات پر مشتمل تحفہ الالمعی سامنے آئی۔

حضرت نے میری کئی کتابوں کی حرفا حرفا تصحیح کی "دین کی دعوت کا آسان طریقہ”جب میں نے لکھا تو حضرت نے ایک ایک سطر پڑھا،ذیلی عناوین لگائے ،پیش لفظ لکھا اور ضروری حذف واضافہ کیا،حضرت کے قلم کی یہ تصحیح آج بھی بطور تبرک نوراردو لائبریری حسن پور گنگھٹی بکساما مہوا ویشالی میں موجود ہے۔

میں نے جب آثار السنن پر تفہیم السنن کے نام سے کام شروع کیا تو شروع کے چند صفحات ان کے پاس لے گیا، فرمایا کتاب لکھنے کے لئے یہ طے کرنا چاہیے کہ یہ کتاب کس کے لئے لکھی جارہی ہے،میں نے کہا کہ سوچتا ہوں،طلبہ اساتذہ سب کے لئے مفید ہو ،فرمایا:تب ٹھیک ہے،کتاب تیار ہوئی ،پہلی جلد چھپ گئی،حضرت کی خدمت میں پیش کیا،تو اپنی تپائی پر رکھ لیا ،چھ ماہ بعد میرا دیوبند جانا ہوا تو کتاب وہیں پر رکھی ہوئی تھی،کہنے لگے قیلولہ کے وقت اسے پڑھتا ہوں ،پھر فرمایا کہ تحویل قبلہ کی بحث اس میں بہت اچھی آئی ہے،رطب ویابس سے پرہیز کیا ہے،اچھا کیا،پھر ایک دوسری جگہ نکالی اور فرمایا کہ یہ تعبیر صحیح نہیں ہے،پھول چڑھانا ہر حال میں تعبدی کے لئے استعمال ہوتا ہے ،یہاں پر پھول ڈالنا لکھنا چاہیے،حضرت اپنی ساری مشغولیت کے باوجود اتنی باریک نگاہی سے ہم جیسے شاگردوں کی تحریروں کو پڑھ کر اصلاح فرمایا کرتے تھے۔

میں جن دنوں مدرسہ احمدیہ ابا بکرپور ویشالی میں تھا ،مدرسہ نے پچھتر سال پورے کرلئے تو ڈائمنڈ جوبلی کے طور پر ایک تقریب کے انعقاد کا فیصلہ ہوا،اس تقریب میں شرکت کے لئے دعوت کی غرض سے حضرت کی خدمت

میں میری حاضری ہوئی،حضرت ان دنوں حجۃ اللہ البالغہ کی شرح رحمۃ اللہ الواسعۃ لکھنے میں مشغول تھے،میری دعوت پر فرمایا کہ نہیں جاؤں گا،ایک گھنٹہ تقریر ہوگی ، تین دن سفر میں جائے گا اور شرح کا کام رک جائے گا،اس جواب نے مجھے مایوس کیا ،میرے دیوبند کے ہر سفر میں حضرت کا معمول تھا کہ ایک وقت دعوت کرتے تھے،ایک سفر سے دوسرے سفر تک جتنی کتابیں حضرت کی چھپی ہوتیں وہ سب ہدیہ کرتے ،پھر ایک لفافہ بھی دیتے جس میں سفر خرچ کے طورپر کچھ رقم ہوتی،چلنے لگا تو فرمایا کہ کل دن کے کھانے پر آجانا ،میں نے بجھے دل سے کہا کہ ٹھیک ہے،اگلے دن کھانے پر حاضری ہوئی تو کہنے لگے ایک شرط پر میں تمہارے یہاں جاؤں گا ،میں نے فوراً کہا کہ حضرت ! استاذ شاگرد میں شرط نہیں چلے گی،آپ جو کہیں گے وہ میں کروں گا ، آپ جائیں یا نہ جائیں،فرمایاکہ حجۃ اللہ البالغہ کے جتنے قلمی نسخے پائے جاتے ہیں اس کی فوٹو کاپی میں نے حاصل کرلی ہے،صرف خدا بخش والا نسخہ دستیاب نہیں ہوسکاہے،میں نے وہاں کے کئی ذمہ داروں کو لکھا ،لیکن کامیابی نہیں ملی،تم یہ نسخہ اوپر کرو، میں آؤں گا،میں نے کہا کہ کوشش کروں گا ،چنانچہ بڑی کوشش کے بعد میں نے اس نسخہ کی مائیکرو فلم حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی،حضرت کی خدمت میں بھیجا ،بڑی دعائیں ملیں،حضرت پروگرام میں تشریف لائے،ڈیڑھ گھنٹہ تقریر فرمائی،واپسی میں میرے کہنے پر میرے قائم کردہ مدرسہ معہد العلوم الاسلامیہ چک چمیلی سرائے ویشالی بھی تشریف لے گئے،وہ زمانہ بالکل ابتدائی تھا،مدرسہ میں بیت الخلاء اور پیشاب خانہ بھی نہیں بنا ہوا تھا،حضرت نے خفگی کا اظہار کیا ، میں نے حضرت کے جانے کے بعد پہلی فرصت میں اس کام کو کرایا۔

رحمۃ اللہ الواسعۃ مکمل ہوئی ، اس کی پہلی جلد چھپ کر آئی تو اس میں حضرت نے میری اس خدمت کا ذکر کیا ،جو میرے لئے باعثِ سعادت اور سند ہے،آج جبکہ علمی استحصال کا عام مزاج بن گیا ہے،لوگ پوری پوری تصنیفات دوسروں کی اپنے نام سے چھپوا دے رہے ہیں،حضرت کا یہ عمل لائق تقلید بھی ہے اور قابل تحسین بھی۔

افتاء کے سال میں میرا حضرت کے گھر اندرون کوٹلہ دیوبند بہت جانا ہوتا تھا،حضرت مطالعہ میں مشغول ہوتے اور ہم لوگ بھی ان کی لائبریری سے استفادہ کرتے ،حضرت کثیرالعیال تھے ،لیکن کبھی بھی بچوں کے رونے کی آواز گھر سے نہیں آتی تھی،میں نے کہا کہ حضرت ہم لوگوں کے یہاں تو بچے روروکر جان عاجز کردیتے ہیں،یہاں کوئی آواز ہی نہیں آتی،کہنے لگے نظام الاوقات ایسا بنا ہوا ہے کہ چھوٹا بچہ ہمیشہ گود میں ہی رہتا ہے،پھر کیوں روئے گا،فرمایا:اسی لئے میں مہمانوں تک کو کہہ دیتا ہوں کہ میرے یہاں دن کے کھانے کا وقت اتنے بجے اور رات کے کھانے کا وقت اتنے بجے ہے،اس کی پابندی ضروری ہے،فرمایا کہ وقتی طورپر یہ بات ذرا گراں گزرتی ہے ،لیکن اگر اس کے خلاف ہوتو میرا سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔

گھریلو زندگی میں بھی بیوی بچوں کی بڑی رعایت کرتے تھے،ان کی تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند کے اچھے طلبہ کو اتالیق رکھتے تھے اور اپنی نگرانی میں ان سے پڑھوایا کرتے تھے،مولانا خورشید احمد گیاوی اور مولانا اشتیاق احمد صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند بھی حضرت کے بچوں کے اتالیق رہے اور پڑھانے کی تربیت حضرت کی زیر نگرانی حاصل کی ،آج یہ دونوں دارالعلوم دیوبند کے کامیاب ترین استاذ ہیں۔

عید میں تو میں گھر چلا آتا تھا،لیکن پورے دورطالب علمی میں عیدالاضحیٰ دیوبند میں ہی گزارتا ،ایک سال ہم لوگ قربانی کے دن حضرت کے گھر پہونچے ،حضرت نے روٹی کلیجی سے ضیافت فرمائی،ہم کئی لوگ تھے،ظاہر ہے کلیجی کی مقدار ہی کیا ہوتی ہے ،حضرت نے صاحب زادہ سے کہا کہ اماں سے پوچھو ،ہم لوگوں کے حصہ میں اور ہے ؟گھر سے جواب آیا نہیں ،اب آپ لوگوں کے حصہ کا نہیں ہے،فرمایا:خصی بچے پالتے ہیں اور کلیجی سب بڑے اڑاڈالتے ہیں،اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ بچے محروم نہ رہیں،کیوں کہ ان کا بھی حق اور حصہ ہے۔

پھر فرمایا کہ گھر کی عورتوں کا بھی خیال رکھنا چاہیے ،ہم لوگوں کی حالت یہ ہے کہ خالی برتن باربار اندر بھیجتے رہتے ہیں،عورتیں اپنے حصے کا بھی جو تھوڑا بہت رہتا ہے،بھیج دیتی ہیں،اور ان کی قسمت میں دیگچی پوچھنا ہی آتا ہے،یہ زیادتی ہے ،سالن جتنا لائے ہو تمہارے علم میں ہے،پھر بار بار خالی برتن کیوں بھیجتے ہو،ختم ہوگیا تو ہوگیا،عورتوں کو محروم نہ کرو یہ بڑی زیادتی کی بات ہے۔

ایک بقرعید کے موقع سے دیکھا کہ کباب خودہی لگا رہے ہیں،ہم لوگ بھی جاپہونچے تو کچھ سیخ ہم لوگوں کو دیتے اور کچھ اپنے بچوں سے کہتے کہ اماں کو دے آؤ،اہلیہ نے ان کا بڑا ساتھ دیا ان کے انتقال سے حضرت ٹوٹ کررہ گئے تھے،دوجوان بچوں کا جنازہ بھی انہیں اٹھانا پڑا جو ان کی صحت کو کھوکھلا کرگیا،لیکن راضی برضاء الٰہی کے قائل بھی تھے اور عامل بھی،اس لئے آگ اندر اندر سلگتی تھی،لیکن اس کی تپش دوسرے یاتو محسوس نہیں کرتے تھے یاکم کرتے تھے۔

حضرت کی محبت و شفقت کا دائرہ مجھ ہی تک نہیں میرے متعلقین تک پھیلا ہوا تھا،میرے عزیز شاگرد ہیں اظہار الحق قاسمی جب دارالعلوم میں زیر تعلیم تھے،ایک بار میں نے تعارف کرا دیا تو وہ پوری توجہ اور شفقت کے مستحق ہوگئے،میرے دولڑکے محمد نظر الہدیٰ قاسمی اور ظفر الہدیٰ قاسمی کا بھی وہ خیال رکھتے تھے،پہلی بار جب ان دونوں کو ملانے لے گیا تو ظفر الہدیٰ رومال سے داڑھی ڈھانپے ہوئے تھے فرمایاکہ اس طرح داڑھی وہ لپیٹتا ہے جو داڑھی کاٹتا ہے، ظفرالہدی نے جلدی سے رومال ہٹایا تب انہیں یقین ہوا کہ معاملہ گڑبڑ نہیں ہے،حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بڑی خصوصیات میں ان کا تحقیقی ذوق ،نظام الاوقات کی پابندی،علمی کاموں میں

انہاک،صاف صاف اپنی باتیں کہہ گذرنا اور بلاخوف لومۃ لائم کہنا قابل ذکر ہیں،صد سالہ کے سال الہ آباد کے ایک بزرگ دیوبند تشریف لائے،حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کیا کہ میں نے خواب دیکھا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دس روپے اجلاس صد سالہ کے لئے دیا ہے،اور صبح جب میں اٹھا تو بعینہ یہ دس کا نوٹ تکیہ کے نیچے موجود تھا،حضرت مہتمم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دارالحدیث میں ان کے استقبال میں جلسہ کیا اور فرمایا کہ موصوف صاحب نسبت بھی ہیں،اور اہل دل بھی،پھر فرمایا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہت زیادہ بھی دے سکتی تھیں،لیکن دس روپے دینے کا مطلب ہے کہ امت کا غریب سے غریب شخص بھی اس اجلاس کے مالی تعاون میں حصہ لے سکے،پھر جو دس روپے کی بارش شروع ہوئی تو کئی ہزار روپے جمع ہوگئے،اور مہینوں یہ سلسلہ جاری رہا،میں خود اس مجلس میں شریک تھا،حضرت مفتی سعید احمد پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ بھی شریک تھے،وہ اجلاس کے بعد اٹھ کرکتب خانہ چلے گئے ،رات بھر تعبیر خواب کی کتابوں کو کھنگالتے رہے،اور بالآخر صبح دم اس نتیجے پر پہونچے کہ خواب میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روپے دے سکتی ہیں،لیکن وہ روپے بیدار ہونے کے بعد سرہانے موجود رہے یہ صحیح نہیں ہے،انہوں نے تمام حوالہ جات کے ساتھ یہ بات حضرت مہتمم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے رکھدی،حضرت نے سکوت اختیار کیا۔

مباحث فقہیہ اور اسلامک فقہ اکیڈمی کے سیمیناروں میں بھی ان کا فقہی نقطۂ نظر سامنے آتا تھا جو ان کے گہرے مطالعہ اور فقہی جزئیات پر ان کی باریک نگاہی کا مظہر ہوتا، امدادالفتاوی پر ان کا قیمتی حاشیہ بھی ان کی فقہی بصیرت کا آئینہ دار ہے،بعض موقعوں سے تو یہ بھی دیکھنے میں آیا کہ تجویز تیار ہوگئی،خواندگی ہورہی ہے کہ حضرت پہونچ گئے،اب جو حضرت نے گفتگو شروع کی ،حوالہ جات منگوائے گئے تو وہ بنیاد ہی ڈھ گئ جس پر تجویز کی عمارت کھڑی کی گئی تھی،ایک موقع سے جب دہلی میں جمعیتِ علماء نے تحفظ ختم نبوت کا اجلاس منعقد کیا تو ایک صاحب نے قادیانیوں کے کفر سے متعلق تجویز کی خواندگی کی ،اناؤنسر نے تجویز کی تائید کے لئے حضرت مفتی صاحب کا نام پکارا،حضرت نے فرمایا کہ یہ تو اللہ کا فرمان ہے،اس کی تائید بندہ کیا کرے گا ،یہ عجیب و غریب بات ہے۔اس کے بعدجو حضرت نے قرآن وحدیث کے حوالے سے اس پر گفتگو شروع کی تو مجمع عش عش کررہا تھا۔

اس موقع پر حضرت کے بعض ملفوظات کا ذکر کرنا افادہ سے خالی نہیں،فرمایا:تمہارے دشمن بازار میں تمہارا مذاق اڑائیں اس سے بہتر ہے کہ دوستوں کے ذریعہ تمہاری اصلاح ہوجائے،فرمایا کرتے کہ بہت سے لڑکے مدرسے میں پڑھنے کے لئے آجاتے ہیں علم پڑھنے سے آتا ہے پڑنے سے نہیں،دس سال مسلسل پڑھوگے تو دس سال کے

بعد کتاب سے علم نکلتا ہوا دکھائی دے گا،اس قسم کے بہت سارے ملفوظات ہیں ،جن کو جمع کردیا جائے تو ایک کتاب تیار ہوجائے،اس مختصر سے مضمون میں ان سب کے ذکر کی نہ توگنجائش ہے اور نہ ہی موقع۔

بات لمبی ہوگئی اور حضرت کی تدریسی خصوصیات پر گفتگو نہیں آسکی ، جو حضرت کا اصل میدان تھا واقعہ یہ ہے کہ تدریسی کتابوں کے متن کی ایسی تشریح جو طلبہ کے ذہن و دماغ کو روشن کردے ،ان کی تدریس کی اہم خصوصیت تھی ،اسی وجہ سے ان کا درس دارالعلوم میں مقبول ترین تھا اور بہت کاہل طالب علم بھی ان کے درس میں بیٹھنا اپنے لئے باعث سعادت سمجھتا تھا۔

حدیث میں آتا ہے کہ قرب قیامت علم اٹھ جائے گا،مطلب یہ بیان کیا گیا کہ اہل علم اٹھتے جائیں گے،جس تیزی سے اہل علم اٹھتے جارہے ہیں اس سے تو ایسا ہی لگتا ہے کہ قیامت قریب ہے،اللہ تعالیٰ حضرت کے درجات بلند فرمائے ،سئیات سے درگذر کریں،اور پس ماندگان کو صبر جمیل بخشے، شاعر کے اس شعر پر اپنی بات ختم کرتا ہوں۔

ستارے ٹوٹتے رہتے ہیں شب و روز
غضب تو یہ ہے کہ اب آفتاب ٹوٹا ہے

آسمان علم کا نیر تاباں غروب ہوگیا

مفتی محمد عفان منصورپوری

مشفق استاذ محترم ، مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز شیخ الحدیث و صدر المدرسین ، استاذ الاساتذہ حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری نور اللہ مرقدہ دنیائے فانی کو الوداع کہکر اپنے مزاج کے مطابق شان بے نیازی کے ساتھ جوار رحمت الہی میں پہنچ چکے ہیں ، تاریخ تھی 25 / رمضان المبارک 1441ھ بوقت چاشت بروز منگل ، یہ اتفاق نہیں بلکہ نظام قدرت ہے کہ سعید روح کے پرواز ہونے کے لئے مالک دو جہاں نےاس ماہ مبارک " رمضان " کے آخری عشرے کے لمحات کا انتخاب کیا ہوا تھا جس میں آخری سانس لینا اہل ایمان کے لئے اعلی درجہ کی سعادت و خوش بختی اور علامت قبولیت ھے ، طبیعت تو پہلے بھی متعدد مرتبہ تشویشناک حد تک آپ کی خراب ہوئی لیکن اللہ پاک کے خصوصی فضل و کرم اور بے شمار چاہنے والوں کی دعاؤں کی برکت سے پھر ایسے صحتیاب ہوئے کہ معمول کے مطابق درس و تدریس وعظ و نصیحت اور فیض رسانی کا سلسلہ جاری فرمادیا ، اس مرتبہ بھی حضرت الاستاذ کی طبیعت کی ناسازی کا علم ہوا تو مجھ جیسے نہ جانے کتنے شاگردوں نے دعاؤں کا سلسلہ شروع کیا اور یہ امید کرتے رھے کہ انشاء اللہ چند روز میں حضرت رو بصحت ہوجائیں گے اور پھر علوم ومعارف کے موتی بکھیرنے شروع کریں گے لیکن تقدیر تدبیر پر غالب آئی اور اس مرتبہ ایسا نہ ہوا چند روز کی شدید علالت کے بعد آپ غریب الوطنی کی حالت میں (جو بجائے خود مقام سعادت و شہادت ہے) عروس البلاد ممبئی کے ایک شفاخانے میں واصل بحق ہوگئے اور پھر وصیت کے مطابق مقامی قبرستان ہی میں آسودہ خواب ہوئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت الاستاذ کے انتقال پر ملال کو دو دن گزر چکے ہیں لیکن طبیعت ایسی مغموم اور بجھی ہوئیوئی ہے کہ نہ کچھ کہا جارہا ہے نہ لکھا جارہا ہے ، یادوں کا ایک سلسلہ ہے جو تھمنے کا نام نہیں لیتا ، آپ کا مخصوص لب و لہجہ ، خوبصورت و منفرد اور دلنشیں انداز بیان ، جاذب نظر خط اور تحریر ، ہر چیز کو بہت اہتمام اور اہمیت کے ساتھ ذکر کرنا ، قرآنی آیات اور احادیث نبویہ کی عام فہم تشریح ، اردو و عربی قواعد و محاورات کی بہترین وضاحت اور اس طرح کی بہت سی ایسی خصوصیات ہیں جو ذہن ودماغ میں ایسی نقش ہوچکی ہیں کہ مٹائے نہیں مٹ سکتیں۔

بلاشبہ آپ ایک قابل فخر ، صاحب طرز ، کہنہ مشق ، طلبہ کی نفسیات کو سمجھنے والےایک کامل استاذ تھے ، خوش نصیب ہیں وہ تمام حضرات جن کو حضرت کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے کا موقع میسر ہوا۔

آپ صرف استاذ نہیں بلکہ استاذ گر تھے ، آپ سے پڑھنے والا پڑھانا سیکھ جاتا تھا نہ جانے کتنے شاگردوں نے آپ کے اسلوب کو اخذ کرکے اپنی تدریس کے انداز میں نکھار پیدا کیا ہوگا ، بھرپور توجہ کے ساتھ تمام طلبہ پر نگاہ رکھتے ہوئے ایسی سبک رفتاری سے کلام فرماتے کہ لکھنے والا بآسانی آپ کی تقریر کو قلمبند کرلیتا اور ہر طالب علم گوش بر آواز ہوتا ، امثلہ و نظائر کے ذریعہ مسئلہ کو سمجھاتے اور درمیان میں ایسے لطائف بھی سناتے یا ایسے جملے بولتے جس سے مجلس درس زعفران زار ہوجاتی اور نئی تازگی محسوس ہوتی ، سبق میں شروع سے اخیر تک دلچسپی ایسی برقرار رہتی کہ مجال ہے کہ کوئی طالب علم غافل ہوجائے یا بے توجہی کا مظاہرہ کرنے لگے۔

ہم نے بھی سنن ترمذی کے تقریبا تمام دروس بالاستیعاب ضبط کئے پھر تکرار کے موقع پر اور بعد میں تدریس کے وقت کاپی پر ایک نگاہ ڈالنے سے غیر معمولی فائدہ محسوس ہوا۔

تفہیم کے تو آپ بادشاہ تھے ، پیچیدہ سے پیچیدہ مباحث کو دلنشیں پیرایہ میں اس طرح پیش کرنا کہ غبی سے غبی طالب علم بھی مطمئن ہوجائے خدا کی طرف سے عطاء کردہ آپ کا وہ امتیاز تھا جس کا ہر شخص قائل اور معترف ہے۔

ہمیں حضرت الاستاذ سے سنن ترمذی اور شرح معانی الآثار پڑھنے کا موقع ملا ، صبح کے تیسرے گھنٹے میں اور مغرب کے بعد آپ کا درس ہوتا تھا ، محلہ بیرون کوٹلہ میں جو دارالعلوم سے خاصے فاصلے پر واقع ہے آپ کا مکان تھا وھاں سے پیدل بڑی پابندی کے ساتھ بروقت درس میں تشریف لایا کرتے تھے اور شروع ہی میں طلبہ کو یہ ھدایت فرمادی تھی کہ میرے آنے کے بعد کسی طالب علم کا درسگاہ میں آنا جرم ہوگا ، چنانچہ طلبہ اس کا بھرپور خیال بھی کرتے اور آپ کے آنے سے پہلے درسگاہ کھچاکھچ بھر جاتی ، اگر کبھی اتفاق سے آپ تشریف لائے اور طلبہ کی تعداد کم محسوس ہوئی تو ناراضگی کا اظہار فرماتے ہوئے واپس تشریف لے جاتے اور خاص طور سے ترجمان سے جواب طلب فرماتے ، یہ مرحلہ طلبہ کے لئے بڑی تشویش اور فکر کا باعث بن جاتا تھا ، عصر کی نماز کے بعد طلبہ ڈرتے ڈرتے آپ کے گھر مجلس میں حاضر ہوتے غلطی پر نادم ہوتے ، معافی طلب کرتے ، آئندہ پابندی کے ساتھ حاضری کا عہد کرتے تو دوچار تنبیہی جملے کہکر معاف فرما دیتے اور اگلے وقت تشریف لے آتے ، آپ کے اس عمل کا یہ اثر ہوتا کہ پھر طلبہ وقت سے پہلے درسگاہ میں موجود دکھائی دیتے۔

ہمارے سال بھی ایک مرتبہ ایسا ہی واقعہ پیش آیا ہم لوگ عصر کے بعد حاضر خدمت ہوئے ، معافی مانگی فرمانے لگے کہ تم لوگ کیوں آئے ، تمہاری وجہ سے میں واپس تھوڑا ہی آیا تھا ، جاؤ ان ہی طلبہ کو بھیجو جو درس گاہ میں موجود نہیں تھے ، احساس تو ان کو ہونا چاہئے ، چنانچہ پھر طلبہ کی ایک بڑی جماعت حاضر ہوئی حضرت اولاً ناراض ہوئے فرمایا میں اتنی دور سے تیاری کرکے محنت کرکے سبق پڑھانے جاتا ہوں اور تم لوگ غائب رہتے ہو پھر اسباق

میں پابندی سے حاضری کی تاکید فرمائی ،اسکے فوائد و برکات بتائے اور پھر شفقت فرماتے ہوئے معاف فرمایا اور اگلے دن سلسلہ درس کا آغاز فرمادیا۔

ابتدائے سال میں مبادیات حدیث ، علوم حدیث ، مقام سنن ترمذی اور امام ترمذی کی مخصوص اصطلاحات پر سیر حاصل گفتگو فرماتے جو کئی کئی روز تک مسلسل جاری رھتی۔

آپ کے سبق میں عبارت خوانی کا مرحلہ بھی بڑا اہم ہوتا تھا ، ہر طالب علم اس کی ہمت نہیں کرپاتا تھا ، آپ باقاعدہ گھر بلاکر عبارت خوانی کے خواہشمند طلبہ کا امتحان لیتے اور پھر چند طلبہ کو سال بھر عبارت خوانی کے لئے متعین فرمادیتے ، اطمینان کے ساتھ صاف صاف ، متوسط آواز میں ، صحیح عبارت پڑھنے کی تاکید فرماتے ، آواز تھوڑی بھی تیز ہوتی تو حضرت کو ناگوار گزرتی ، ٹوکتے اور فرماتے مائک دور کرکے پڑھو ، اعراب کی غلطیاں اگر آنے لگتیں تو عبارت خواں تبدیل فرمادیتے یا خود پڑھنا شروع فرمادیتے اس لئے عبارت خواں طلبہ بھرپور تیاری کرکے ہی سامنے آتے تھے۔

ہمیں بھی الحمدللہ کتاب کے معتد بہ حصہ کی عبارت پڑھنے کا موقع ملا ایک دفعہ پڑھتے ہوئے بار بار گلا صاف کرنے کے لئے کھنکھارنے کی نوبت آئی تو مجھے مخاطب کرکے فرمانے لگے : سنو ! سب طلبہ متوجہ ہو گئے تو ارشاد فرمایا کل سے چمچہ لیکر آیا کرو اور جہاں آواز پھنسے گلے میں چلا لیا کرو ، سب ھنسنے لگے حضرت بھی متبسم ھوئے اور فرمایا چلو آگے پڑھو۔

مغرب کے بعد تشریف لاتے تو باضابطہ سبق کا آغاز کرنے سے پہلے حفظ احادیث کی غرض سے ایک مختصر حدیث لکھواتے اور تین مرتبہ اس کو اجتماعی طور پر کہلواتے۔

شروع سال سے اخیر تک آپ کا انداز تدریس بلکل یکساں رہتا اواخر سال میں بھی اسی بسط و تفصیل کے ساتھ اطمینان سے پڑھاتے رھتے جس انداز سے شروع میں پڑھاتے ، سب کے اسباق بند ھوجاتے اور آپ کے اسباق کا سلسلہ امتحان کے قریب تک جاری رہتا ، کتاب کی تکمیل کے موقع پر آپ کی الوداعی نصیحت بھی بہت اہم ہوتی تھی جس کا طلبہ کو اشتیاق رہتا تھا اور جب آپ دعاء کے لئے ہاتھ اٹھاتے تھے تو طلبہ کی روتے روتے یہ سوچ ہچکیاں بندھ جاتی تھیں کہ اب حضرت کی مجلس درس میں حاضری کا سلسلہ منقطع ہوجائیگا۔

طلبہ کے درمیان مقبول ترین اساتذہ میں آپ کا شمار تھا ، آپ کے شخصی رعب ، علمی مقام اور وجاہت کی وجہ سے طلبہ اگرچہ آپ سے بے تکلفانہ گفتگو نہیں کرپاتے تھے لیکن دل سے محبت اور قدر بہت کرتے تھے۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ حضرت الاستاذ نے یہ علمی تفوق ، رفعت مقام ، اور لوگوں کے دلوں پر دھاک کسی بے ساکھی کے ذریعہ حاصل نہیں کی بلکہ اس کے پیچھے صرف اور صرف اللہ کا فضل وکرم اور حضرت کی مقصد کے تئیں جفاکشی ، وقت کا صحیح استعمال اور بے پناہ محنت و جدوجہد ہے ، جاننے والے جانتے ھیں کہ دور طالب علمی سے لیکر زمانہ تدریس تک کیسے کٹھن اور صبر آزما حالات کا آپ نے خندہ پیشانی اور جذبہ شکر کے ساتھ مقابلہ کیا لیکن اپنی علمی سرگرمیوں پر آنچ نہ آنے دی یہ رتبہ بلند اور علمی دنیا میں آپ کا سکہ اسی جہد مسلسل اور قربانی کا نتیجہ ہے۔

حضرت الاستاذ سے پڑھنے کا موقع تو ہمیں دورہ حدیث میں ملا لیکن شعور کی آنکھیں کھولنے کے بعد ہی سے ہم نے حضرت الاستاذ کا نام سنا کیونکہ محلہ بیرون کوٹلہ میں جہاں آپ کی رہائش تھی اسی کے پڑوس میں حضرت والد محترم دامت برکاتہم کے ساتھ ہم لوگوں کی بھی سکونت تھی ، کچھ بڑے ہوئے تو بعد عصر آپ کی مجلس میں حاضری کا بھی موقع ملنے لگا ، پھر تو قرب وتعلق اور عقیدت بڑھتی ہی چلی گئی۔

کتابیں اور علمی اشتغال آپ کا اوڑھنا بچھونا تھا ، مزاج میں یکسوئی اور زندگی میں انتھائی سادگی تھی ، شھر میں زیادہ لوگوں سے آپ کے راہ و رسم نہیں تھے اور علمی اشتغال کی وجہ سے آپ کے پاس اس کا موقع بھی نہیں تھا ، جب بھی خدمت میں حاضری ہوتی کچھ پڑھتے ہوئے ، پڑھاتے ہوئے ، لکھتے ہوئے ، سنتے ہوئے یا نصیحت کرتے ہوئے ملتے ، عصر کے بعد عمومی مجلس ہوتی اس میں طلبہ آپ کے سر پر تیل رکھتے ، کچھ پوچھتے تو آپ تسلی سے جواب مرحمت فرماتے ، دیر تک خاموشی رہتی تو خود فرماتے کچھ سوال کرو خاموش کیوں بیٹھے ہو ، یہاں آیا کرو تو سوال سوچ کے آیا کرو۔

فرق باطلہ کا تعاقب ، مسلک حق کی ترجمانی ، منکرات پر برملا نکیر اپنے موقف پر خلوص نیت کے ساتھ جماؤ یہ چیزیں آپ کے مزاج کا حصہ تھیں۔

دیوبند جانا ہوتا تو حضرت الاستاذ سے ملاقات کے لئے حاضری ہوتی ، بڑی محبت و شفقت کا معاملہ فرماتے ، اسباق کی تفصیلات معلوم کرتے دعائیں دیتے ، مدرسہ کے احوال دریافت فرماتے ،کوئی نئی کتاب چھپ کر آتی تو عنایت فرماتے مزید دونسخے دیتے اور فرماتے کہ یہ مفتی سلمان کو دینا وہ اس پر ندائے شاہی میں تبصرہ لکھدیں گے ، ندائے شاہی کا بھی پابندی سے مطالعہ فرماتے رسالہ اکثر آپ کی تپائی پر دکھائی دیتا ، بارہا فرمایا کہ تمہارا مضمون پڑھا اچھا تھا لکھتے رہو ایک مرتبہ فرمایا کہ تمہارا اور مفتی سلمان کا مضمون ضرور پڑھتا ہوں۔

مدرسہ عربیہ اعزاز العلوم ویٹ کے جلسہ سالانہ میں اکثر و بیشتر حضرت کی شرکت ہوتی تھی، چند سال قبل ایسا اتفاق طوا کہ حضرت اسٹیج پر تشریف فرما تھے اور آخری خطاب آپ کا ہونا تھا، حضرت مولانا قاری شوکت علی صاحب زید مجدہ کا حکم تھا کہ تجھے بھی کچھ کہنا ہے اس کے بعد حضرت بیان فرمائیں گے، میری ہمت بالکل نہیں ہورہی تھی، میں نے عرض کیا حضرت آپ بیان فرمادیں، آپ کی موجودگی میں ہم کچھ نہیں بول سکتے، حکما فرمایا کہ بیان کرو میں بیٹھا ہوں جب تک ایسے نہیں بولوگے تو بیان کرنا کیسے آئیگا۔

مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ سے آپ کا تعلق بہت گہرا اور پرانا تھا، آپ مدرسہ کی مجلسِ شوریٰ کے ممبر بھی تھے اور پچھلے چند سالوں تک مسلسل ختم بخاری کے لئے تشریف بھی لاتے، مدرسہ کے سابق مہتمم حضرت مولانا محمد قاسم صاحب علیہ الرحمہ سے آپ کی دیرینہ رفاقت تھی جس کو آپنے اخیر تک بخوبی نبھایا۔

چند ماہ بیشتر آپ کے صاحبزادہ گرامی کا انتقال ہوا تو مدرسہ کے ذمے داران کے ہمراہ آپ کی خدمت میں حاضری ہوئی، جاتے ہوئے پوچھا کیوں آئے ہو ہم نے مرحوم صاحبزادے کا تذکرہ شروع ہی کیا تھا تو فرمانے لگے " جو گیا وہ سپنا اور جو رہا وہ اپنا " اللہ کو جو منظور تھا وہ ہوگیا، بس جانے والوں کے لئے دعاء کرتے رہو، پھر تعزیت کے مروجہ طریقہ کے عدم ثبوت پر گفتگو فرماتے رہے، کچھ دیر کے بعد ہم نے عرض کیا کہ حضرت کئی سال سے آپ کی تشریف آوری مدرسہ کے سالانہ جلسہ میں نہیں ہوسکی ہے اس سال تشریف لے آئیں، مسکراتے ہوئے فرمانے لگے " اب اس نے موضوع بدل لیا حالانکہ آیا تھا یہ تعزیت ہی کے لئے " پھر فرمایا کہ جلسہ کی تاریخ کے لئے رجب کے شروع میں ملنا، پھر ملاقات ہوئی تو کمزوری اور طبیعت کی ناسازگی کی وجہ سے معذرت فرمالی۔

حضرت الاستاذ کی شخصیت پر لکھنے کے بہت سے پہلو ہیں جن پر لکھنے والے انشاء اللہ خوب اور بہت خوب لکھیں گے یہ تو بروقت بے ترتیب کچھ تاثراتی سطور ایک ادنی شاگرد کی طرف سے حضرت الاستاذ کے لئے خراج عقیدت کے طور پر قلمبند کردی گئی ہیں۔

اس موقعہ پر ہم استاذ مکرم کے اہل خانہ بالخصوص آپ کے برادر گرامی استاذنا حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب پالن پوری مد ظلہ اور آپ کے جملہ صاحبزادگان واولاد واحفاد کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتے ہیں اور دعاء گو ہیں کہ اللہ پاک ہمارے حضرت کی مغفرت تامہ فرمائیں، جنت الفردوس میں اعلی مقام نصیب فرمائیں، آپ کی زریں و سنہری دینی خدمات کا اپنی شایان بدلہ مرحمت فرمائیں اور مادر علمی دارالعلوم دیوبند کو آپ کا نعم البدل عطاء فرمائیں۔

توصیف کیا بیاں کریں ان کے کمال کی

مولانا عبد الباری فاروقی، استاذ دار المبلغین لکھنؤ

عالمی دینی درسگاہ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث استاذ الاساتذہ حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد پالنپوری ۲۵ رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ کو ہماری اس دنیا سے رخصت ہو گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون، اس عظیم سانحے کی خبر سے پورے عالم اسلام کے اندر غم وافسوس کا جو اثر دیکھا گیا وہ ناقابل بیان ہے، پوری دنیا میں پھیلے ہوئے حضرت علیہ الرحمہ کے فیض یافتہ وہ علماء جن کو آپ کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا، وہ اس حادثہ سے سب سے زیادہ متاثر ہیں اور غمگین ہیں۔

دارالعلوم دیوبند تجدید دین کی عالم گیر تحریک، حفاظت اسلام کے لئے ہمیشہ کوشاں رہنے والا اور تعلیم وتربیت کے لحاظ سے برصغیر میں مرکزی حیثیت کا حامل ایک عظیم ادارہ ہے، جن مقاصد کے لئے اس ادارہ کی بنیاد رکھی گئی تھی، بڑے خلوص وللّٰہیت اور ثابت قدمی کے ساتھ ان کی تعمیل میں سرگرم عمل رہا، اس ادارہ نے بے شمار علماء ربانین پیدا کئے مبلغین و دعاۃ کو جنم دیا مفسرین ومحدثین کی جماعتیں تیار کیں، اس ادارہ کے تربیت یافتہ مصنفین ومقررین اور مناظرین کی ایک بڑی تعداد نے دنیا کے مختلف حصوں میں احیاء دین کا عظیم اور تجدیدی کارنامہ انجام دیا، اور آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے، جب جب سرزمین ہند پر فتنوں نے سر ابھارا، ہر موقع پر فرزندان دارالعلوم کھل کر سامنے آئے اور ان فتنوں کا بھرپور تعاقب کیا، اس سلسلۃ الذہب کی ایک نمایاں کڑی استاذ محترم حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالنپوریؒ کی ذات گرامی تھی، آپ نے دارالعلوم کے مقصد اور اسلاف کی روایات کو نہ صرف تعلیمی اور تدریسی امور میں قائم رکھا بلکہ فتنوں کے تعاقب اور سرکوبی میں بھی آپ کا طریق کار اسلاف سے جدا نہ ہوا، رد قادیانیت کے سلسلہ میں آپ نے جو خدمات انجام دیں وہ دہائیوں پر محیط ہیں، آپ نے بلاخوف لومۃ لائم اہل اسلام کو بدعات اور خلاف شرع باتوں سے روکا، اور اس باب میں آپ اپنے موقف پر مضبوطی سے قائم رہنے والوں میں سے تھے۔

راقم کو حضرت الاستاذ علیہ الرحمہ سے ملاقات اور آپ کے دیدار کا شرف، سب سے پہلے امام اہل سنت حضرت مولانا عبد الشکور فاروقی صاحب کے قائم کردہ "۱۵ روزہ جلسے شہدائے اسلام میں حاصل ہوا، جہاں آپ والد محترم حضرت مولانا عبد العلیم فاروقی صاحب کی دعوت پر تشریف لائے تھے، اس کے بعد دارالعلوم دیوبند کے زمانہ طالب علمی میں مسلسل ملاقات اور استفادے کے مواقع میسر آتے رہے، اور حضرت کی شخصیت کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، جب بھی ملاقات ہوتی بڑی محبت واپنائیت کا معاملہ فرماتے، اپنے تمام شاگردوں کے ساتھ نہایت شفقت ومحبت سے پیش آتے اور ان کو اپنے بچوں کی طرح عزیز رکھتے تھے، آپ سختی کے موقع پر سختی اور نرمی کے موقع پر نہایت رحم دل واقع ہوئے، جو شخص بھی تحریکی و تدریسی سرگرمیوں میں آپ کا

شریک کار رہا، اور جس نے بھی آپ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا، وہ آپ کے علمی مقام کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکا، آپ عبادت وریاضت اور تقوی وپرہیز گاری میں نرالی شان رکھتے تھے، اللہ تبارک وتعالی نے استاذ محترم کو عباد الرحمن کی صفات سے معمور فرمایا تھا، اور آپ کو ہر وہ خوبی عطاء فرمائی تھی جو کسی مسلمان کے کامل مومن ہونے کے لئے ضروری ہوتی ہے۔ غرض یہ کہ آپ کی شخصیت جامع کمالات علمیہ وعملیہ تھی، اور آپ کا قلب علوم نبویہ سے منور تھا۔ ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء.

استاذ محترم نہایت خوش مزاج اور باوجاہت شخصیت کے مالک تھے، طبیعت میں سادگی تھی، شان استغناء، احتیاط اور توکل علی اللہ جیسی صفات سے آپ کا قلب مجلی ومنور تھا، یہاں حضرت کی زندگی کے تمام گوشوں کو قلم بند کرنا مقصود نہیں ہے مگر اتنا بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ حضرت نے اپنی زندگی میں سخت سے سخت اور مشکل ترین حالات کا بڑے صبر وہمت سے سامنا کیا، اور ہمیشہ اللہ کے حکم پر صابر وشاکر رہے، اور اپنی پوری زندگی للہ فی اللہ وقف کر دی، آپ اپنے علمی سفر کو اپنی بے مثال جد وجہد سے اتنا آگے لے گئے کہ دارالعلوم دیوبند جیسی عظیم جگہ پر اپنا علمی رعب قائم فرمالیا، اور اجلہ اساتذہ میں بھی آپ کو ممتاز ومنفرد مقام حاصل ہو گیا، یہ سچ بات ہے کہ اتنا بلند رتبہ اللہ تعالی اپنے خاص بندوں ہی کو عطا فرماتا ہے، اور لوگوں کی نظر میں ایسی محبت و مقبولیت محض اس کے فضل سے ہی نصیب ہوتی ہے اللہ تعالی قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے: ان الذين آمنوا وعملوا الصالحات سيجعل لهم الرحمن ودا (مریم، ۹۹) کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے رحمن ان کے لئے محبت پیدا فرما دیتا ہے۔

مولانا عدیم المثال صلاحیتوں اور خصوصیات کے مالک تھے مختلف علوم وفنون پر یکساں دسترس کے ساتھ ساتھ زبان قلم پر پوری طرح قادر تھے، آپ کا تدریسی اسلوب ایسا منظر دلنشیں ہوتا تھا کہ جو بات بیان فرماتے وہ ذہن ودماغ میں اینسی نقش ہو جاتی کہ مٹائے نہ مٹتی، میں استاد محترم کا ادنی شاگرد ہونے کی حیثیت سے اس بات کا شاہد اور گواہ ہوں، اور صرف میرا ہی نہیں بلکہ سبق پڑھنے اور سننے والے ہر طالب علم کا یہی تبصرہ ہے کہ مفتی صاحب علیہ الرحمہ کے درس میں غیر معمولی جاذبیت اور کشش ہوتی تھی، بات سمجھانے کا انداز بالکل اچھوتا اور نرالا تھا، دوسرے اسباق میں غفلت برتنے اور پابندی نہ کرنے والے طلبہ بھی آپ کے دروس میں انتہائی شوق وتڑپ کے ساتھ اور اس کو اللہ کی بڑی نعمت سمجھتے ہوئے حاضر ہوتے، تمام طلبہ کی توجہ ویکسوئی کی کیفیت شروع سے آخر تک یکساں رہتی تھی، اور دل کے دریچوں سے یہ آواز آتی تھی کہ یہ محقق و متبحر عالم، علوم قاسمیہ کا حقیقی وارث اور دارالعلوم کی مسند تدریس کا صحیح حقدار اور ولی اللہی فکر کا عظیم ترجمان ہے، انداز تدریس اس درجہ عام فہم ہوتا تھا کہ فی طلبہ بھی بات کو پوری طرح سمجھ کر مطمئن ہو جاتے تھے، بندۂ ناچیز کو بھی حضرت کے دروس میں حاضر ہونے اور آپ سے سنن ترمذی پڑھنے کا شرف حاصل ہوا، جس کو میں اپنے لئے انعام الہی تصور کرتا ہوں، استاد محترم کتاب کے آغاز میں کئی دن تک متعلقھفن کے تعارف، اصول ومبادیات اور تاریخ پر مفصل گفتگو فرماتے اور بڑے عمدہ انداز سے اس کے اصولی مباحث کو طلبہ کے سامنے بیان فرماتے، دوران درس مختلف فیہ مسائل پر سیر حاصل بحثکرتے، آراء واقوال کو شرح وبسط کے ساتھ بیان فرماتے علمی ادراکات،

تحقیقات اور تفردات کے علاوہ تسلسل بیان اور حسن ترتیب کے عجیب وغریب ملکہ کی وجہ سے مفتی صاحب کے درس کو امتیازی شان حاصل تھی، مولانا طلبہ کی استعداد کو بالغ نظریسے جانچتے اور پرکھتے اور خامیوں پر خفگی کا اظہار فرماتے کبھی کبھی تو اتنا خفا ہوجاتے تھے کہ بغیر سبق پڑھائے واپس ہوجاتے، حضرت کے درس میں عبارت خوانی ایک بڑا مسئلہ تھا، جس پر بڑی توجہ فرماتے اور سخت ہدایات صادر کرتے، اس کے باوجود بھی جب طلبہ کی عبارت خوانی سے مطمئن نہ ہوتے توخود ہی عبارت پڑھنے لگتے۔

تدریسی خدمت کے علاوہ تصنیف وتالیف کے میدان میں بھی آپ کسی شہسوار سے کم نہ تھے، اسی معرکۃ الآراء کتابیں آپ کے زور قلم سے وجود میں آئیں جو اپنے فن میں کامل اور اہل علم کے لئے قیمتی ثرمایہ ہیں، آپ کی تالیفات میں جن کتابوں کو بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی ان میں یہ کتامیں سرفہرست ہیں(۱) رحمۃ اللہ الواسعہ شرح حجۃ اللہ البالغہ (۲) تفسیر ہدایۃ القرآن(۳) تہذیب مغنی (۳) تحفۃ القاری شرح صحیح البخاری (۵) تحفۃ الالمعی شرح سنن ترندی (۷) تحفۃ الدر (۸) فقہحنفی اقرب الی النصوص (۸) اسلام تغیر پزیر دنیامیں۔

آپ نے اپنی پوری زندگی رضائے الٰہی کی چاہت اور اسلام کی نشرواشاعت میں گزاری، اور آپ کی وفات بھی ایسے مبارک مہینہ میں ہوئی، جو ہر اعتبار سے بابرکت ہے خصوصا اس ماہ مبارک کے آخری عشرہ اور طاق راتوں کی فضیلت اظہر من الشمس ہے، حق تعالی ان کے فیوض وبرکات عام فرمائے، اور دینی مساعی کو قبول سے فرمائے، جنت الفردوس میں آپ کو اعلی مقام عطاء کرے، اور مادر علمی دارالعلوم دیوبند کو آپ کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین۔

عالم بے بدل مفتی سعید احمد پالن پوریؒ(کچھ یادیں کچھ باتیں)

مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی، رفیق تصنیف دار الدعوۃ والارشاد، حیدرآباد

اس دار فانی کو ہر شخص کو چھوڑ کر عالم بقا کی جانب کوچ کرنا ہے، در اصل ساری کوشش محنت، عمل پیہم، جہد مسلسل کا مقصود او رمطمح نظر بھی آخرت کی کھیتی بونا ہے، لیکن اس عالم فانی میں جب انسان آتا ہے اور حیات مستعار کے لمحات اور گھڑیوں کو گذار کر راہی عالم بقا ہوجاتا ہے تو پھر اس میں بعض ایسی اساطین ہوتے ہیں جو اپنے انمٹ علمی نقوش اورکارناموں کی چھاپ چھوڑ جاتے ہیں، یہ شخصیات اوران کی حیات اور جہد مسلسل کی وجہ سے طبیعت یہ سننا گوارا ہی نہیں کرتی کہ فلاں شخصیت ، فلاں عالم بے مثل، محدث عظیم، فقیہ نفس اس دار فانی سے کوچ کر کے راہ عالم بقاہوچکا ہے

لیکن یہ حقیقت ہے ایسی بہت سی عظیم شخصیات کو اللہ عزوجل اس دنیا میں بھیجتا ہے ، ان سے بڑے بڑے کام لیتا ہے ، جس کے انمٹ نقوش اور گہرے اثرات انسانیت پر پڑتے ہیں، اس شخصیت سے انسان حد سے زیادہ اثر لیتا ہے ، بلکہ اس کی زبان کی طوطی بولتی ہے،اس کے منہ سے نکلنے والے الفا اور ہیرے موتی اس کی موت کے بعد بھی کانوں میں رس گھولتے ہیں۔

حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد صاحب پالن پوریؒ بڑے عظیم محقق، مدقق، عالم بے بدل، فقیہ نفس اور علم کا گہرا اور اتھاہ سمندر تھے، جن کو دیکھ کر گذشتہ اسلاف دار العلوم جن کے عظیم کارناموں سے دار العلوم کی علمی شہرت کو چار چاند لگے ، یاد آجاتی تھی ، حضرت کا ترمذی کا پر مغز درس، پروقار مجلس ، علمی ہیبت سے معمور محفل وانجمن ، عجیب سا سماں ہوتا، درس گاہ ساری کی ساری کچھاکچھ بھرجاتی ، تل دھرنی کو جگہ نہ ہوتی ہے چنیدہ قاری حدیث کو نہایت رس گھولنے والی آواز میں پڑھتے ، پھراس کے بعد استاذ محترم کا پر وقار، پر مغز، علمی خطاب شروع ہوتا ، جس میں دلائل کو اس قدر پختگی کے ساتھ پیش کرتے اور مسائل میں علماء کے درمیان اختلاف کی صورت میں موازنہ ایسے نہایت نازک اور البیلے اور اچھوتے انداز میں پیش فرماتے کہ ہر طرح کی علمی گتھیاں سلجھ جاتی ، بات کو کہنے اور پیش کرنے کا سلیقہ، علمی وقار وسنجیدگی اور متانت اس قدر زیادہ لفظ لفظ سے علم کی بو جھلکتی، نہایت پختگی کے ساتھ بغیر کسی جھجک کے نہایت پر وقار اور ایک عالم بے مثل وبے بدل کے ماند نہایت پختگی اوریقین کے ساتھ بات کو رکھنے کا سلیقہ ، اور علماء ومحققین کے اقوال کو پیش کر کے ان کے درمیان توازن اور ان کے علمی مباحث کا تجزیہ وتبصرہ درس کا منظر نہایت قابل دید ہوتا، طلبہ ہمہ تن گوش، کسی کے مجال کے دوران درس اپنی جگہ سے اٹھ کر بھی

چلا جائے ، بلکہ کئی مرتبہ دیکھا ہے کہ اگر درسگاہ میں طلباء کی تعداد کم محسوس ہوتی تو ناراض ہوکر واپس تشریف لے جاتے۔درس گاہ اپنی وسعت کے باوجود تنگ دامنی کا شکوہ کرتی ، بلکہ طلباء دروازوں پر بیٹھے سماعت درس میں مصروف نظر آتے۔

دار العلوم دیوبند میں مفتی صاحب کی علمی لیاقت کا طوطی بولتا تھا، نہایت تندہی اورتوجہ کے ساتھ مفتی صاحب کے خطابات سنے جاتے، علمی جلسوں اور ابتدائی تعلیمی سالوں اور مختلف انعامی جلسوں وغیرہ کے موقع سے نہایت پرمغز گفتگو کرتے اور بلا جھجک بلا تکلف نہایت پختگی اور ایقان کے ساتھ گفتگو کا طرز وانداز طلبہ وشاگردوں کے ذہن ودماغ کو ہمیشہ جھنجوڑتا رہے گا، معمول تھا کہ درسگاہ میں داخل ہوتے ہی طلبہ دورہ حدیث کو مختصر اور جامع احادیث حفظ اور ذہین نشیں کرنے کے لئے کئی مرتبہ دہرا کر یاد کرانے کی کوشش کرتے، ایک حدیث یاد پڑتی ہے کہ ”البصاق فی المسجد خطیئۃ، کفارتھا دفنھا“ اس قسم کے مختصر اور جامع احادیث یاد دلائی جاتی۔

اسماء حسنی بھی باضابطہ مکمل حدیث کی شکل میں حفظ کرائے جاتے ، بلکہ اسماء حسنی تمام طلبہ دور حدیث نے سنایا تو بطور انعام فتاوی رحیمیہ وغیرہ اور ہدایت القرآن کا سٹ بھی عنایت فرمایا، میں بھی تمام دورہ حدیث کے طلبہ کے ساتھ حضرت اقدس کے گھر پر اسماء حسنی سنانے کے لئے گیا، علمی ہیبت وقار کی وجہ سے بڑی ہیبت اور کوفت ہوئی ، بہر حال اسماء حسنی والی حدیث صحیح سنانے پر ہدایت القرآن اور فتاوی رحیمیہ کے سٹ سے نوازا گیا جس سے میں ابھی بھی استفادہ کرتا ہوں۔

علمی متانت کے ساتھ سادگی بھی لائق دید ہوتی ، گھر سے رکشہ پر سوار دار العلوم آتے جاتے ، گھر چونکہ دار العلوم سے دور واقع تھاایک دیڑھ کیلو میٹر کی دوری پر وہاں سے رکشہ پر تشریف لاتے اور جاتے ، بلکہ تمام دار العلوم کے اساتذہ کی یہی شان استغناء رہی ہے کہ اس قدر بڑے ادارے کے اساتذہ جن کے ہزاروں لاکھوں شاگردوں دنیا کے انگت حصوں میں پھیلے ہوئے ہیں، لیکن کارنشیں نظر نہ آتے ، وہی سادگی ، وہی جفاکشی، وہی جہد مسلسل، علمی طلب ان کا سرمایہ ، گویاکہ ان کو دنیا سے کوئی سروکار ہی نہیں، ساری کتابیں دور رسالت کے بعد سے لے کر موجودہ قریبی صدیوں تک کے محققین کے کتب بنی کے لئے انہیں کا انتخاب ہوا ہے ، علمی خوشہ چینی ، علمی کمال ، علمی لیاقت سب ہی امور ان کے لئے ہیں۔نمازوں کے اوقات میں یہ اساطین علم ادھر سے ادھر عام انداز میں آجارہے ہیں، جب یہ دار العلوم سے باہر نکلتے ہیں، لوگ ان کی دست بوسی اور مصافحہ کے لئے ترس جاتے ہیں، یہی شان استغناء وبے نیازی وللہیت ، بے گانگی ، فرزانگی مفتی صاحب رحمہ اللہ کی بھی خصوصیت تھی۔

حضرت مفتی صاحب دار العلوم دیوبند کے موجودہ شیخ الحدیث اور صدر المدرسین تھے، آپ ایک مستند محدث، کامیاب مدرس، متعدد اہم کتابوں کے مصنف اور جید الاستعداد اور صاحب بصیرت مفتی وفقیہ بھی تھے۔

حالات وکوائف

۱۳۶۰ھ/۱۹۴۰ء میں آپ کی ولادت ہوئی، آپ کا وطن موضع "کالیڑہ" بناس کانٹھا (شمالی گجرات) ہے، مفتی صاحب پالن پور کی نسبت سے مشہور ہوئے جو آزادی سے پہلے ایک مسلم نواب اسٹیٹ تھا اوراس ضلع کا مرکزی شہر بھی، بسم اللہ والد محترم نے کروائی، وطن میں ہی مکتب میں ناظرہ ودینیات کی تکمیل کے بعد "دار العلوم چھاپی" میں داخل مدرسہ ہوئے، جہاں مفتی صاحب کے ماموں جان عبد الرحمن صاحب تدریسی خدمات کی انجام دہی میں مصروف تھے۔

۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء میں مظاہر العلوم سہارن پور آگئے، یہاں نحو، منطق اور فلسفہ کی اکثر کتابیں پڑھیں، اعلی تعلیم کے لئے ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۱ء میں دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا، علم حدیث ووفقہ وتفسیر کے علاوہ دیگر علوم وفنون کی کتابیں دار العلوم میں پڑھیں، ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء میں دورۂ حدیث کی تکمیل کی اور سالانہ امتحانات میں امتیازی نمبرات سے کامیاب ہوئے، بڑے اساتذہ علامہ ابراہیم بلیلاوی، قاری طیب صاحب وغیرہ کی سرپرستی حاصل رہی، فراغت کے بعد ایک سال تک شعبہ افتاء میں زیر تعلیم رہے اور حضرت مفتی محمود احمد نانوتوی (رکن مجلس شوری واعزازی مفتی دار العلوم دیوبند) کے یہاں معین مفتی کے طور پر بھی فتوی نویسی کی خدمات انجام دیتے رہے۔

تدریس

تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۳۸۴ھ/۱۹۶۵ء میں دار العلوم اشرفیہ راندیر (سورت) میں درجہ علیا کے مدرس مقرر ہوئے اور ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء تک وہاں نہایت حسن وانتظام کے ساتھ تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، اسی زمانے میں "العون الکبیر شرح الفوز الکبیر" اور علامہ طاہر پٹنی کی کتاب "المغنی" کی شرح "-تہذیب المغنی "(غیر مطبوعہ) "حرمت مصاہرت" وغیرہ کتابیں تصنیف فرمائیں۔

دار العلوم دیوبند میں

حضرت مولانا منظور احمد نعمانیؒ کے ایماء پر دار العلوم دیوبند میں تقرر عمل میں آیا، دار العلوم میں اس وقت سے اب تک تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، منطق وفلسفہ وغیرہ کی کتابوں کا درس نہایت حسن وخوبی کے ساتھ انجام دیا، دورۂ حدیث میں ایک طویل عرصہ تک ترمذی شریف کا درس دیا، جس کی شان اور خوبی نہایت قابل دید ہوتی، درس طلب کے درمیان نہایت مقبول تھا، اسی طرح تکمیل العلوم میں "حجۃ اللہ البالغہ" جو فکر شاہ ولی اللہ کی کی ترجمان ہے

، یہ کتاب بھی تدریس میں آپ سے متعلق تھی، جس کی ہمہ جہت شرح "رحمۃ اللہ الواسعہ" کے نام سے ترتیب دے کر فکر شاہ ولی اللہ کی ترجمانی کا کام خوب انجام دیا۔ دار العلوم دیوبند کے موقر شعبہ دار الافتاء سے میں بطور مفتی افتاء نویسی کی خدمات بھی انجام دی ہے ، اخیر ش مفتی صاحب کی علمی سرپرستی میں "فتاوی دار العلوم" کی ترتیب جدید کام انجام دیا گیا۔

مفتی صاحب "فتنہ قادیانیت" و"۔تحفظ ختم نبوت" کے سلسلہ میں قائم کردہ شعبہ " کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت " کے ناظم اعلی بھی رہے ہیں، دار العلوم کے مختلف اجلاس اور عمومی جلسوں میں مفتی صاحب کی علمی تقریروں اور پند ونصائح پر علمی خطابات کوبڑی تندہی اور بیدار مغزی کے ساتھ سنا جاتا، طلباء کے لئے علمی گتھیاں سلجھاتیں، رجال سازی اور مردم گری کا کام انجام دیتے، دورہ حدیث کے سال طلباء کی تین قسم کی استعداد کے حامل قرار دے کر فرماتے ہیں، اعلی قسم کے صلاحیتوں کے حامل طلباء تدریس متعلق رہیں، ابھی تو علم کی چابی ملی ہے جس سے علم کے تالے کھولنے ہیں، درمیان اوسط درجے کے طلباء اور وغیرہ دیگر دینی شعبوں سے متعلق خدمات کی انجام دہی کی طرف توجہ دلاتے۔

بہت سارے طلبہ کی راست نگرانی فرما کر ان کو مختلف مقامات اور خود دار العلوم میں اپنا جانشیں اور ترجمان بنایا ۔۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء میں استاذ محترم حضرت مولانا نصیر الدین صاحب بلند شہریؒ کی علالت کی وجہ سے استعفاء کے بعد اس آخری سال تک دار العلوم دیوبند کے صدر المدرسین اور شیخ الحدیث کے باوقار شعبہ پر نہایت علمی طمطراق، وعلمی شان کے ساتھ فائز رہے۔

تصنیف وتالیف

نہ صرف آپ ایک کامیاب مدرس تھے ،بلکہ ایک نہایت کامیاب مصنف اور کتب درسیہ کے محرر بھی تھے، جن میں محفوظات کے نام سے احادیث پر مشتمل کتابیں، آسان نحو وصرف، آسان منطق ، معین الفلسفہ اس طرح کی دیگر مبادیات پر مشتمل کتابیں آج بھی ہندوستان کے طول وعرض میں داخل درس ہیں، جن کو نحووصرف ومنطق وفلسفہ کی مبادیات کی شکل میں بچوں کو حفظ کرایا جاتا ہے ، اس کے علاوہ ترمذی کی شرح "تحفۃ الالمعی" ،"تحفۃ القاری شرح بخاری"، العون الکبیر شرح الفوز الکبیر، حاشیہ امداد الفتاوی، ہدایت القرآن وغیرہ شامل ہیں۔ نہ صرف دار العلوم دیوبند کے عظیم استاذ، محقق ، مدقق، مفتی وفقیہ، محدث باکمال ، مصنف ومولف تھے ؛ بلکہ موجودہ وقت میں دار العلوم دیوبند کے حقیقی ترجمان بھی تھے، دنیا کے طول وعرض میں دار العلوم کے ترجمان کی حیثیت سے مفتی صاحب کے اسفار ہوتے۔

آخری وقت

آخری وقت میں دوران سال کچھ طبیعت علیل ہوئی ،پھر بحالی پر بخاری شریف کی تدریس کی تکمیل فرمائی، تکمیل بخاری کی آخری مجلس نہایت ہی زیادہ غم آگیں رہی، جس میں مفتی صاحب کہتے کہتے رک گئے، بولنے کی سکت نہ رہی ، فرمایا: وہی ہوگا جو اللہ چاہے ، استاذ محترم کو روتا بلکتا اور سستا دیکھ دار الحدیث طلباء کی بھی سسکیاں بندھ ، عجیب سماں بندھ گیا، پھر علالت کے بعد صحت یابی ہوئی، پھر حضرت والا کے فرزند قاسم احمد پالنپوری نے 18مئی کو قارئین سے خصوصی دعاں کی درخواست کرتے ہوئے یہ کی اطلاع دی تھی کہ والد محترم حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری صاحب دامت برکاتہم کی طبیعت آج بتاریخ 18 مئی بروز پیر سیریس ہوگئی ہے۔

دراصل حضرت مفتی صاحب کے پھیپھڑوں میں پانی چلا گیا تھا جس کے باعث انکو سانس لینے میں دقت ہو رہی تھی، اسی تناظر میں وہ ایک ہفتہ قبل انتہائی نگہداشت کے شعبہ میں داخل کیے گئے تھے، علاج معالجہ ہوتا رہا، دن بدن طبیعت میں سدھار بھی ہورہا تھا مگر آج طبیعت تشویشناک ہو چلی ہے۔حضرت کے ہی فرزند نے 19مئی کی صبح حضرت والا کے داغِ مفارقت کی خبر دے کر امتِ مسلمہ بالخصوص تلامذہ محبین متعلقین اور محبین کو مغموم کردیا۔ مفتی صاحب کی نصف صدی پر مشتمل علمی خدمات کو ہر دور میں سنہری تحریر میں لکھا جائے گا، لاکھوں کی تعداد میں دنیا کے ہر کونے میں پھیلے شاگرد مفتی صاحب کی فکر وفن کو عموم دینے میں لگے رہیں گے۔

داغ کس کا ہے کہ ساری انجمن خاموش ہے

مولانا عبد الرشید طلحہ نعمانی

یہ کیسا وقت آن پڑا ہے کہ ہر کوئی مستحق تعزیت بنا ہوا ہے، میں آپ کی تعزیت کر رہا ہوں، آپ میری تعزیت کر رہے ہیں، اکابر سے اصاغر تک سب ہی رنجور و حزیں اور مجسمۂ غم و ماتم بنے ہوئے ہیں اور کیوں نہ ہو کہ حضرت الاستاذ کی وفات کا سانحہ ایک فرد کی وفات نہیں، ایک کائنات کا نقصان ہے، ایک عہد کا خاتمہ ہے، ایک صدی کی رحلت ہے۔

ہم اور آپ کس کس کو روئیں گے؟ منقولات کے ماہر کو؟ معقولات کے شناور کو؟ فکر ولی اللہی کے پاسبان کو؟ علوم قاسمیہ کے امین کو؟

داغ کس کا ہے کہ ساری انجمن خاموش ہے
شمع کس کے نور سے محروم ظلمت پوش ہے
حسرتِ نظارہ بن کر آنکھ وقفِ جوش ہے
کس کی رخصت ہے یہ ہم سے کون یوں روپوش ہے

درحقیقت یہ کسی فرد فرید کی وفات نہیں ہے؛ بل کہ یہ رحلت ہے ایک مردم ساز استاذ کی، عظیم مفسر قرآن کی، مایۂ ناز محدث؛ بل کہ رئیس المحدثین کی، کہنہ مشق ومزاج شریعت سے باخبر فقیہ کی، بہترین مصنف و مولف کی، اسلام کے متکلم و شارح کی، ناموس رسالت و ختم نبوت کے محافظ کی اور مسلک اہل سنت کے بے لاگ ترجمان کی۔

حضرت مفتی صاحب کی وفات کا صدمہ صرف کسی خاندان، کسی علاقے اور کسی ادارے کا صدمہ نہیں؛ بلکہ پورے اہل دین، اور اہل علم کا صدمہ ہے اور میرا احساس ہے کہ ہم سب سے زیادہ تعزیت کا مستحق "دار العلوم دیوبند" ہے جہاں نصف صدی پر محیط آپ کی بے لوث خدمات نے ایک عالم کو سیراب کیا، جہاں کی مسند حدیث کو آپ نے عرصۂ دراز تک آباد رکھا، جہاں کے سرد و گرم حالات کا آپ نے نہ صرف مشاہدہ کیا؛ بل کہ آگے بڑھ کر قائدانہ رول ادا کیا، آج وہ مادر علم و فن اپنے ایک ایسے علمی ترجمان اور فکری نمائندے سے محروم ہوگئی؛ جس کا متبادل عالمِ اسباب میں بظاہر کوئی نظر نہیں آتا۔

تاریخ میں ہے کہ حضرت قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ ، اُن بانصیب افراد میں سے تھے جنہوں نے زمانۂ جاہلیت میں بھی اپنے اوپر شراب حرام کر رکھی تھی، جب ان کا انتقال ہوا تو عبدہ بن طبیب (جو ایک مسلمان شاعر تھے) نے بڑا جاندار مرثیہ کہا' جس کا ایک شعر ضرب المثل ہے:

وما كان قيس هلكه هلك واحد

ولكنه بنيان قوم تهدما

(قیس کا مرجانا' صرف ایک شخص کی موت نہیں ہے' وہ تو پوری قوم کی بنیاد تھی' جو منہدم ہو گئی)۔

بلاشبہ حضرت الاستاذ پالن پوریؒ کا رخصت ہو جانا' صرف ایک شخص کا دنیا سے چلا جانا نہیں ہے؛ بلکہ ایک عہد اور دور کا خاتمہ ہے، جن کی حسین یادیں اور علمی باتیں حسرت بن کر ہمیشہ لوح دل پر محفوظ رہیں گی اور طلبۂ علوم دینیہ کے لیے نشانِ منزل کا کام دیں گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

وہ اک سفینہ جو ترجماں تھا بہت سی غرقاب کشتیوں کا

مولانا محمد اجمل قاسمی

استاذ تفسیر وادب جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی، مرادآباد

بروز شنبہ بتاریخ 6 شوال 1441ھ مطابق 30 مئی 2020

استاذ کوئی بھی ہو، تعلیم کے کسی بھی مرحلے میں اس نے پڑھایا ہو، وہ آدمی کا محسن اور کرم فرما ہے؛ مگر محسنین کی اس فہرست میں کچھ ایسی ہستیاں بھی ہوتی ہیں جن کی طرف انتساب آدمی کے لیے وجہِ افتخار اور باعث امتیاز بنتا ہے، میرے اور مجھ جیسے ہزاروں فیض یافتگان دارالعلوم دیوبند کے لیے جو ہستیاں وجہ افتخار ہیں ان میں ایک نمایاں اور جلی نام حضرت الاستاذ حضرت مولانا ومفتی سعید احمد صاحب صدرالمدرسین وشیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کا ہے (رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ) اردو شاعر فراق گورکھپوری نے کبھی اپنے معاصرین سے کہا تھا:

آنے والی نسلیں تم پر فخر کریں گی ہم عصرو

جب بھی ان کو دھیان آئے گا تم نے فراق کو دیکھا ہے

پتہ نہیں یہ فراق کی بڑھی ہوئی خوش فہمی تھی یا اس میں حقیقت کا عنصر بھی کسی قدر شامل تھا؟ مگر حضرت مفتی صاحب کے نیاز مندوں کے بارے میں یہ بات پورے اطمینان کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ آنے والی نسلیں ان پر ضرور رشک کریں گی کہ انہوں نے مفتی سعید احمد صاحب سے شرف تلمذ حاصل کیا ہے۔

ہزارہا ہزار شاگردوں، عقیدت مندوں، وفاکیشوں اور نیاز مندوں کے دلوں میں حضرت مفتی صاحب کے لیے عقیدت ومحبت اور عظمت واحترام کے غیر معمولی جذبات تھے، آپ کی اچانک اور غیر متوقع رحلت نے ان جذبات میں ایک زبردست تلاطم برپا کر دیا ہے، آپ کی عقیدت ومحبت میں نوک قلم سے ٹپکنے والے الفاظ اور تحریریں سوشل میڈیا پر امڈتے سیلاب کا سماں پیش کر رہی ہیں، منظوم ومنثور خراجہائے عقیدت کا سلسلہ ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا ہے۔

وادی ایمنِ ہند مادر علمی دارالعلوم دیوبند کو اللہ سدا شاد وآباد رکھے "شاد باش وشاد زی اے سرزمین دیوبند!" عنادل خوش نوا اس کی شاخِ نشیمن کو اپنی نغمہ سرائیوں سے معمور کرتے رہے ہیں اور ان شاء اللہ العزیز صبح قیامت تک معمور کرتے رہیں گے؛ مگر جن بلبلان خوش الحان نے ہمارے کانوں میں رس گھولے ہیں یکے بعد دیگرے ان کے کوچ کرتے رہنے سے یہ فضا ہمیں سونی سونی سی نظر آنے لگی ہے، پندرہ سال کے عرصہ میں کتنے اکابر رخصت ہوگئے جو اپنی طویل خدمات کی وجہ سے اس ادارے میں اپنا

ایک مقام اور وقار رکھتے تھے، لیجئے اب اس گلشن سے وہ گلِ سر سبد بھی رخصت ہوا جس کی بہارِ حسن اپنے رنگ کی رعنائی اور معطر شمیم سے دل وجان کو تازہ اور قلب و نظر کو مست کئے رکھتی تھی۔

جن خوش نصیبوں نے آپ کی مجلس درس کا رنگ دیکھا انہیں دکھانا کیا، جنھوں نے نہیں دیکھا واقعہ یہ ہے کہ انھیں دکھانا مشکل ہے، قلم کو یارائے بیان کہاں جو منظر کی صحیح تصویر اتار سکے، انگلیاں کی بورڈ پر حرکت میں ہیں اور حضرت الاستاذ کا دل آویز سراپا اور آپ کی مجلس درس کا دلکش سین دماغ کی اسکرین پر متحرک ہے، یوں محسوس ہوتا ہے کہ میں احاطہ مولسری میں نگاہوں کو فرش راہ کئے کھڑا ہوں، اور حضرت الاستاذ بعد نماز مغرب صدر گیٹ سے داخل ہو رہے ہیں، وجیہ شخصیت، داز قد و قامت، باوقار سراپا، متین چال، صاف ستھرا لباس، احاطہ مولسری میں پہنچ کر کنویں والے ہیڈ پائپ پان تھوک کر منہ صاف کر رہے ہیں، پھر دارالحدیث کی طرف محو خرام ہو رہے ہیں (وہی تاریخی سرخ رنگ والی دارالحدیث جو دارالعلوم دیوبند کا حسن اور اس کی پہچان ہے، جہاں پہنچ کر مجھ جیسے ہزاروں دل ادب واحترام میں جھکے اور فرط عقیدت سے کھنچے جاتے ہیں، جامع رشید کے تہ خانے یا زیر تعمیر شیخ الہند لائبریری کی نچلی منزل سے نہ ہمیں واسطہ پڑا اور نہ وہ جذباتی لگاؤ ہے) دارالحدیث کی شمالی سمت سے جوں ہی آپ اندر داخل ہوتے، طلبہ کے کچھا کچھ بھرے مجمع پر سناٹا پسار جاتا، ہر کوئی سنبھل کر باادب بیٹھ جاتا، درس کو قلم بند کرنے والے سینکڑوں طلبہ اپنے کاغذ قلم ٹھیک کرنے لگتے، پہلی تپائی پر بیٹھنے والے اپنے بال اور ٹوپی بھی اہتمام سے درست کرنے لگ جاتے؛ اس لیے کہ کسی طالب علم کا الول جلول ہیئت میں قریب بیٹھنا حضرت کے لیے باعث تکدر تھا، مسند کے پاس پہنچ کر حضرت سر وقد کھڑے ہو جاتے، مجمع پر نظر ڈالتے ہوئے خاص ادا سے سلام کرتے، سال میں دو چار دفعہ ایسا ہوتا کہ مجمع کو ناموافق پا کر غصہ میں تنبیہاً یہیں سے الٹے قدم یہ کہتے ہوئے واپس چلے جاتے" کہ تمہیں اگر پڑھنے کا شوق نہیں رہا تو ہمارا بھی پڑھانے کا شوق پورا ہو چکا ہے" جس کا آئندہ طلبہ کے اہتمام درس پر اچھا اثر مرتب ہوتا، ورنہ عام معمول تھا کہ سلام کے بعد خاص لب ولہجے میں" لا الہ الا اللہ" کہتے ہوئے مسند حدیث پر فروکش ہو جاتے، آپ کی زبان اس مبارک ورد کی عادی تھی، دوران درس جب بھی پہلو بدلتے، یا کسی مضمون کو مکمل کرتے، یا کوئی نئی بات شروع کرنے کا ارادہ کرتے تو بے اختیار یہ کلمہ آپ کی زبان پر جاری ہو جاتا۔

"وہ آئے کب کے، گئے بھی کب کے، نظر میں اب بھی سما رہے ہیں"

آپ کی چال ڈھال، نشت وبرخاست اور رفتار و گفتار میں عالمانہ وقار اور خاص قرینہ نظر آتا تھا، آپ مسند پر جب فروکش ہوتے تو سامنے کتاب کی طرف کسی قدر جھک کر بیٹھتے، مائک والے کو ہدایت ہوتی کہ آواز بس اتنی رکھے جو دارالحدیث میں صاف سنائی دے، اس بارے میں اسے رہ رہ کر تنبیہ ہوتی رہتی، اس گھنٹے کی چوکسی اسے پورے دن کی ڈیوٹی پر بھاری تھی، دوران گفتگو سامنے مخاطب ہوتے، کسی قدر دائیں بائیں بھی متوجہ ہوتے، مگر پوری طرح چہرہ نہ اِدھر پھیرتے نہ اُدھر، بات کہتے ہوئے

ہاتھوں کے اشارے سے بھی مدد لیتے؛ مگر نہ اٹھاؤ پٹخ کرتے نہ زیروزبر ہوتے، بس سینے تک ہی ہاتھ اٹھایا کرتے تھے، تدریس وتقریر دونوں کا انداز یکساں تھا۔

دوران درس طلبہ یا تو گوش بر آواز ہو کر بدیدہ ودل آپ کی طرف متوجہ ہوتے، یا نظر نیچی کئے آپ کی تقریر قلم بند کرنے میں جٹے ہوتے، ہر طرف سکوت وسکون کی ایسی حکمرانی ہوتی کہ صریر خامہ صاف سنائی دیتی، اور ورق الٹنے کی آواز محسوس کی جاتی، دارالعلوم کی مسند حدیث کو یقینا بہت سے ایسے اکابر نے زینت بخشی ہے جو علم وتحقیق اور صلاح وتقوی کے میدان میں حضرت مفتی صاحب سے بہت فائق ہوئے ہیں؛ مگر جس اہتمام اور شوق سے طلبہ کی جتنی بڑی تعداد نے حضرت کے درسی افادات قلم بند کئے کسی اور کے نہ کئے گئے (گرچہ یہ بھی واقعہ ہے کہ اکابر کے دور میں طلبہ کی تعداد آج کے مقابلہ بہت ہی محدود تھی (

آپ کے یہاں ہر چیز کا ایک معیار تھا جس پر مضبوطی سے قائم رہتے، ہر کسی کو آپ کے یہاں عبارت خوانی کا شوق پورا کرنا ممکن نہ تھا، اس کے لیے سال کے شروع میں ایک جائزہ ہوتا، شوقین طلبہ درخواست دیتے، حضرت خود ان کا امتحان لیتے جس کو پاس کرتے اسی کو بس عبارت خوانی کی اجازت ہوتی، جب تک یہ مرحلہ طے نہ ہو جاتا عبارت بھی خود پڑھتے، شروع ہی میں یہ تاکید ہوتی کہ میرے دارالحدیث میں داخل ہونے کے بعد کوئی داخل نہ ہو، اس کا نتیجہ تھا کہ آپ کی تشریف آوری سے پہلے سبھی طلبہ موجود ہوتے، اتفاقیہ کوئی پچھڑ جاتا تو مفتی صاحب کی نظروں سے بچ بچا کر کسی گوشہ میں بیٹھتا یا پھر اوپر کی گیلری میں چلا جاتا، شخصیت کی مقناطیسیت تھی، حسن تدریس کا جادو تھا یا کوئی کرامت تھی کہ طلبہ پروانہ وار آپ پر نثار تھے، اور آپ کے آداب درس کو سعادت سمجھ کر بجالاتے، صدائے احتجاج بلند کرنا تو کجا، شکوہ سنج بھی کم ہی دیکھے گئے ہوں گے۔

آپ درس دے رہے ہوں، تقریر کر رہے یا عام مجالس میں گفتگو کر رہے ہوں انداز یکساں ہوتا، موقع عجلت کا ہو یا اطمینان کا گفتگو میں ہمیشہ اطمینان اور ٹھہراؤ ہوتا، بولنے کا ان کا اپنا لب ولہجہ تھا جو شاید ان کے علاقائی لب ولہجے سے متاثر تھا، اردو کے بہت سے الفاظ کے تلفظ کا بھی یہی حال تھا، ہم شمالی ہند کے لوگوں کی طرح وہ اردو نہیں بولتے تھے، آواز بھی کسی قدر پست تھی؛ مگر اسی لب ولہجے میں جب بولتے تھے تو علم کے موتی رولتے تھے، محبوبیت ایسی تھی سب کچھ بھاتا اور بھلا لگتا تھا۔

تدریس میں ان کا اپنا خاص نہج اور منفرد انداز تھا جو علامہ ابن رشد مالکی کی معرکہ الآراء تصنیف " بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد "اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی مسوی شرح موطا کے نہج سے ملتا جلتا اور اس کے قریب تر تھا، عام طور پر ہمارے مدارس میں ائمہ کے مذاہب پر طویل بحث ہوتی ہے، دلائل کے درمیان موازنہ ومحاکمہ کیا جاتا ہے، اور مذہب حنفی کی وجہ ترجیح بیان کی جاتی ہے، اس طریقے کی بنیاد حضرت گنگوہیؒ ونانوتویؒ سے ہوئی، شیخ الہند تک بات اختصار اور اشاروں تک محدود تھی، علامہ انور شاہ کشمیریؒ آئے تو انہوں نے اپنے وسیع مطالعہ، بے پناہ علم، اور بے مثال قوت حافظہ سے اس نہج کو زبردست ترقی دی، اور ان کے شاگردوں نے اس کو عام کیا اور پھیلایا، یہ نہج وقت کی ضرورت کے تحت سمجھ بوجھ کر اختیار کیا گیا تھا، ہندستان میں غیر مقلدین نے یہ پروپگنڈہ

زوروشور سے کرنا شروع کر دیا تھا کہ فقہ حنفی احادیث صحیحہ کے بجائے قیاس اور ضعیف احادیث پر قائم ہے ،اس بے حقیقت پروپیگنڈے کا صحیح جواب یہی تھا کہ تدریس وتحریر کے ذریعہ یہ بات اہل علم پر واشگاف کی جائے کہ فقہ حنفی بھی دیگر مذاہب متبوعہ کی طرح کتاب اللہ اور سنت صحیحہ پر قائم ہے ؛ چنانچہ اس نہج پر درس وتدریس کے فوائد بھی سامنے آئے (مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو نفحۃ العنبر اور نقش دوام ملاحظہ ہو)

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا موقف تھا کہ جب چاروں مذاہب بر حق ہیں تو دلائل میں موازنہ ومحاکمہ اور ترجیح کے قصوں کے دراز کرنے کی کوئی ضرورت نہیں،وہ ائمہ کے مذاہب اور ان کے مستدلات کو پیش کرتے ،ساتھ ہی یہ بھی واضح کرتے کہ یہ اختلاف نص فہمی کا ہے یا تعارض نصوص سے پیدا ہوا ہے، یہ بھی واضح کرتے کہ مسئلے کی اصل کتاب اللہ ہے یا سنت رسول اللہ، مثلاً ترمذی شریف میں جب ”مس المرأة “ کا مشہور مسئلہ زیر بحث آیا تو آپ نے فرمایا: یہ مسئلہ دراصل حدیث کا نہیں بلکہ قرآن کا ہے، پھر آپ نے ” او لامستم النساء الخ" آیت کریمہ تلاوت فرمائی، اور یہ بھی بتایا کہ اس مسئلے میں اختلاف نص فہمی کی وجہ سے پیدا ہوا ہے، جن لوگوں نے ” لامس“ کو اس حقیقی معنی میں رکھا انہوں نے ”مس“ کو ناقض وضو قرار دیا، اور جن لوگوں نے ”ملامسۃ“ کو جماع سے کنایہ سمجھا انہوں اس کو جنابت سے متعلق قرار دیا اور ” مس “ کو ناقض وضو نہیں سمجھا۔ نصوص سے فقہاء کے طرز استدلال کو حدیث کے درس میں زیر بحث لانے کا فائدہ بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا کرتے کہ جو مسائل فقہاء نے طے کر دئے ان میں تو اب اجتہاد کی ضرورت نہیں، لیکن جو نئے نئے مسائل پیش آتے رہتے ہیں ان میں اجتہاد کی ضرورت قیامت تک باقی رہے گی، جب آپ گذرے ہوئے مسائل میں فقہاء کے طرز استدلال سے واقف ہوں گے تو آئندہ اس میں پختگی پیدا کر کے آپ بھی اپنے دور کے مسائل اسی نہج پر حل کر سکیں گے ،اور اگر واقفیت ہی نہیں ہو گی تو آپ فقہی بصیرت سے محروم رہیں گے اور نت نئے مسائل کا حل پیش کرنے سے عاجز ہوں گے۔

درس حدیث میں اسناد اور روایت کے مقابل میں درایت کے پہلو پر زیادہ توجہ فرماتے تھے، مختلف فیہ مسائل میں اپنی رائے بھی رکھتے تھے ،اور اس کو بہت اہمیت اور قوت کے ساتھ پیش کرتے تھے ،بہت سے علمی مسائل میں آپ کی اپنی آراء اور تفرادات ہیں جو آپ کے درسی تقریر کے مجموعوں میں دیکھے جاسکتے ہیں، آپ کی بعض آراء اور تفردات آپ کی حیات ہی میں بحث کا موضوع بنے، سوال وجواب اور بحث ومباحثے ایک طویل سلسلہ رہا۔ ناچیز کے دل میں آپ کی عظمت ومحبت کے جو نقوش دور طالب علمی میں قائم ہوئے الحمد للہ وہ اب تک مدھم نہیں پڑے، آپ کے دروس سے خاص شغف رہا ہے، سبق میں حاضری کا اہتمام اللہ کے فضل سے ہمیشہ رہا، دورے میں یہ اہتمام مزید بڑھ گیا، شاذونادر ہی کسی سبق میں ناغہ ہوا؛ مگر کچھ گھنٹے ایسے تھے جس میں الحمد للہ کوئی ناغہ نہیں ہوا، ان میں ایک گھنٹہ حضرت مفتی صاحب کا بھی تھا؛ مگر بایں اہتمام وشغف حضرت کی آراء وتفرادات

سے زیادہ مناسبت نہ پیدا ہو سکی، آپ کی علمی آراء کے بارے میں مجھ جیسے کا کچھ اظہار خیال کرنا چھوٹا منہ بڑی بات معلوم ہوتی ہے؛اس لیے ان سے صرف نظر ہی بہتر ہے۔

آپ کا نمایاں امتیاز آپ کی عمدہ تفہیم اور مباحث کی تسہیل و تبسیط ہے، آپ گھول کر پلا دینے کے گُر سے واقف تھے، آپ کے سبق میں پیچیدہ مسائل کی گتھیاں سلجھتیں، اور سنگلاخ علمی مباحث پانی ہو جاتے، آپ کے اس انداز کو آپ کے سیکڑوں تلامذہ نے حسب ظرف واستعداد جذب کیا، اور کامیاب وباتوفیق مدرس بن گئے:

یہ بھی اعجاز ہے آپ کے نطق کا
بے زبانوں کو طرز کلام آ گیا

آپ کے اسی خوبی وکمال کا نتیجہ تھا کہ ذہین وزیرک بھی آپ کی باتوں کو سمجھتے، اور غبی وکند ذہن بھی، سبھی کے لیے آپ کے درس میں دلچسپی کا سامان موجود تھا، طلبہ تو خیر طلبہ ہیں، مدرسہ اور مدرسے کی کتابوں سے ناآشنا کوئی عام پڑھا لکھا آدمی بھی اگر آپ کے سبق میں شامل ہو جاتا تو وہ بھی مستفید ہوتا اور بے مزہ نہ رہتا، ایک مرتبہ گاؤں اور علاقے کے کچھ لوگ دارالعلوم کی زیارت کے لیے تشریف لائے، ان میں ایک دو کے علاوہ یا تو اسکول کے ماسٹر تھے یا تاجر، ان کی خواہش حدیث کے سبق میں شرکت ہوئی، میں ان کو مغرب کے بعد حضرت مفتی صاحب کے درس میں لے گیا، اتفاق سے اس دن ترمذی کے سبق میں اعتکاف کے مسائل زیر بحث تھے، ہمارے یہ زائرین دیندار لوگ تھے، ان میں سے بعض اعتکاف وغیرہ کا بھی اہتمام کرتے تھے، حضرت مفتی صاحب نے دیر تک اعتکاف ومعتکف کے مختلف مسائل بیان کئے، معتکف کے لیے غسل نظافت وتبرید کا مسئلہ آج کل کے ماحول میں اہمیت اختیار کر چکا ہے، مفتی صاحب نے اس پر بھی بتفصیل روشنی ڈالی، زائرین بہت محظوظ اور مستفید ہوئے، ایک صاحب تو کہنے لگے مولانا بہت اچھا پڑھاتے ہیں، اگر یہ کتاب اتنی آسان ہے تو ہم لوگ بھی پڑھ سکتے ہیں، غرض آپ کے سبق میں کس وناکس کوئی بھی محروم نہیں رہتا تھا:

وللأرض من کاس الکرام نصیب

بعض احادیث فکری ونظری کے بجائے عملی ہوتی ہیں، ایسی احادیث کی تشریح میں اگر علمی وفنی موشگافیوں کے بجائے عمل اور تجربہ پیش کیا جائے تو مضمون زیادہ دلنشین ہوتا ہے اور ساتھی ہی عمل کا داعیہ بھی پیدا ہوتا ہے، حضرت مفتی صاحب ایسی حدیث پر گفتگو کرتے ہوئے بہت سی دفعہ یہی دوسرا طریقہ اختیار کرتے، دوران درس کسی مناسبت سے رقیہ (جھاڑ پھونک) کا مسئلہ زیر بحث آیا تو حضرت نے فرمایا: ''کلمات میں اللہ نے اثر رکھا ہے، اللہ پر بھروسہ کرکے اگر ان کو پڑھ کر مریض کو دم کیا جائے تو فائدہ ہوتا ہے، تجربہ کرکے دیکھو! ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے'' پھر فرمایا: ''بارہا ایسا ہوا کہ میرے والد کو درد سر ہوا، میں نے احادیث میں وارد کلمات پڑھ کر دم کیا اور الحمدللہ تھوڑی ہی دیر میں افاقہ ہو گیا، ایک مرتبہ فون کیا، پتہ چلا والد صاحب کو سر میں تکلیف

ہے، میں نے ان سے کہا ریسور سر پر رکھئے، میں نے ادھر سے ریسور میں دم کیا اور الحمد للہ افاقہ ہوگیا۔ اس طرح کے بعض اور واقعات بھی ذہن میں ہیں مگر طوالت کا خوف دامن گیر ہے، اس طرح کی احادیث میں تجربہ پیش کرنے سے حدیث پر اعتماد بڑھتا تھا، اور عمل کا داعیہ بھی پیدا ہوتا تھا۔

آپ کی ایک بڑی خوبی یہ بھی تھی کہ اگر آپ مسلسل دو گھنٹے پڑھاتے، تو آواز انداز رفتار شروع آخر اور درمیان میں یکساں ہوتی، عام طور سے دورہ حدیث میں سال کے شروع میں طویل تقریریں ہوتی ہیں، پھر وقت کی کمی کے باعث سرداً وروایۃً کتاب پوری کرادی جاتی ہے؛ مگر حضرت اس معاملے میں بھی طاق تھے جو انداز اور رفتار شروع میں ہوتی وہی آخری سبق تک بحال رہتی، ہر ہر حدیث حسب ضرورت کلام فرماتے۔

آپ کو اردو بالخصوص مغربی یوپی میں بولے جانے والے محاورات اور کہاوتوں پر دسترس تھی، احادیث کے ترجمہ میں کبھی اردو کا کوئی مناسب محاورہ نقل کرتے تو طبیعت محظوظ ہوتی، مانعین زکاۃ کے خلاف خلیفہ الرسول حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی رائے جہاد کی تھی، جب کہ دیگر بہت سے صحابہ کی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جہاد میں تامل تھا، جس کا اظہار انہوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کیا، اس پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جو مومنانہ اور جوشیلے جملے ارشاد فرمائے ان میں ایک جملہ یہ بھی ہے "یا عمر! أجبار فی الجاهلية وخوار فی الإسلام" استاذ محترم نے اس کا ترجمہ فرمایا: "عمر! جاہلیت میں تو بڑے سورما تھے اسلام میں بھیگی بلی بن گئے؟؟" حضرت کے اس ترجمہ نے بہت محظوظ کیا، آپ کے درسی افادات میں اس کی مثالیں امید ہے جا بجا دیکھنے کو ملیں گی۔

حضرت عزم کے سچے اور دھن کے پکے تھے، جو ٹھان لیتے اس میں جٹ جاتے، اور کر گذرتے، آپ کی زندگی اور کارنامے اس کے شاہد اور گواہ ہیں، افتاء کرتے ہوئے حفظ قرآن کا شوق پیدا ہوگیا، تو افتاء کی مصروفیات کے ساتھ ساتھ چندماہ میں حفظ بھی کر ڈالا، معاشی حالات کچھ بہتر ہے تو بلا معاوضہ خدمت تدریس انجام دینے اور اب تک اس خدمت پر جو معاوضے میں جو کچھ لیا تھا اس کو واپس کرنے کا داعیہ پیدا ہوا، چنانچہ اللہ کے بھروسہ پر ٹھان لیا اور کر گذرے، حالاں کہ یہ عمل آسان ہرگز نہ تھا، اولوالعزمی کی یہ مثال اس دور میں مشکل سے ہی ملے گی، ہم طلبہ کو بھی نصیحت کی تھی کہ تنخواہ لے کر کام کرو، اور یہ نیت رکھو کہ اللہ دوسرے ذرائع پیدا کردے گا تو تنخواہ نہیں لیں گے، اور اگر ممکن ہوسکا تو لی ہوئی تنخواہ بھی واپس کردیں گے؛ مگر یہ فرہادی حوصلہ اور یہ آہنی ارادہ ہر کس وناکس میں کہاں، یقیناً یہ چیزیں مفتی صاحب کو بہت عظیم بناتی تھیں:

ایسا کہاں سے لائیں کہ تجھ سا کہیں جسے

آپ مضبوط جی گردے اور طاقتور شخصیت کے مالک تھے، جھینپنا اور مرعوب ہونا جانتے ہی نہیں تھے، اندرون دارالعلوم طلبہ واساتذہ کے مجمع کو خطاب کر رہے ہوں یا باہر کسی سیمینار یا اہل علم کے مجمع سے مخاطب ہوں، لہجے میں وہی ٹھہراؤ اور اطمینان

ہوتا اور گفتگو کا وہی رنگ وآہنگ ہوتا جس سے وہ جانے اور پہچانے جاتے تھے، ایسا نہیں ہوتا تھا کہ مجمع سے متاثر ہوجائیں، اور انداز گفتگو میں فرق آجائے، جو موقف رکھتے مضبوطی سے پیش کرتے اور اس قائم رہتے۔

آپ مقبولیت اور محبوبیت کی جس بلندی پر تھے وہاں پہنچ کر خواہی نہ خواہی آدمی کے اسفار نیز پروگراموں اور جلسوں میں شرکت کا سلسلہ دراز ہوجاتا ہے، یہ آدمی کی مجبوری بھی ہوتی ہے اور لوگوں کی ضرورت بھی، بلکہ دیکھا جائے تو یہ ایک دینی ضرورت بھی ہے؛ مگر اس مرحلے میں پہنچ کر اعتدال پر قائم رہنا مشکل ہوجاتا ہے، عموماً ہوتا یہ ہے کہ بیرونی پروگراموں کی کثرت کی وجہ سے اسباق کا حرج اور طلبہ کا نقصان ہوتا ہے؛ مگر مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا معاملہ اس سلسلے میں بالکل مختلف تھا، آپ کے نزدیک درس کو ہمیشہ اولیت اور اہمیت حاصل رہی، دوران تعلیم سفر سے مکمل پرہیز کرتے اور یکسو ہوکر پڑھنے لکھنے اور پڑھانے میں لگے رہتے، سفر کرنا ہوتا تو چھٹیوں کے ایام میں کرتے، عوامی جلسوں اور پروگراموں سے خود بھی پرہیز کرتے اور پڑھنے لکھنے کا ذوق رکھنے والے طلبہ کو بھی اسی تاکید کرتے، فرماتے کہ عوامی جلسوں کی نذر ہوکر آدمی علم کے مطلب کا نہیں رہتا، مفتی صاحب کا یہ معمول جہاں ان کے علم دوست ہونے کا ثبوت ہے وہیں طلبہ کے تئیں ان کی خیر خواہی اور امانت داری کی بھی دلیل ہے۔ اور بلاشبہ ہم شاگردوں کے لیے ایک بہترین مشعل راہ بھی۔

آپ کی بڑی خوبی وقت کی حفاظت اور اس کی قدردانی تھی، آپ اپنے اوقات کا ایک ایک لمحہ وصول کرتے، ہروقت علمی مشاغل میں لگے رہتے؛ آپ کے یہاں مجلس آرائی، لایعنی مشاغل، حد یہ ہے کہ جائز تفریحات کا بھی کوئی خانہ نہ تھا، عیادت وتعزیت کے لیے علاوہ عام طور پر کسی کے یہاں آتے جاتے نہیں تھے، دوتین مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ ناچیز چھتہ مسجد کے قریب واقع افریقی منزل (جس میں اساتذہ کی رہائش گاہیں ہیں) سے گذر رہا تھا، کہ حضرت پر نظر پڑی، دیکھا حضرت دارالعلوم کی طرف تیز گامی سے جارہے ہیں یا واپس ہورہے ہیں اور ہاتھ میں کوئی کتابچہ ہے جس کا مطالعہ بھی جاری ہے، میری حیرت کی انتہاء نہ رہی کہ اس مصروف راستے میں تیز گامی سے چلنا اور پھر مطالعہ بھی کرتے رہنا کیوں کر ممکن ہوا، اور اگر ساتھ میں دیوبند کے رکشہ چلانے والوں کی ہٹو بچو اور طوفانی چال کو بھی ذہن میں رکھ لیا جائے تو استعجاب اور سوا ہوجاتا ہے۔ اسی طرح عصر بعد آپ کی مجلس میں جب پہلی بار حاضری ہوئی تو خیال تھا کہ حضرت طلبہ کو کچھ نصیحت فرماتے ہوں گے، مگر جب وہاں پہنچا تو قصہ بالکل مختلف تھا، ایک طالب سر میں تیل کی مالش کررہا تھا، اور حضرت کسی کتاب کے مطالعہ میں مصروف، حاضرین میں کسی نے کچھ پوچھا تو مطالعہ جاری رکھتے ہوئے جواب دے دیا اور پھر وہی خاموشی، وقت کی اس طرح قدردانی ہی کا نتیجہ تھا کہ آپ ترقی کے اس بام عروج پر پہنچے میں کامیاب ہوئے۔

آپ حصول علم کی راہ میں مشقت اٹھانے کے عادی اور سخت کوش واقع ہوئے تھے، اور اپنے شاگردوں کو بھی اسی طرح دیکھنا چاہتے تھے، فرماتے تھے کہ دینی پیشوائی اللہ کے وعدوں پر یقین اور دین کی راہ میں قربانی اور مشقتوں پر صبر کئے بغیر نہیں

ملتی ،اوراپنی بات کی تائید میں یہ آیت کریمہ پیش کرتے:''وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ''(السجدۃ:24)''اور ہم نے ان(بنی اسرائیل) میں سے کچھ لوگوں کو، جب انہوں نے صبر کیا، ایسا پیشوا بنایا جو ہمارے حکم سے لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے،اوروہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔''

علمی مشاغل میں اس درجہ اشتغال کا ایک ناخوشگوار نتیجہ بساوقت یہ سامنے آتا ہے کہ آدمی کی معاشرت کمزور پڑ جاتی ہے، لوگوں کے حقوق کا لحاظ نہیں ہو پاتا؛ مگر مفتی صاحب کا یہ پہلو بھی تشنہ نہیں تھا،اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت پر جس طرح انہوں نے توجہ دی اس کی تفصیل آپ کے برادر خورد استاذ محترم حضرت مفتی امین صاحب دامت برکاتہم کے قلم سے ممدوح محترم کی زندگی میں منظر عام پر آچکی ہے، ایک دو واقعہ اور پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں جو دوران درس حضرت سے سنے۔ فرمایا:''میں اپنے گھر کی تعمیر کرا رہا تھا، کہ ایک پڑوسی نے مجھ سے کہا حضرت!میری طرف دیوار میں ایک طاق اگر نکلوادیں تو مہربانی ہوگی، وہ میرے چراغ رکھنے کے کام آئے گا، میں نے کہا کہ بہتر ہے، اور مستری کو کہہ کر پڑھانے چلا آیا، واپس آیا تو دیوار اونچی ہوگئی تھی، اور طاق نہیں نکلا تھا، میں نے مستری سے وجہ پوچھی، تو اس نے کہا مولانا صاحب آپ سمجھتے نہیں ہیں، اگر آپ اس طرف طاق نکلوادیں گے تو کل کو اُسے آدھی دیوار پر دعوے کا حق ہو جائے گا؛لہٰذا طاق نکالنے میں آپ کا نقصان ہے، میں نے کہا بھائی تمہاری خیر خواہی کا شکریہ، مگر تم نکال دو، اور میں نے اپنے بچوں سے کہہ دیا کہ اگر یہ پڑوسی کبھی دیوار پر دعوی کردے تو آدھی دیوار اسے دے دینا۔

اسی طرح ایک مرتبہ دوارن سبق وہ معروف حدیث کسی مناسبت سے زیر بحث آئی جس میں ہے ''إذا طبختَ مرقةً فأكثِر ماءها، وتعاهَد جِيرانك'' (کہ جب (گوشت کا) شوربا پکاؤ تو پانی بڑھالو، اور اپنے پڑوسیوں کا بھی خیال رکھو'' آپ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ اچار بنانے کے لیے گھر میں بڑے برتن کی ضرورت ہوئی، پڑوسی کے گھر سے منگایا گیا، جب برتن واپس کرنے کی باری آئی تو میں نے کہا اس برتن میں اچار رکھ کر واپس کرو، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب اچار بنانے کا موسم آتا ہے تو وہ پڑوسی صاحب پوچھنے لگتے ہیں کہ برتن کب بھیجوں؟

اک دھوپ تھی جو ساتھ گئی آفتاب کے

آپ قناعت پسندی، سادگی، خودداری، وضع داری، عزت نفس، عالمانہ وقار، علم کے ساتھ عمل کی دولت سے نہ صرف مالا مال تھے؛ بلکہ ہم ایسوں کے لیے مثال بھی تھے، حرص وطمع اور تعلقات سازی کے فن سے ناآشنا تھے، ان باتوں پر بھی دو چار سطر لکھنے کا ارادہ تھا مگر خوف طوالت مانع ہے۔

حضرت سے سنہ 23و1424 ہجری مطابق 2003 میں دورہ حدیث کے سال جامع ترمذی اور امام طحاوی کی شرح معانی الآثار پڑھنے کی سعادت ملی، دورہ کے بعد مزید پانچ سال اور کل سات سال دارالعلوم میں رہنا ہوا، اس دوران حضرت کے بہت سے خطابات کو سننے اور ان سے مستفید ہونے کا موقع ملا جس پر ناچیز اللہ تعالی کا بے حد شکر گزار ہے، میرے تدریب فی الافتاء کے سال

حضرت کو بخاری شریف کی جلد اول کی تدریس سونپی گئی ، چنانچہ ناچیز جناب مفتی فخر الاسلام صاحب نائب مفتی دارالعلوم زید مجد ہم کے ہمراہ آپ کے پہلے درس بخاری میں شریک ہوا، حضرت نے سبق شروع میں فرمایا:" جس نے بخاری میں تین باتیں پڑھیں اس نے بخاری پڑھی ورنہ اس نے بخاری نہیں حدیث بخاری پڑھی،(1) فرمایا: امام بخاری خود مجتہد ہیں وہ اپنا موقف اور علمی آراء ابواب کے تراجم کی شکل میں پیش کرتے ہیں؛ چنانچہ کہا گیاہے کہ" فقه البخاری فی تراجمه " لہذا بخاری پڑھنے میں پہلا کام تراجم میں پیش کردہ بخاری کی آراء اور مجتہدات کو سمجھناہے ،(2) امام بخاری ادنی ادنی مناسب سے تراجم کے تحت احادیث نقل کرتے ہیں، بخاری پڑھنے اور پڑھانے میں دوسرا اہم کام تراجم اور اس کے تحت نقل کی گئی احادیث میں مناسبت اور جوڑ کو سمجھناہے ، یہ موضوع بخاری کے حوالے سے اہم اور ارباب فن کی جولان گاہ رہاہے۔(3) تیسری بات جو حضرت نے فرمائی وہ ذہن میں نہیں رہی ، شاید مفتی فخر الاسلام صاحب کو یاد ہو، یا آپ کے درسی افادات میں موجود ہو۔ فرمایا: اگر آپ نے ان تینوں باتوں کی رعایت کے ساتھ بخاری پڑھی تو بخاری پڑھی ،ورنہ اس کی احادیث پڑھیں۔

اس مقالے میں حضرت کی شخصیت اور ان کارناموں کا پیش کرنا مقصود نہیں ہے ، ان باتوں کے لیے تو مبسوط مقالہ درکارہے ،سناہے کہ آپ کی حیات ہی میں اس پر کام شروع ہوچکاہے، ان سطور میں تو بس اپنی تسلی کے لیے مفتی صاحب سے وابستہ اپنے مشاہدات وتاثرات کو پیش کرناہے، اب اگر اس حکایت میں دوسروں کو بھی اپنے مشاہدات وتاثرات کی جھلک مل جائے تو یہ میرے لیے خوشی اور سعادت کی بات ہوگی، کچھ اور باتیں بھی پیش کرنے کا ارادہ تھا؛ مگر مضمون کی طوالت دیکھتے ہوئے ترک کرنا پڑا، امید ہے کہ جو باتیں رہ گئیں ہیں وہ بھی دوسروں کے مضامین یا آپ کے سوانحی خاکے یا افادات میں آگئی ہوں گی یا آجائیں گی۔

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے

اللہ تعالی حضرت الاستاذ کی حسنات وخدمات کو شرف قبولیت بخشے ،زلات کو معاف فرمائیں، مقام قرب میں جگہ عطا فرمائے، اور دارالعلوم کو آپ کا نعم البدل عطا فرما کر آپ کے خلا کو جلد پر فرمائے، اللهم لا تحرمنا اجره، ولا تفتنا بعده، واغفرلنا و له، واجعنا معه فی جنات النعیم یارب العالمین، آمین

یاد سے تیری دلِ درد آشنا معمور ہے

احمد نور عینی خادم تدریس: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد

یہ دنیا فانی ہے، رب ذوالجلال کے سوا ہر ایک کو فنا آشنا ہونا ہے، كُلُّ مَنۡ عَلَيۡهَا فَانٍ وَيَبۡقَىٰ وَجۡهُ رَبِّكَ ذُو الۡجَلٰلِ وَالۡاِكۡرَامِ (الرحمن: 26، 27)، كُلُّ شَيۡءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجۡهَهُ (القصص: 88)، یہاں حیات سرمدی کسی کے نصیب میں نہیں، وَمَا جَعَلۡنَا لِبَشَرٍ مِنۡ قَبۡلِكَ الۡخُلۡدَ أَفَإِنۡ مِتَّ فَهُمُ الۡخَالِدُونَ (الانبیاء: 34)، كُلُّ نَفۡسٍ ذَائِقَةُ الۡمَوۡتِ (آل عمران: 185)، یہاں آنے والا ہر شخص جانے کے لیے آتا ہے؛ مگر ہر جانے والے کا جانا ایک جیسا نہیں رہتا:

موت اس کی ہے کرے جس کا زمانہ افسوس

یوں تو دنیا میں سبھی آتے ہیں مرنے کے لیے

ہر جانے والا جاتے جاتے اپنے جانے کا غم دے جاتا ہے، دلوں کے طاقچوں میں رنج وملال کی قندیل جلا جاتا ہے، جو جانے والا جتنے زیادہ دلوں کے طاقچوں میں غم کی قندیل اور یادوں کے چراغ رکھ جاتا ہے وہ اتنا ہی عظیم اور ہردل عزیز ہوتا ہے، حضرت الاستاذ شیخ الحدیث مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری رحمہ اللہ تعالی ان عظیم اور ہردل عزیز بندگان خدا میں سے تھے جن کے جانے کے غم میں نہ جانے کتنی آنکھیں اشک بار اور کتنے دل سوگوار ہیں:

ویراں ہے میکدہ ، خم وساغر اداس ہیں

تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

حضرت الاستاذ کی زندگی بھی قابل رشک تھی اور موت بھی قابل رشک ہے، رمضان المبارک کے مقدس مہینے میں داعی اجل کی دعوت پر لبیک کہا، ہمیں خدا کی ذات سے پوری امید ہے کہ کہنے والے نے کہا ہوگا : يَا أَيَّتُهَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّةُ ارۡجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَرۡضِيَّةً (الفجر: 27، 28)،حضرت الاستاذ اب اس جہاں میں نہیں رہے، مگر ان کی یادوں کی قندیل ہمارے دلوں میں سدا ضوفشانی کرتی رہے گی۔

جانے والے کبھی نہیں آتے

جانے والوں کی یاد آتی ہے

حضرت الاستاذ شیخ الحدیث ضرور تھے؛ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ صرف حدیث اور علوم حدیث کے ہی ماہر تھے، حضرت مختلف الجہات صلاحیتوں اور مختلف علوم وفنون کی مہارتوں کے حامل تھے، حضرت کی تصنیفات پر ایک نظر ڈالنے سے اندازہ ہوگا کہ حضرت کی شخصیت کتنی عبقری تھی، تفسیر میں ہدایت القرآن، اصول تفسیر میں الفوز

الکبیر کی تعریب اور اس کی عربی شرح العون الکبیر، اصول حدیث میں نخبہ کی اردو شرح تحفۃ الدرر، مقدمۂ مسلم کی اردو شرح فیض المنعم، شروح حدیث میں بخاری کی اردو شرح تحفۃ القاری، ترمذی کی اردو شرح تحفۃ الالمعی، شرح معانی الآثار کی عربی تلخیص زبدۃ الطحاوی، اصول افتا میں شرح عقود رسم المفتی کی شرح آپ فتوی کیسے دیں، اسرار شریعت میں حجۃ اللہ البالغۃ کی شرح رحمۃ اللہ الواسعۃ، منطق میں آسان منطق، تہذیب المنطق کی شرح مفتاح التہذیب، فلسفہ میں مبادئ الفلسفہ اور اس کی اردو شرح معین الفلسفہ، اسماء رجال میں المغنی کی عربی شرح تہذیب المغنی، نحو میں آسان نحو اور صرف میں آسان صرف وغیرہ ، یہ تو درسیات سے متعلق تصنیفات ہیں، اس کے علاوہ درسیات سے خارج اور کئی کتابیں ہیں۔ حضرت کو انگریزی زبان سے بھی کافی حد تک واقفیت تھی، دوران درس الفاظ کے معنی کبھی انگریزی زبان میں بھی بتاتے تھے، ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ایک انگریز سیاح دار العلوم وزٹ کرنے کے لیے آیا، دار الحدیث میں آکر اپنے مخصوص کیمرے سے ویڈیو بنانے لگا، حضرت نے اسے اردو میں ٹوکا تو وہ سمجھ نہیں پایا، حضرت نے اسے قریب بلا کر انگریزی میں سمجھایا، مجھے اس وقت انگریزی نہیں آتی تھی اس لیے حضرت کی بات میں سمجھ نہیں سکا؛ مگر اس سیاح کے سمجھ میں آگئی اور وہ معذرت خواہانہ مسکراہٹ کے ساتھ دار الحدیث سے باہر چلا گیا۔

حضرت کی پوری زندگی جہدِ مسلسل سے عبارت ہے، حضرت حافظ قرآن بھی تھے ؛ مگر آپ نے حفظ کسی مدرسے یا مکتب میں بیٹھ کر نہیں کیا؛ بل کہ افتا کرتے ہوئے خود سے حفظ کیا، یقین محکم، عزم مصمم اور عمل پیہم ہو تو انسان اپنے مقصد میں کامیاب ہوتا ہے، افتا کرنے والے طلبہ جانتے ہیں کہ افتا کرتے ہوئے حفظ کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے، مگر حضرت نے اپنے وقت کی حفاظت کرکے حافظ بننے کی اپنی خواہش پوری کی۔ درس وتدریس، تصنیف وتالیف، تحقیق وتعلیق، مطالعہ وکتب بینی حضرت کا اخیر تک معمول رہا، حضرت اپنے شاگردوں کو بھی مسلسل لکھنے پڑھنے میں مصروف رہنے کی تلقین فرماتے تھے، آخری درس میں اپنا دل نکال کر رکھ دیتے تھے، حضرت فرماتے کہ فاضل اور فارغ کے الفاظ دھوکے کے سوا کچھ نہیں ہیں، ابھی تو تمھیں پڑھنے کی شد بد پیدا ہوئی ہے، مدرسہ نے تمھیں علم حاصل کرنے کا راستہ دکھایا ہے، یہاں سے جانے کے بعد تم دس بیس سال تک مسلسل مطالعہ وکتب بینی اور درس وتدریس میں لگے رہوگے تب جاکر تمھیں محسوس ہوگا کہ اب علم آرہا ہے۔

حضرت کا ایک نمایاں وصف شہرت ودولت سے دوری اور استغنا وبے نیازی ہے، آج جب کہ شہرت ودولت ہی مقصد زندگی بن گیا ہے، الا ماشاءاللہ، اور اسٹیج کی 'ہوس' نے ایک بڑی خلقت کے خلوص پر ڈاکہ ڈال رکھا ہے ایسے زمانے میں اپنے آپ کو حب شہرت وحب دولت سے دور رکھنا خود اپنے آپ میں ایک بہت بڑی کرامت ہے،

حضرت کو یہ کرامت حاصل تھی، حضرت کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ بلا تن خواہ خدمت انجام دیتے تھے اور یہ بات بھی ہم نے سنی ہے کہ حضرت نے ماضی کی لی ہوئی تن خواہیں بھی حساب کرکے دار العلوم کو واپس کردیں، یہ ایک بہت بڑی قربانی ہے، اور ساتھ ہی ساتھ خلوص وللّٰہیت کی دلیل بھی۔ حضرت کا عام معمول تھا کہ ایام درس کے دوران کہیں کا سفر نہیں فرماتے تھے، استثنائی صورتیں ہوسکتی ہیں؛ لیکن عام معمول یہی تھا، ہم نے ایک سے زائد مرتبہ حضرت کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میرے پاس مستقل دعوت نامے آتے رہتے ہیں؛ لیکن میں تم لوگوں کی وجہ سے سفر نہیں کرتا؛ کیوں کہ تم لوگ ہم اساتذہ کی وجہ سے یہاں آتے ہو، حالاں کہ اسفار کرنے میں ہمارا دوہرا فائدہ ہے، ایک یہ کہ شہرت ہوتی ہے، آو بھگت ہوتی ہے، دوسرے یہ کہ لفافے ملتے ہیں اور ہدیے تحائف ملتے ہیں؛ مگر اس کے باوجود میں اس لیے اسفار نہیں کرتا کہ کہیں تمہارا نقصان نہ ہوجائے۔ حضرت الاستاذ کے یہ جملے بہ ظاہر بہت معمولی لگ رہے ہوں مگر یہ جملے اس بات کا پتہ دیتے ہیں کہ حضرت ان اسلاف کی یادگار تھے جو قوم کی نسلوں کو بنانے کے لیے اپنے دنیاوی فائدے کو تیاگ دیتے ہیں۔

حضرت نزاعی مسائل سے اپنے آپ کو دور رکھتے تھے، تقسیم دار العلوم کے قضیۂ نامرضیہ میں حضرت کی کیا پوزیشن تھی میں اس بابت کچھ یقین سے نہیں کہہ سکتا؛ کیوں کہ اس وقت عالمِ وجودِ عدم نما میں میرا وجود نہیں تھا؛ البتہ جمعیت کے اختلاف کے وقت میں دیوبند میں ہی تھا، حضرت الاستاذ ان معدودے چند اساتذہ میں سے ایک تھے جو عملا بالکل غیر جانبدار تھے، اختلاف کے انہی ایام میں جب کہ دونوں جمعیتوں کی طرف سے اجلاس عام منعقد کیے جارہے تھے، ایک دن دلی میں کسی ایک جمعیت کی طرف سے اجلاس عام تھا، اس اجلاس کا اثر دار العلوم پر بھی پڑا اور درس گاہوں میں مغرب بعد والے گھنٹے نہیں ہوئے، مگر حضرت الاستاذ حسب ضابطہ تشریف لائے اور حسب معمول عشا تک درس دیا، اسی دن کچھ شر پسند لڑکوں نے جمعیت کے جھگڑے کو لے کر موقع پا کر قریب نصف شب کو فساد وانتشار برپا کیا اور صورت حال قابو سے باہر ہوگئی، حضرت کو اس کی اطلاع ملی تو آدھی رات گذر جانے کے باوجود حضرت گھر سے مدرسہ پیدل تشریف لائے اور دار الحدیث میں طلبہ کو جمع کرکے بہت پیار سے سمجھایا، تب کہیں جاکر حالات قابو میں آئے ورنہ تو شر پسندوں نے ایسی اودھم مچارکھی تھی کہ پولیس کو طلب کئے بغیر حالات کا قابو میں آنا مشکل تھا۔

آج ہماری قوم اکابر پرستی اور اکابر بیزاری کی دو انتہاؤں پر ہے، حضرت ان دونوں انتہاؤں کے بیچ اعتدال کی راہ پر گامزن تھے، وہ اکابر کا پورا احترام کرتے تھے اور عقائد کے باب میں خاص کر اپنے اکابر کی تشریحات پر اعتماد کرتے تھے، مگر اکابر کے ہر قول وفعل کو آنکھ بند کرکے تسلیم کرنے کے قائل نہ تھے، انھیں جو بات یا جو عمل غلط

لگتا اس پر تنقید کرتے، جماعت اسلامی کے بارے میں ان کی سخت گیری تو مشہور ہے ہی؛ مگر انھوں نے تبلیغی جماعت پر اور خود دار العلوم پر بھی تنقیدیں کیں، مزار قاسمی میں لگے ہوئے کتبے پر وہ ہر سال درس میں تنقید کرتے تھے، دیوبندیت کے بارے میں فرماتے تھے کہ مجھ سے حضرت مولانا منظور نعمانیؒ نے فرمایا تھا کہ بریلویت اور دیوبندیت کے درمیان صرف ایک بالشت کا فرق رہ گیا ہے، پھر فرماتے کہ اب یہ ایک بالشت کا فرق بھی ختم ہوگیا ہے۔تبلیغی جماعت میں فی سبیل اللہ کے مفہوم کو جو عام کردیا گیا ہے اس پر تنقید کرتے ہوئے فرماتے کہ یہ شریعت میں معنوی تحریف ہے۔مدارس کے مروجہ نصاب پر تنقید کرتے ہوئے کہتے تھے کہ اس نصاب میں سب سے مظلوم کتاب خدا کا کلام یعنی قرآن ہے، اس نصاب میں نحو وصرف کی تو ایک ایک درجن کتابیں ہیں مگر قرآن سمجھنے کے لیے صرف ایک کتاب ہے اور وہ جلالین جو قرآن کا عربی ترجمہ ہے، حضرت کہتے تھے کہ میں یہ باتیں کہتے کہتے تھک گیا ہوں؛ لیکن کوئی نہیں سنتا، تفسیر کا جو نظام درس ہے اس پر بھی حضرت کو اطمینان نہیں تھا، حضرت فرماتے تھے کہ تفسیر کا درس اس طرح ہونا چاہیے کہ استاذ کے سامنے صرف قرآن کا متن ہو، وہ تفسیر کی مراجع کی کتابیں مطالعہ کرکے آئے اور قرآن سامنے رکھ کر اپنے مطالعہ کی روشنی میں درس دے، حضرت فرماتے تھے کہ یہ جو طریقہ رائج ہے کہ نصاب میں تفسیر ابن کثیر رکھ دی، قرطبی رکھ دی، روح المعانی رکھ دی ، یہ طریقہ صحیح نہیں ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ میں بخاری پڑھانے کے بجائے فتح الباری پڑھاؤں کہ پورا وقت فتح الباری کی عبارت حل کرنے میں چلا جائے گا۔دورۂ حدیث کے نصاب کے بارے میں حضرت کی رائے تھی کہ فہم حدیث کا دورانیہ ایک سال کے بجائے دوسال ہونا چاہیے، دوسرے یہ کہ بحث کے لیے حدیث کی ہر کتاب سے ابواب مختص ہونے چاہئیں، تاکہ تکرار نہ ہو اور وقت کا ضیاع نہ ہو، یعنی کتاب الطہارت کو مثلا ابوداود سے لے لیا جائے، کتاب الصلاۃ کو مثلا ترمذی سے لے لیا جائے وغیرہ، ایسا نہ ہو کہ بخاری پڑھانے والا بھی کتاب الطہارت پر بحث کررہا ہو، ترمذی پڑھانے والا بھی کتاب الطہارت پر بحث کررہا ہو اور ابوداود پڑھانے والا بھی کتاب الطہارت پر بحث کر رہا ہو، جیسا کہ اکثر مدرسوں کا حال ہے۔

حضرت ایک بے باک محقق تھے، ان کی تحقیق انھیں جس نتیجہ تک پہنچاتی اسے اختیار کرتے اور پھر اس پر جم جاتے، انھیں نہ کسی کی ملامت کی پروا ہوتی اور نہ کسی کو خوش کرنے کی خواہش، ہم یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ ان کا تحقیقی مزاج اپنے اندر ایک طرح کی سختی لیے ہوئے تھا ؛ مگر حاشا وکلا ہم ان کی نیک نیتی پر شبہ نہیں کرسکتے۔ان کے مزاج میں تصلب تھا، ان کی رائے میں پختگی تھی، وہ دونوں ہاتھ میں لڈو لینے کے شوقین نہیں تھے، وہ جسے ناجائز سمجھتے اس کے ناجائز ہونے کا برملا اظہار کرتے ، خواہ ان کے اس اظہار کی زد میں خود ان کا ادارہ آرہا ہو،

تصویر کشی اور ویڈیو گرافی کو وہ ناجائز سمجھتے تھے اور خود بھی اس پر سختی سے عمل کرتے تھے، دار العلوم کے احاطہ میں جب دہشت گردی مخالف کانفرنس کا انعقاد عمل میں لایا گیا تو اس میں پریس والوں کو بھی بلایا گیا، پریس والوں نے پوری کانفرنس کی ویڈیو گرافی کی، دوسرے دن جب حضرت درس گاہ میں آئے تو کافی غصہ میں تھے، حضرت نے فرمایا کہ یا تو دار العلوم کا دار الافتاء تصویر کی حرمت کا فتوی دینا بند کرے یا دار العلوم تصویر کشی یا ویڈیو گرافی کا عمل بند کرے، ہمیں حضرت الاستاذ کی رائے سے اختلاف ہوسکتا ہے؛ لیکن کہنے کا مقصد یہ ہے کہ حضرت اپنا موقف رکھنے میں نہ کسی کی ملامت کی پروا کرتے تھے اور نہ کسی کو خوش رکھنے کی فکر، نیز حضرت کے قول وعمل میں کوئی تضاد نہیں تھا، وہ جسے ناجائز سمجھتے تھے عملا اس سے دور رہتے تھے، ایسا نہیں کہ فتوی تو ناجائز کا دے رہے ہوں اور مصلحتا اس عمل کو کر بھی رہے ہوں۔ حضرت کی تحقیقات کا مطالعہ کرنے والے کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ حضرت رسم ورواج، بدعات وخرافات اور ظاہری شان وشوکت کے کافی خلاف رہتے تھے، اس سلسلہ میں اس قدر احتیاط برت تھے کہ بسا اوقات مسئلہ کی نوعیت کچھ اور ہوجاتی تھی اور جو شخص حضرت کے اس مزاج سے ناواقف رہتا تھا تو وہ سمجھ نہیں پاتا تھا اور بدگمان ہونے کا امکان بھی پیدا ہوجاتا تھا۔

حضرت سے ہم نے (2007۔2008 کی پیچ نے) تین کتابیں پڑھی ہیں: ترمذی شریف اول، طحاوی شریف، بخاری شریف اول، بخاری کو میں نے اخیر میں اس لیے ذکر کیا کہ اصلا یہ کتاب حضرت مولانا نصیر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق تھی؛ مگر آپؒ کی طبیعت مسلسل ناساز ہونے کی وجہ سے تقریبا نصف تعلیمی سال کے آس پاس یہ کتاب حضرت پالنپوریؒ کو دی گئی، اس طرح ہماری پیچ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ ہم نے حضرت الاستاذ سے ایک ہی سال میں حدیث کی تین اہم کتابیں پڑھیں، بخاری شریف کے لیے میقات اولی کا آخری گھنٹہ مقرر تھا، حضرت گھنٹہ ختم ہونے کے بعد بھی ایک گھنٹہ پڑھاتے تھے، یعنی تقریبا دو گھنٹے مسلسل درس دیتے تھے، ترمذی شریف کے لیے میقات ثانی کا آخری گھنٹہ مقرر تھا، حضرت عصر کی نماز تک پڑھاتے تھے، طحاوی شریف کا درس حضرت مغرب کے بعد عشا تک دیتے تھے، حضرت کے مکان کی دوری دار الحدیث سے تخمینا لگ بھگ نصف کیلو میٹر ہوگی، حضرت پیدل ہی تشریف لاتے تھے، ادھر چند سالوں سے رکشہ پر جانے لگے تھے، گویا روزانہ تین مرتبہ اتنی لمبی مسافت پیدل طے کرکے آتے تھے، حضرت پان کھاتے ہوئے آتے ، احاطہ مولسری کے نل کے پاس آکر کلی کرتے ، پھر درس گاہ میں تشریف لاتے، حضرت کو کبھی پان منہ میں رکھ کر درس دیتے ہوئے نہیں دیکھا، درس گاہ آنے کے بعد اگر طلبہ کی تعداد کم نظر آتی یا طلبہ بے ہنگم ادھر ادھر بیٹھے نظر آتے تو حضرت درس گاہ کے دروازے سے واپس گھر کی طرف لوٹ جاتے، حضرت کا 'روٹھنا' بہت مشہور تھا، سال میں ایک دو مرتبہ ضرور روٹھتے

تھے، اخیر کے سالوں میں کیا صورت حال رہی نہیں معلوم، حضرت کا یہ روٹھنا طلبہ کے لیے بہت پریشان کن ہوتا تھا، طلبہ کو ایک تو اس بات کا افسوس ہوتا کہ ہم نے حضرت کو ناراض کردیا دوسرے اس بات کا ٹینشن رہتا کہ حضرت اب آئیں گے یا نہیں ، آئیں گے تو پہلے کی طرح دل لگا کر پڑھائیں گے یا نہیں ، نئے طلبہ خاص کر کچھ زیادہ پریشان ہوجاتے تھے، پرانے طلبہ ان کو دلاسا دیتے کہ حضرت کا یہ محبت بھرا روٹھنا ہر سال ہوتا ہے، حضرت پھر آئیں گے اور پہلے کی طرح پڑھائیں گے، ہمارے سال بھی حضرت ایک مرتبہ روٹھے تھے، طلبہ کی تعداد معمول سے کچھ کم تھی تو حضرت دروازے سے ہی واپس ہوگئے، ہمارے ترجمان مولانا عبد الرزاق قاسمی نے یہ اعلان کیا کہ حضرت کو منانے کے لیے سارے طلبہ حضرت کے مکان کی طرف چلیں؛ چناں چہ کئی سو طلبہ حضرت کے گھر پہنچے، اتنی بڑی تعداد تھی کہ ایسا لگ رہا تھا کہ عید کی نماز پڑھنے عیدگاہ جارہے ہوں، ترجمان کے ساتھ چند ساتھی اندر گئے، حضرت اس شرط پر راضی ہوئے کہ آئندہ سے تم لوگ ایسی حرکت نہیں کروگے، محبوب استاذ اور بے پایاں محبت کرنے والے شاگردوں کے درمیان روٹھنے کے اس رشتہ میں محبت کا جو لطف ہے اسے ہر کوئی نہیں سمجھ سکتا۔

حضرت ایک ماہر اور کامیاب مدرس تھے، حضرت کا درس کافی مقبول تھا، مشکل سے مشکل بات کو بہت آسانی سے مرتب انداز میں ذہن نشین کردیا کرتے تھے، حضرت کا منہج تدریس یہ تھا کہ پہلے ترجمۃ الباب یا باب کا عنوان سمجھاتے اور اس کے مشمولات کی طرف مختصرا اشارہ فرماتے، پھر طالب علم باب کا عنوان پڑھتا، پھر سند پر کچھ کلام کرنا ہوتا تو حضرت کلام کرتے ورنہ طالب علم ترجمۃ الباب کے بعد سند بھی پڑھتا، سند کے جس راوی پر کلام کرنا ہوتا عام طور پر اس راوی کے نام سے پہلے عبارت خواں کو روکتے، حضرت کا مزاج سند پر باریک اور پیچیدہ بحثیں کرنے کا نہیں تھا، حضرت سند سے زیادہ متن کی تشریح پر زور دیتے تھے، سند کی عبارت خوانی ہوجانے کے بعد طالب علم رک جاتا، اب حضرت متن کی تشفی بخش شرح فرماتے، اگر اس کا تعلق کسی فقہی مسئلہ سے ہوتا تو صورت مسئلہ بتاکر حکم مسئلہ کی وضاحت فرماتے، ائمہ کا اختلاف بھی ذکر کرتے، اختلاف نص فہمی کی وجہ سے ہوا ہے یا دلائل کے تعارض کی وجہ سے اس کی نشاندہی کرتے، اگر دلائل کا ختلاف ہوتا تو متن کس کا مستدل ہے واضح کرتے، اگر احناف کا نہیں ہے تو دو باتوں کی وضاحت فرماتے : ایک یہ کہ احناف کا مستدل کیا ہے؟ دوسری یہ کہ احناف نے اسے مستدل کیوں نہیں بنایا؟اور اگر نص فہمی کا اختلاف ہوتا تو دو باتوں کی وضاحت فرماتے: ایک یہ کہ اس سے ہر امام نے اور خاص احناف نے کیا سمجھا؟ دوسری بات یہ کہ احناف نے ایسا کیوں سمجھا؟ اختلاف ائمہ کا ذکر کرتے ہوئے ادب الاختلاف کی پوری رعایت کرتے، ہر امام کا نام پورے احترام کے ساتھ لیتے، طنزیہ انداز کے بجائے معروضی انداز اختیار کرتے، عام طور سے فقہ کی اختلافی بحثیں اس انداز سے کی جاتی ہیں کہ دوسرے مسلک والے

کے جذبات کو ٹھیس پہنچ ہی جاتی ہے، مگر حضرت الاستاذ پوری بحث اس انداز سے کرتے کہ کسی دوسرے مسلک والے کو تکلیف نہ پہنچے، حضرت فرماتے بھی تھے کہ میری جماعت میں شافعی مسلک کے شاگرد بھی رہتے ہیں، میں ان کے جذبات کو ٹھیس پہنچانا نہیں چاہتا۔ جن مسائل میں غیر مقلدین احناف کو حدیث مخالف باور کراتے ہیں ، ان مسائل پر سیر حاصل بحث کرتے، فکری مسائل پر خاص کر وہ مسائل جن پر مغرب کو اعتراض ہے تشفی بخش کلام کرتے، متن کی تشریح ہوجانے کے بعد عبارت خواں اس متن کی عبارت پڑھتا، متن میں کوئی لفظ وضاحت طلب ہوتا تو عبارت خواں عبارت پڑھتے ہوئے جب اس لفظ کے پاس آتا تب اس لفظ کی توضیح کرتے، متن کے شروع میں ہی اس لفظ کو نہ چھیڑتے، درس کی اخیر حدیث تک بل کہ کتاب کی اخیر حدیث تک یہی منہج برقرار رہتا، حضرت کا منہج اُس منہج سے مختلف تھا جو مدارس میں عام طور سے رائج ہے، رائج منہج میں پہلے طالب علم عبارت پڑھتا ہے اور پھر استاذ تشریح کرتے ہیں، جب کہ حضرت الاستاذ پہلے تشریح کرتے پھر طالب علم عبارت پڑھتا، حضرت نے یہی منہج اپنی تمام شروحات میں بھی اختیار کیا ہے، اس منہج کی خصوصیت یہ ہے کہ طالب علم پہلے پوری بات سمجھ لیتا ہے پھر عبارت پڑھتا ہے، بات سمجھنے کے بعد عبارت پڑھنا عبارت فہمی میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔عام طور سے درس نظامی کی دورہ حدیث کے بارے میں یہ تاثر ہے کہ وہاں عبارت خوانی زیادہ ہوتی ہے، حدیث پر کلام بہت کم ہوتا ہے اور سال کے آخری ایام میں تو کلام تقریبا ہوتا ہی نہیں، یہ تاثر کتنا صحیح ہے بتانے کی ضرورت نہیں ہے؛ مگر جہاں تک حضرت الاستاذ کے درس کی بات ہے تو یہ تاثر سراسر غلط ہے، حضرت الاستاذ کوئی بھی حدیث تشنۂ تشریح نہیں چھوڑتے، سال کا آغاز ہو یا اختتام، حضرت کے درس کا انداز یکساں ہوتا، نیز حضرت عبارت خوانی کی رفتار میں میانہ روی کو پسند فرماتے، تیز رفتاری کی قطعا اجازت نہیں دیتے۔

دیوبند کے زمانۂ طالب علمی میں ایک مرتبہ میں اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ حضرت کے دولت کدہ پر عصر کی بعد کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا، حضرت کے کوئی مہمان بھی وہاں تشریف فرما تھے، حضرت نے دوران گفتگو کسی بات پر بہادر شاہ ظفر کی طرف منسوب یہ شعر پڑھا:

عمر دراز مانگ کے لائے تھے چار دن
دو آرزو میں کٹ گئے دو انتظار میں

پھر حضرت نے ظریفانہ انداز میں ہنستے ہوئے فرمایا کہ اور دراز مانگ لیتے ، چار ہی دن کیوں مانگے؟ حضرت نے یہ تبصرہ کچھ اس انداز سے فرمایا کہ محفل زعفران زار بن گئی؛ مگر اس وقت کسی کے دل میں یہ خیال نہ آیا ہوگا کہ جب حضرت اپنی عمر طبیعی مکمل کرکے داغ مفارقت دیں گے تو ہر شخص سنجیدگی سے تمنا کر رہا ہوگا کہ اے کاش

حضرت کی عمر کچھ اور دراز ہوتی تاکہ امت اور خاص کر تشنہ گان علوم نبوت ان سے مزید استفادہ کرپاتے۔ مگر ذرہ ذرہ دہر کا زندانی تقدیر ہے، فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ (النحل: 61)۔

خدائے تعالی حضرت کی قبر کو نور سے بھر دے، حضرت کو جنت الفردوس میں اعلی مقام نصیب فرمائے، پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے:

مثلِ ایوانِ سحَر مرقد فرُوزاں ہو ترا
نُور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا

❒❖❒

عالم اسلام ایک گوہر نایاب سے محروم

ابو معاویہ محمد معین الدین ندوی قاسمی، خادم التدریس، جامعہ نعمانیہ، ویکوٹہ، آندھرا پردیش

شہر استبداد کے دیوار و در ڈھاتا رہا

گم شدہ اسلاف کی تصویر دکھلاتا رہا

ان کے کمالات و محاسن میں جواب اس کا نہیں

اس قبیلے میں کوئی بھی ہم رکاب اس کا نہیں

آج بتاریخ 25، رمضان المبارک 1441ھ / مطابق 19 مئی 2020 بروز منگل بوقت چاشت عالم اسلام کے عالمی دینی درسگاہ مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے صرف شیخ الحدیث وصدرالمدرسین، یا برصغیر کے ایک چوٹی کے عالم دین ہی نہیں بلکہ عالم اسلام کے عبقری شخصیت، قدوۃ المفسرین، زبدۃ العارفین، رئیس المحدثین، استاذالاساتذہ، عالم ربانی، علماء سلف کے سچے پیروکار، ان کی سیرت کا بہترین نمونہ، غیرت و حمیت اسلامی کا علمبردار، مجسمہ علم و عمل، اصول و ضوابط کی پاسداری میں یکتائے زمن، اخلاص وللّٰہیت اور خشیت ایزدی کا پیکر، شارح بخاری وترمذی، علوم ولی اللہی کے سچے جانشین، موسیٰ ع وہارون ع کے ایک عمدہ نمونہ، مردم شناس و مردم ساز، مربی جلیل، ہزاروں کے سائبان شفقت، لایخافون لومۃ لائم کا خوگر، بھاری اعمال ناموں والی شخصیت، ترجمان اہلسنت والجماعت، جامع الکمالات والمحاسن، میرے بخاری شریف کے چھ اساتذۂ کرام میں سب سے محبوب استاذ، استاذ محترم حضرت اقدس مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری قدس سرہٗ اپنے پیچھے ہزارہا علماء، صلحاء اور طلباء کو روتے بلکتے چھوڑ کر اس فانی دنیا سے عالم عقبیٰ کی طرف روانہ ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، ان اللہ ما اخذ ولہ ما اعطی و کل شئ عندہ باجل مسمی.

حضرت قدس سرہٗ کا سانحہ اس قدر شاق وسنگین ہے کہ اپنی نوعیت میں صرف ایک حادثہ نہیں بلکہ اس کے ضمن میں صدہا سانحات مضمر ہیں۔

لیس علی اللہ بمستنکر

ان یجمع العالم فی واحد

شورش کاشمیری مرحوم نے یہ اشعار شاید ایسے ہی موقعہ کے لئے کہا تھا۔

عجب قیامت کا حادثہ ہے اشک ہے آستیں نہیں ہے

زمین کی رونق چلی گئی ہے، افق پہ مہر مبیں نہیں ہے

تیرے جدائی سے مرنے والے وہ کون ہے جو حزیں نہیں ہے

مگر تری مرگ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے

اتر گئے منزلوں کے چہرے، امیر کیا، کارواں گیا ہے

مگر تری مرگ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے

اللہ تعالی کا آپ پر بے حساب اور بے کراں رحمتیں نازل ہوں، رب ذوالجلال آپ کی جملہ حسنات کو قبول فرمائے، اور قبر میں کروٹ کروٹ راحت وسکون نصیب فرماتے ہوئے آپ کو جنت الفردوس کا مکیں بنائے۔ اللھم اغفر له، وارحمه، وعافه، واعف عنه، وارفع درجاته فی اعلی الجنات، اللھم لا تحرمنا اجره، ولا تفتنا بعده، آمین یارب العالمین

قافلہ علم وعمل کا ایک اور درخشاں ستارہ غروب

معدن علم وبصیرت ،فقیہ النفس، محدث کبیر دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوریؒ اپنے مالک حقیقی کی آغوش رحمت میں

محمد طفیل ندوی جنرل سکیٹری !امام الہند فائونڈیشن ممبئی

رنج وغم زندگی کا حصہ ہے ہر خوشی کے بعد غم ہے،حیات ممات کا پیش خیمہ ہے،نور کے بعد ظلمت ، ظلمت کے بعد روشنی ،خوشیوں کیساتھ آنسواورآنسو کیساتھ خوشی ومسرت کے قہقہے یہی توزندگی ہے اوراسی زندگی کے خاتمہ کانام ’’ موت‘‘ ہے یہ بات مسلم ہے کہ یہ دنیا چل چلائو کانام ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ دوام اور قرار تو صرف اللہ رب العزت کو حاصل ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ اللہ رب العزت کی ذات مقدس کے سواہر چیز پر فنائیت طاری ہوگی جس کے بارے میں قرآن مقدس کے اندرارشادہے’’کل نفس ذائقۃ الموت‘‘ لیکن کیاکیجئے انسانی طبیعت کا کہ اسے جب بھی کوئی تکلیف پہونچتی ہے تواس کادل روتاہے یہ جاننے کے باوجود کہ سفر کتناہی آرام دہ کیوں نہ ہو اس کی ایک منزل یقینی ہے اس یقین کے باوجود کہ جس شخص نے خدائی اسٹیشن سے جہاں اور جتنے کا ٹکٹ حاصل کیاہے اس منزل کے آتے ہی ٹکٹ اپنی حیثیت کھودیتاہے مگر دوران سفر بعض مسافر اپنے کرداروعمل سے ایسی چھاپ اوراپنی شخصیت کاایسا اثر چھوڑجاتے ہیں کہ ان کی جدائی سے دل کو کرب کااحساس ہوتاہے لیکن وفور محبت میں کوئی بھی مسافر ایسانہیں ہوتاجو خلیق وملنسار اورنیک طینت مسافر کیساتھ اپنے سفر اوراپنی منزل کے آنے سے پہلے اترجائے ہر شخص کو اپنی زندگی کی آخری سانس تک جیناہے اور ہر کسی کو اپنی منزل تک پہونچ کر سواری سے اترناہے لیکن خداجانے ان آنکھوں کو کرب وبلا کے کتنے مناظر دیکھنے مقدر ہیں افکاوحوادث کے کتنے سین دیکھ چکی لیکن زندگی میں جب بھی کوئی ایسالمحہ آیاکہ جب کسی برگزیدہ شخصیت نے اپنابوریہ بستر لپیٹا،دنیااوردنیاوی چیزوں سے رخ موڑاتواحساس زیاں کی چنگاریوں نے نہاں خانہ دل کو بے چین وبے کل کردیا معدن علم وبصیرت ، تعلیم وتربیت کانگہبان ،فقہ اسلامی کاشناور، تحقیق وتصنیف کامہر منیر، شعوروآگہی کاپیکر جمیل ،رئیس المحدثین حضرت مولانامفتی سعیداحمد صاحب پالنپوریؒ نے اپنی عمر طبعی گذار کر تقریبا۷۸سال کی عمر میں ۲۵رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۹مئی ۲۰۲۰ءبروزمنگل صبح کے اولین ساعتوں میں‌اس دارفانی سے ہمیشہ ہمیش کیلئے آنکھیں موندلیں ’’انااللہ واناالیہ راجعون ‘‘

اے فرشتہ اجل!کیاخوب تیری پسند ہے

پھول تونے وہ چناجوگلشن کوویران کرگیا

حقیقت یہ ہے کہ بعض آفاقی شخصیات ایسی ہوتی ہیں،جوچرخ کے ہزاروں گردشوں کے بعد جنم لیتی ہیں اور چشم فلک جن کا صدیوں اورسالوں انتظار کرتی ہیں وقت قدم قدم پررک کراور سنبھل کرایسے افراد کوبناتاہے،سنوارتاہے اور تراشتاہے تب کہیں

جا کر ایک گوہر نایاب اور مرد کامل جنم لیتا ہے، بلاشبہ حضرت مفتی صاحبؒ ایسی ہی عالمی شخصیات میں سے تھے وہ بیک وقت فقیہ بھی تھے اور محدث کبیر بھی، بے مثال خطیب بھی تھے اور شیریں گفتار عالم دین بھی بلکہ یوں کہیے کہ وہ ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے اللہ رب العزت حضرتؒ کے تمام نیک کاموں کو قبول فرمائیں، روح کو سکون واطمینان بخشیں اور جنت الفردوس کی بہاروں سے پوری طرح سرفراز فرمائیں۔

آتی ہی رہے گی تیرے انفاس کی خوشبو
گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

حضرت مفتی صاحبؒ کی ولادت باسعادت ۱۹۴۰ء کالیڑہ، شمالی گجرات (پالنپور) میں ہوئی ابتدائی تعلیم اپنے وطن گجرات میں حاصل کی جب آپ کی عمر تقریباً ۵ یا ۶ سال کی تھی تو والد محترم نے آپ کی تعلیم کا آغاز فرمایا لیکن والد محترم کھیتی وغیرہ کے کاموں میں مصروف رہتے جس کی وجہ سے خاطر خواہ توجہ نہ دے سکیں اسلئے آپ کو مکتب میں بٹھادیا جہاں ناظرہ ودینیات کی تعلیم حاصل کی پھر اپنے ماموحضرت مولانا عبدالرحمن صاحب شیرا کے ہمراہ دارالعلوم چھاپی چلے گئے جہاں فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں اس کے بعد مصلح امت حضرت مولانا نذیر میاں صاحبؒ پالنپورکے مدرسہ میں جو پالنپور شہر میں واقع ہے داخلہ لیا اور چار سال تک حضرت مولانا مفتی محمد اکبر میاں صاحب پالنپوریؒ اور حضرت مولانا ہاشم صاحب بخاریؒ سے عربی کی ابتدائی اور متوسط کتابیں پڑھیں پھر ۱۳۷۷ھ میں مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لے کر حضرت مولانا صدیق احمد صاحب جمویؒ سے نحو، منطق وفلسفہ کی بیشتر کتابیں پڑھیں نیز حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب رائے پوریؒ حضرت مولانا یحیٰ صاحب سہارنپوریؒ اور حضرت مولانا وقار صاحب بجنوریؒ سے بھی چند کتابیں پڑھیں بعد ازاں ۱۳۸۰ھ مطابق ۱۹۶۰ء میں فقہ، حدیث، تفسیر و دیگر علوم وفنون کی اعلی تعلیم حاصل کرنے کیلئے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور سال اول حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب بلند شہریؒ سے تفسیر جلالین مع فوزالکبیر حضرت مولانا سید اختر حسین صاحب دیوبندیؒ سے ہدایہ اولین وغیرہ پڑھیں ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۹۶۲ء میں دورہ حدیث شریف سے سالانہ امتحان میں امتیازی نمبرات سے کامیاب ہو کر فارغ ہوئے مزید تعلیم کیلئے شعبہ افتاء میں داخل ہوئے اور فتاوی نویسی کی تربیت حاصل کی جس کے بعد آپ کے فقہی ذوق میں چار چاند لگ گئے جن حضرات اکابر کے سامنے زانوے تلمذ طے فرمایا ان میں حضرت مولانا سید اختر حسین صاحب دیوبندیؒ، حضرت عبدالجلیل صاحب کیرانویؒ، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، حضرت مولانا فخر الحسن صاحب مرادآبادیؒ، حضرت مولانا ابراہیم صاحب بلیلاویؒ، حضرت مولانا اسلام الحق صاحب اعظمیؒ، شیخ محمود عبدالوہاب صاحب مصریؒ ودیگر اساتذہ کرام قابل ذکر ہیں۔

تکمیل افتاء کے بعد ۱۳۸۴ھ میں حضرت علامہ ابراہیم صاحب بلیلاویؒ کے توسط سے آپ کا تقرر دارالعلوم اشرفیہ راندیر سورت میں درجات علیا کے استاد کی حیثیت سے ہوا یہاں تقریباً دس سال تدریسی خدمات انجام دیتے رہے پھر دارالعلوم کی

مجلس شوری کے معزز رکن حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحبؒ کی تجویز پر ۱۳۹۳ھ میں دار العلوم دیوبند کے مسند درس و تدریس کیلئے آپ کا انتخاب کیا گیا آپ مختلف علوم و فنون کی کتابیں پڑھانے کیساتھ برسوں ترمذی شریف جلد اول اور طحاوی شریف کے اسباق آپ سے متعلق رہیں، دار العلوم دیوبند کے شیخ الحدیث و صدر المدرسین حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحبؒ کی علالت کے بعد ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۰۰۸ءمیں بخاری شریف کا درس آپ کے سپرد کیا گیا اور شیخ الحدیث کے منصب جلیلہ پر فائز ہوئے جس کو آخری وقت تک بحسن خوبی انجام دیتے رہے اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ مختلف اسلامی علوم کے بحر بیکراں تھے لیکن علم حدیث و فقہ میں تدریس کا جو سلیقہ اور اس فن پر جو مہارت آپ کو خزانہ قدرت سے ودیعت ہوئی تھی بہت کم خادم حدیث کی خدمت میں آئی ہوگی بہت خوبصورتی کیساتھ جامع اور مختصر انداز میں حدیث کا مفہوم سمجھا کر طلباء کو مطمئن کر دینا آپ کیلئے کوئی بڑی بات نہیں تھی اللہ نے آپ کو وہ صلاحیت عطا کی تھی جس سے اپنے افکار و خیالات کو طلباء تک منتقل کر دینے کی پوری مہارت تامہ حاصل تھی اور دوران درس بڑی خوبی اور اعتمادی کیساتھ حال و مستقبل کا آئینہ دکھا کر تعلیم و تربیت کے ایسے اشارے فرماتے کہ طلباء کے ذہن و دماغ پر نقش ہو جاتا جس سے ان کا دل بے حد مسرور ہو جایا کرتا اور چہرے پر بشاشت ٹپکنے لگتی کیوں کہ آپ کا اسلوب تدریس بڑا ہی دلکش اور دلکو بھا جانیوالا ہوا کرتا تھا آپ بولتے تو یوں لگتا جیسے آبشار بہہ رہے ہوں تلفظ کی ادائیگی میں خوبصورتی، عام فہم باتوں میں معلومات کا سمندر، کسل مندی پر بر محل ڈانٹ ڈپٹ آپ کی نمایاں خصوصیات میں سے تھیں۔

جس کے کردار سے آتی ہو صداقت کی خوشبو
ان کی تدریس سے پتھر بھی پگھل سکتے ہیں

آپؒ نے نہایت جفاکش اور سادہ طبیعت پائی تھی کھانا لباس اور سواری ہر ایک میں سادگی ملحوظ رہتی تھی، عام محفلوں میں بیٹھنا اور اضاعت وقت کرنا آپ کی طبیعت کے بالکل خلاف تھا حضرت کی طبیعت میں درس و تدریس کیساتھ تصنیف و تالیف کا بڑا امادہ تھا گویا آپ اس میدان کے بھی بہترین شہسوار تھے اسلئے آپ کے نوک قلم سے کئی کتابیں منظر عام پر آئیں خاص طور پر درسی کتابوں کی شروحات جو علمی مواد اور تحقیقی بنیاد پر علمی حلقوں میں خوب پذیرائی حاصل کی اسی طرح حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ”امداد الفتاوی“ پر آپ نے گراں قدر حاشیہ بھی تحریر فرمایا آپ بچپن ہی سے نہایت ذہین و فطین ،کتب بینی، اور محنت کے عادی تھے اپنی ذکاوت و ذہانت کی وجہ سے مختلف علوم و فنون اور خاص طور پر فقہ اور حدیث میں ممتاز جانے جاتے تھے، فقہی سیمیناروں میں آپ کی رائے کو بڑی اہمیت دی جاتی تھی، فقہی باریکیوں کی طرف اشارہ فرماتے اور آپ کے مقالے کو بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا آپ کی علمی خدمات کو سراہتے ہوئے صدر جمہوریہ ہند شرمتی پرتبھا پاٹل کے ہاتھوں آپ کو قیمتی ایوارڈ کے ذریعے نوازا گیا۔

حضرت عرصہ دراز سے علیل چل رہے تھے لیکن ضعف علالت کے باوجود اپنی غیر معمولی ہمت اور قوت ایمانی سے کام لے کر اپنے آپ کو متحرک اور فعال بنائے رکھتے تھے مگر صحت کے انحطاط کو دیکھتے ہوئے یہ خطرہ لگا ہوا تھا کہ یہ ٹمٹماتا ہوا چراغ کسی بھی وقت داغ مفارقت دے سکتا ہے جسکی چند جھلکیاں وقتا فوقتا محسوس ہوتی رہی ابھی حالیہ ختم بخاری شریف کے وقت اپنی گفتگو سے قبل زورزور سے دہاڑے مار کر رونے لگے اپنے استاد کو یوں دیکھ کر طلباء اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکیں اور یوں پورے دارالحدیث میں رونے کا سماں بندھ گیا ہر شخص آبدیدہ ہو گیا چند منٹوں بعد حضرت کو پانی دیا گیا جس کے بعد کچھ بولنے کی کوشش کی تو ایسا لگا جیسے الفاظ غائب ہو گئے ہوں، کئی مرتبہ بولنے کی کوشش کی مگر نہ بول سکے لیکن حضرت کی زبان سے جو جملہ نکلا وہ تھا "اب جو اللہ چاہے گا وہ ہو گا" یہ جملہ تین مرتبہ فرمایا اور مسند سے نیچے اتر گئے طلباء کیلئے یہ منظر عجیب تھا تمام طلباء حضرتؒ کے احترام میں کھڑے ہو گئے اور حضرتؒ ہاتھ ہلاتے ہوئے طلباء کو سلام کر کے رخصت ہو گئے اور یہ شائد دارالعلوم کی تاریخ میں پہلی مرتبہ بغیر دعا کے مجلس اختتام پذیر ہو گئی ۔حضرتؒ زمانے سے شوگر کے مریض تھے اور سن وسال کیساتھ ساتھ کے بعد دیگرے بڑھتے گئے ابھی چند سالوں سے مختلف امراض نے مزید بال و پر نکال لئے تھے وقفہ وقفہ سے حضرتؒ پر مرض کا شدید حملہ ہوتا رہا اور طرح طرح کی پیچیدگیاں اور نئے نئے عوارض نمودار ہوتے گئے مرض نے طول پکڑا تو ایمر جینسی وارڈ کے خصوصی دیکھ ریکھ والے کمرے میں رکھا گیا خویش واقارب، خدام اور احباب ومتعلقین نے دیکھ ریکھ میں کوئی کسر نہ چھوڑی ہر طرح کی کوششیں کی لیکن۔

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

بالآخر یہ حادثہ فاجعہ ایسے وقت میں پیش آ گیا جس وقت پوری دنیا قید وبند میں ہیں اسلئے حضرت کے احباب ومتعلقین، مریدین اور تلامذہ کو نہ عیادت کرنے کا موقع ملا اور نہ ہی جنازے میں شرکت کا حضرتؒ بغرض علاج شہر ممبئی میں مقیم تھے ملاڈ کے سنجیونی ہاسپٹل میں صبر آزما علالت کے بعد آخری سانس لے کر اپنے رب حقیقی سے جا ملے اور عقیدتمندوں نے اپنی نم آنکھوں کیساتھ جوگیشوری ممبئی اوشیوارہ قبرستان میں آغوش لحد کر دیا۔اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرتؒ اسلاف کے اس قافلے سے تعلق رکھتے تھے جن کی زندگیاں قوم وملک ،دین وملت کی ہمہ وقت خدمت کیلئے وقف تو تھی ہی مگر اسی کیساتھ وقت کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں روشنی کا مینارہ بھی بنی ہوئی تھیں لیکن ہم سب کو معلوم ہے کہ موت سے کسی کو رستگاری نہیں۔

کریں کیا اپنی ہستی کا یقیں ہم

ابھی سب کچھ ابھی کچھ بھی نہیں ہم

آگے پیچھے سب کو جانا ہے اس جہان فانی میں جو بھی آیا وہ اپنی متعینہ بہاریں دیکھ کر جہان باقی کی طرف رخصت ہو گیا اسلئے کہ آنیوالوں کی آخری منزل قبر ہے۔

دنیا کے اے مسافر منزل تیری قبر ہے

یقیناً حضرت مفتی صاحبؒ ہم سب سے جدا ہو گئے مگر حضرت کی خدمات کا نقش جمیل ناقابل فراموش ہیں گوناگوں اس فتنے کے دور میں ان خدا رسیدہ بزرگوں کا نفس وجود بھی امت کیلئے مجسم رحمت ہوتا ہے اور نہ جانے کتنے فتنوں کیلئے آڑ بنا رہتا ہے اسلئے حضرت کی وفات پوری امت کا ایسا خسارہ ہے جس کی تکمیل مشکل سے ہو سکتی ہے اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ اللہ حضرت کے درجات کو بلند فرمائیں ،تمام احباب و متعلقین کو صبر جمیل عطا فرما کر امت مسلمہ کو حضرت کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین

وہ جانثارِ علم شریعت نہیں رہا

وصی اللہ قاسمی سدھارتھ نگری

الفاظ کی دنیا میں لکھنے، پڑھنے اور کہنے کے لیے تو یہ چند حروف سے مرکب ایک نام ہے؛ لیکن معانی کی دنیا میں "بحرِ علوم کا ماہر شناور، بیش قیمت ہیرہ ،نکات ومفاہیم سے پُر خزینہ صدف، تحقیق وتفہیم کا آفتابِ ضوفشاں" سے تشریح کیجیے تو شاید شخصیت کا ایک گونہ صحیح تعارف ہوسکے.

لیکن اب یہ روشن آفتاب، غروب ہوگیا، وہ دنیا سے اس طرح رخصت ہوا کہ متعلقین ومعتقدین کے اوسان گُم ہوگئے، کسی نے سوچا بھی نہ تھا کہ اس ناگہانی اور ناقابلِ یقین حادثے کی گزند اس طرح سہنی پڑے گی، زندگی بھر علومِ شریعت کا درس دینے والا انسان جاتے جاتے بھی درس دینا نہ بھولا، پر اس مرتبہ کسی کتاب کا بیانی درس نہ تھا، کوئی علمی اشکال بھی نہیں، اور نہ ہی کوئی فقہی مسئلہ ، اس دفعہ درس تھا آخرت کا، دنیا کی حقیقت کا، وہ بھی عملی طور پر، کہ :

یہ دنیا کھیل ہے اور کھیل بھی ہے چند لمحوں کا
نظر جوکچھ بھی آتا ہے اسے خوابِ گراں سمجھو

درس بھی عبرت سے بھرپور، نصیحتوں کا ایک جہان لیے ہوئے، زندگی بھر جس ذخیرہ حدیث کی زبان سے تشریح کی، آج اُسی ذخیرہ سے چُن کر ایک حدیث کی بے زبانی تشریح کی، حدیث کچھ یوں ہے : "إن الله لا يقبض العلم انتزاعًا ينتزعه من العباد، ولكن يقبض العلم بقبض العلماء"

یقیناً آپ نے سمجھادیا کہ دنیا سے علم کیسے رخصت ہوتا ہے ؟ اور بہت خوب سمجھایا کہ عالِم کی موت صرف عالَم کی موت نہیں؛ بلکہ عِلم کی بھی موت ہے، اور علم کی موت تیرگی ہی ساتھ لاتی ہے، چنانچہ :

تا بہ امکانِ نظر ہے تیرگی چھائی ہوئی
تیرگی اور تیرگی بھی موت کی چھائی

آپ اپنی ساری خصوصیات سمیٹے عالمِ ایں سے عالمِ آں کی سمت کوچ کرگئے، عالمِ فنا کو چھوڑ عالمِ دوام کو اپنا مسکن بنالیا، مسکراتے ہوئے ہنستی مسکراتی دنیا کے باسی بن گئے، کیونکہ دعائے نبوی "نضر الله إمرأ سمع مني مقالتي فحفظها ووعاها وأداها كما سمع" کے آپ بجا طور پر مستحق ہیں؛ پر یہاں نہ جانے کتنے ایسے ہیں جو ماہئ بے آب

کے مانند تڑپ رہے ہیں، رو رہے ہیں ، بلک رہے ہیں، یہاں فرزانوں کی ایک دنیا ہے جن کے ہاتھوں میں اب نہ شمع ہے، نہ اس کے ملنے کے آثار، ان کی زبانوں پر بار بار یہ سوال آتا ہے :

کیا ہوا اے وقت! سناٹا ہے کیوں چھایا ہوا؟

زمزمہ کیوں رک گیا ہے، تابہ لب آیا ہوا؟

جبکہ آنکھوں کا حال اور سوال یہ ہے کہ :

حسرتِ نظارہ بن کر آنکھ وقفِ جوش ہے

کس کی رخصت ہے یہ ہم سے،کون یوں روپوش ہے؟

اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ دنیا بھر میں پھیلے معتقدین ومستفیدین کے علاوہ ہزاروں کی تعداد میں تو صرف وہ طلبہ ہیں جنھوں نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا، اور اب وہ آپ سے سیکھے ہوئے نقوش کو رہنما بنائے ہوئے عملی میدان میں ہیں، انہوں نے زندگی کی نہ جانے کتنی الجھی ہوئی گتھیاں لمحوں میں اس طرح سلجھتے ہوئے دیکھا اور سنا جس کی کوئی نظیر نہیں،نہ جانے کتنے علمی اعتراضات واشکالات کا حل آپ کی زبان سے اس انداز میں سنا جیسے یہ ابتدائی درجات کے معمولی مسائل ہوں، آپ اُنہیں سادہ، سہل اور انتہائی پروقار زبان میں تفہیم کے وہ گُر سکھاگئے جو کسی اور در پہ نہیں ملتے.........اور آج یہ ساری چیزیں خواب بن گئیں نتیجتاً وہ بزبانِ حال وقال یوں شکوہ کناں ہیں :

رہنما بن کر حدِ منزل پہ لے جائے گا کون؟

بے کسانِ راہ بتلاؤ کہ کام آئے گا کون؟

اور

ہم گمرہانِ شوق کسے دیکھنے چلیں؟

کس راستے میں نقشِ قدم دیکھنے چلیں؟

یہ سب ایک طرف اور دارالعلوم دیوبند کا درد وغم ایک طرف جہاں قدرت نے علم وفن کی وہ فضا میسر کی جس نے آپ کو زندہ جاوید بنادیا، دنیا کے کونے کونے میں آپ کا نام گونجا، دلنشیں آواز پہنچی، دارالعلوم کے مسندِ حدیث کی حالتِ زار اس پر مستزاد، جس مسند پر بیٹھ کر "اصح الکتب بعد کتاب اللہ" کی وہ تشریح کی کہ آج وہ 12/ ضخیم جلدوں میں قارئین کے لیے ایک تحفہ کی شکل میں منظر عام پر ہے، اسی مسند پر بیٹھ کر ترمذی شریف کا وہ محدثانہ درس بھی دیا کہ 8/ جلدوں میں اس کی تقریر زیرکوں کی زیرکی میں اضافہ کررہی ہے، یہ تو خاص مسندِ

حدیث کی بات تھی، اس کے علاوہ تقریباً نصف صدی تک پورا دارالعلوم آپ کے علمی زمزموں سے ایسا گونجا ہے کہ سننے والوں کے کان حیرت میں ہیں، ان کا سوال ہے کہ :

زمزموں سے جس کے لذت گیر اب تک گوش ہے

کیا وہ آواز اب ہمیشہ کے لیے خاموش ہے؟

یہ الگ بات ہے کہ دارالعلوم دیوبند میں آپ اپنی اس طویل بے لوث خدمت کے متعلق برملا یہ کہنے کا حق رکھتے ہیں :

رنگیں ہے ہم سے قصہ مہروفا کہ ہم

اپنی وفا کا رنگ ترے رخ پہ مَل گئے

آپ کی قلمی و تصنیفی خدمات ہوں یا تقریری وبیانی، ایسا نہیں کہ صرف دارالعلوم دیوبند یا ہندوستان تک ہی اس کے فیوض محدود ہوں؛ بلکہ قدرت نے سات سمندر پار تک کے افراد کو ان سے محظوظ کیا، احادیث کا درس دیا، بیانات اور تقریریں کیں، ملحدین کے جوابات دیے، انہیں قرآن وسنت کے حقیقی مقام سے آشنا کیا، ان کے سامنے اسلام کا صحیح اور سچا تعارف پیش کیا، فریضہ دعوت وتبلیغ سے کبھی کنارہ کش نہ ہوئے،

تیرے لیے تھے مشرق ومغرب بچھے ہوئے

اے نافہ بہار، دل وجاں لیے ہوئے

قدرت نے علوم کا وافر حصہ، علوم کو پیش کرنے کا سلیقہ وانداز، اور استحضار وفطانت اتنی فیاضی کے ساتھ آپ کو عطا کئے تھے کہ جہاں تشریف لے گئے وہیں علم کے جلوے بکھیر دیے، طبیعت کی ناسازی کے عالم میں دیا گیا آپ کی زندگی کا آخری بیان سوشل میڈیا پر خواب وائرل ہوا اور ہورہا ہے، آپ فرماتے ہیں " میرے ایک عزیز ہیں ایران میں مولانا حکمت اللہ سلمہ انہوں نے فون کیا کہ آج بیان نہ کیجیے گا، میں نے کہا : نہیں، بیان ہوگا، میرے ایک دوست ہیں کراچی میں، مولانا عبدالرؤوف صاحب، انہوں نے فون کیا کہ آج مختصر بیان کیجیے گا، میں نے کہا : ہاں! یہ ٹھیک ہے، بیان مختصر ہوگا" ذرا غور کیجیے کہ طبیعت سخت ناساز ہے، پھر بھی دوسروں کو فائدہ پہنچانے کا جذبہ صادق نہ صرف یہ کہ برقرار ہے؛ بلکہ پُر جوش بھی، یعنی :

میں جہاں بیٹھا، وہیں میخانہ بنے

لیکن ہائے افسوس کہ آج :

وہ جاںنثارِ علم شریعت نہیں رہا

وہ آشنائے جادہ حکمت نہیں رہا

آپ نے اپنی زندگی میں لکھا اور بہت لکھا، پڑھا اور بہت پڑھا، محنت کی اور خوب کی، بھلا بتائیے! دارالعلوم کے زمانہ تعلیم میں عربی درجات کے ساتھ حفظِ قرآن مکمل کیا، وہ بھی صدر گیٹ کے چبوترے پر بیٹھ کر، اب اِسے قرآن پاک کے تئیں سچی محنت اور محبت نہیں تو اور کیا کہاجائے، اتنا ہی نہیں درسیات میں لگن، مطالعہ ومذاکرہ میں دلچسپی کا یہ عالم کہ دارالعلوم میں مسجد قدیم کے پاس رہائش ہے، اور دار جدید کی شکل دیکھے ہوئے کئی مہینہ کا عرصہ بیت جاتا ہے، جبکہ مسجد قدیم اور دار جدید کے مابین صرف نودرہ کی عمارت حائل ہے۔

لکھا اتنا کہ تعداد میں تو تقریباً ایک سو کتابیں آپ کے قلمِ گہربار سے شائع ہوچکی ہیں، جن میں تفسیر قرآن، شرح بخاری، شرحِ ترمذی، شرح حجۃ اللہ البالغہ وہ کتابیں ہیں جو بلامبالغہ تنہا کمّاً و کیفاً سیکڑوں کتب کے قائم مقام ہیں، لکھنے پڑھنے کا یہ سلسلہ زندگی کی آخری سانس تک جاری رہا، آپ کا ایک جملہ جہاں اس حوالے سے آپ کی زندگی کا آئینہ دار ہے، وہیں طالبانِ علوم نبوت کے لیے نصیحت آمیز بھی، چنانچہ موقع بموقع آپ فرمایا کرتے تھے :

پڑھو... راتوں کو جاگ کر پڑھو....... نیند قربان کرو.... دیکھو میں رات کو نہیں سوتا اور طے کرلیا ہے کہ اب قبر میں ہی ٹانگ پھیلا کر سوؤں گا. اللہ اکبر کبیرا.

اگر آپ نے طلبہ کو یہ نصیحت کی، تو سب سے پہلے خود اس پر عمل کیا، واقعتاً آپ نے دنیا میں آرام نہ کیا، راتوں کی نیند قربان کردیا؛ لیکن اللہ کی ذات سے امید؛ بلکہ یقین کی بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ بلاشبہ آج آپ قبر ہی میں سکون کی نیند سورہے ہوں گے، (اللھم اجعل قبرہ روضۃ من ریاض الجنہ.آمین)

گویا آپ کی پوری ذات تحریک وعمل سے عبارت تھی؛ لیکن آج نہ سراپا عمل شخصیت ہے، نہ تحریکی ذات :

آئے گا کون راہ دکھانے کے واسطے

سینے میں آرزو کو جگانے کے واسطے

اٹھے گا کون سوز بڑھانے کے واسطے

اک شمعِ جاں گداز جلانے کے واسطے

اللہ رب العزت ہم سب کو حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اس نصیحت پر کرنے والا اور آپ کے فیوض کو عام کرنے والا بنائے! آمین یارب العالمین۔ ❒❖❒

استاد محترم! مفتی سعید احمد رحمہ اللہ- کچھ یادیں- کچھ باتیں

محمد شہاب الدین قاسمی

جنرل سیکریٹری جمعیۃ علماء جھارکھنڈ، ناظم معہد القران الکریم مدنی مسجد ، نوادہ، ہزاریباغ (جھارکھنڈ)

اللہ تعالیٰ کے مقرب اور محبوب بندوں کا اس دنیا سے جانا صرف چند افراد، قبیلے اور خاندان کے لئے ہی المناک نہیں، بلکہ دنیا ان کی جدائی اور فرقت سے مضطرب ہو جاتی ہے۔ حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد اکابر واسلاف کے انہیں زریں روایات کی ایک معتبر اور نمایاں کڑی تھے، جن کی جدائی نے سب کو یکساں غمزدہ کر دیا ہے۔

حضرت سے ترمذی شریف پڑھے اگرچہ تیس سال کا لمبا عرصہ ہو رہا ہے، لیکن ان کی اچانک جدائی نے گذرے ہر لمحات کی یادیں تازہ کر دیں۔ زمانۂ طالب علمی اور درسگاہ کی جو باتیں قصۂ پارینہ بن چکی تھیں، یکے بعد دیگرے ذہن و دماغ میں مرتسم ہو کر کرب میں اضافہ کرتی رہیں۔ عربی چہارم میں جب میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوا، اسی وقت سے دورۂ حدیث شریف بالخصوص ترمذی شریف کی عبارت خوانی کے امتیازات و خصوصیات کے سلسلے میں سنتا رہتا تھا کہ جب چاہے اور جس طرح چاہے ہر طالب علم کو حضرت مفتی صاحب کے درس میں عبارت پڑھنے کی اجازت نہیں تھی۔ سال کے شروع میں اس سلسلہ میں ہفتوں طلباء کو امتحان سے گذرنا پڑتا۔ اور جب تک حضرت کو اطمینان نہ ہو جاتا، کسی کو عبارت پڑھنے کی جرأت نہ ہوتی۔ شائقین طلبہ جدوجہد کرتے رہتے، بالآخر ایک یا دو طالب علم کو ہی عبارت خوانی کی اجازت ملتی۔ 1990-91ء کے دورۂ حدیث شریف میں احقر کو پورے سال ترمذی شریف کی عبارت خوانی کا موقع ملا۔

حضرت الاستاذ کی درسگاہ کا اصول منفرد تھا۔ گھر سے رکشہ سے تشریف لاتے۔ فوارہ سے اور بسا اوقات معراج گیٹ سے جوں ہی خبر ملتی کہ مفتی صاحبؒ تشریف لا رہے ہیں، دارالحدیث مرتب، خاموش اور محو انتظار ہو جاتا۔ طلبہ اپنی نشستوں پر مؤدب بیٹھ جاتے۔ مجال تھا کہ کوئی سامنے یا بغل والے ساتھی سے ہلکی آواز میں بھی بات کر لے۔ سب کی نگاہیں ان کے پُروقار چہرے کی طرف مرکوز ہو جاتیں۔ حضرت مسند درس پر تشریف فرما ہوتے ہی بلند آواز سے طلبہ کو سلام کرتے اور صرف "جی" فرماتے۔ اور فوراً بعد قاری عبارت خوانی شروع کرتا۔ عبارت کی آواز اس قدر مسحور کن اور پرکشش ہوتی کہ دارالحدیث میں روحانیت بھرا سکوت چھا جاتا اور طلبہ ذہنی و فکری طور پر علم حدیث کے سمندر میں غوطہ لگانے کے لئے تیار ہو جاتے۔ عبارت کی آواز جو فوّارہ اور دارالحدیث کی گیلریوں تک جاتی رہتی، بسا اوقات وہاں سے گذرنے والے طلبہ کے قدم عبارت سنے بغیر آگے نہ بڑھتے۔

ترمذی شریف کے درس میں متن حدیث واضح اور بہترین لہجہ میں پڑھا جاتا تھا۔ الفاظ وحرکات کی ادائیگی میں تکلف کو مفتی صاحبؒ بالکل برداشت نہ فرماتے۔ اوراس میں شدت سے بھی منع فرماتے۔ آسان ادائیگی اور خوش سماعت سے لبریز انداز قرأت کو پسند فرماتے تھے۔ حروف کو چبانے یا دبانے پر ان کو بارِ خاطر ہو جاتا اور فوراً ان کے چہرے پر ناگواری کے آثار نمایاں ہو جاتے۔ بسا اوقات ناراض ہو کر درس سے اٹھ کر چلے جاتے۔ اس لئے قاری کو انتہائی مستعد اور حضرت کے اشاروں کا منتظر رہنا پڑتا۔ وہ ایسے قاری کو پسند فرماتے تھے جو ان کی بحث اور تقریر کو سمجھ سکے، کہ حضرت کی تقریر کب اور کہاں ختم ہو رہی ہے۔ اس کا ادراک بھی قاری کو خود کرنا پڑتا تھا۔ کبھی کبھی صرف ایک یا دو جملہ پر رک جانا ہوتا۔ جو قاری اس حساسیت سے عاری ہوتا مفتی صاحبؒ ان سے عبارت نہیں پڑھواتے۔ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ ترمذی شریف کی عبارت خوانی میں میری کسی کمی، کوتاہی یا سستی کی وجہ سے حضرت نے ناگواری کا اظہار کیا ہو۔

حضرت الاستاذ باب کے شروع ہی میں باب سے متعلقہ روایت پر مکمل بحث فرما دیتے۔ بسا اوقات دو دو دن گذر جاتے اور باب سے آگے روایت کی عبارت پڑھنے کی نوبت نہ آتی۔ آپ حدیث کو مقارن بالفقہ کے اسلوب میں پڑھاتے تھے۔ متعلقہ روایت سے جس قدر فقہی اصول وجزئیات متفرع ہو سکتے تھے، آپ کھل کر بحث فرماتے۔ اکثر اس قدر بسیط اور جامع تشریح فرماتے کہ ہمیں متداول شروحات میں بھی وہ جزئیات نہ مل پاتیں۔ ائمہ اربعہ کے مابین اختلاف کو ذکر کرتے ہوئے اختلاف کی منشاء اور اساس پر خوبصورت، عالمانہ اور محققانہ گفتگو فرماتے، کہ کسی بھی انداز سے ائمہ اربعہ کے مابین کسی کی تفضیل و تنقیص کی بو تک نہ آتی۔ روایت مؤیدہ کے استشہاد اور دلائل میں مزید روایات پیش فرماتے۔ آپ کا انداز بیاں اس قدر مرتب اور آسان ہوتا کہ طلبہ کو دقیق علمی مباحث کو بھی سمجھنے میں دیر نہ لگتی۔ اس دوران طلبہ کی طرف سے اعتراضات واشکالات کی مختلف پرچیاں بھی آپ تک پہونچتیں، آپ ان تمام کو محفوظ کر لیتے اور درس کے اختتام میں ایک ایک کو پڑھتے۔ بعض پرچیوں کو چار ٹکڑے کر کے ہوا میں پھونک سے بکھیرتے ہوئے فرماتے "یہ اس کا جواب ہے "یعنی ان طلبہ کے لئے پر مزاح سرزنش ہوتی جو درس میں دماغی طور پر غیر حاضر رہ کر بحث کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے اور لایعنی سوالات سے درس کے قیمتی وقت کو ضائع کرتے تھے۔ بعض پرچیوں کے جوابات دیتے اور طلبہ کو مطمئن بھی فرماتے اور ان میں بعض ایسی پرچیاں ہوتی تھیں جن کی تائید کرتے ہوئے پرچی دینے پر حوصلہ افزائی فرماتے اور بسا اوقات گذشتہ تشریح سے آپ رجوع بھی فرما لیتے تھے۔

آپ کے درس حدیث میں علمی نکات وجزئیات کی بارش کا یہ سماں ہوتا کہ ان کا ہر ایک قطرہ گوہر آبدار ہوتا، آپ کے انداز تدریس میں علماء متقدمین کی جھلک نظر آتی، آپ کی تقریر اور تشریح حدیث سن کر طلبہ کے اندر خوابیدہ صلاحیتیں بیدار ہو جاتیں، آپ جس جوش اور ولولہ سے درس حدیث دیا کرتے تھے، وہ اپنی مثال آپ تھا۔ احناف کے اقوال کی تائید میں نقلی وعقلی مسکت دلائل پیش فرماتے اور علماء دیوبند کے منہج واصول سے انحراف نہ ہوتا۔

حضرت الاستاذ مفتی صاحبؒ کے درس حدیث میں طلبہ کو اس قدر طاقت ملتی کہ صحاح ستہ کے دیگر کتب میں بھی وہ تقریر معاون ثابت ہوتی۔

اسی طرح رجال محدثین اور درجات روایت پر شرح وبسط کے ساتھ بحث کرتے اور ایک ایک سند کی تنقیح میں کبھی تین تین روز بحث فرماتے، جس کے نتیجہ میں اکثر طلبہ کے ذہن ودماغ میں یہ بات سرایت کرجاتی کہ کسی روایت کو نقل کرنے یابیان کرنے سے پہلے راوی حدیث، اس کی صحت وثقاہت اور اس کی سندوں پر نظر ڈال لی جائے۔ طالب علمی کے زمانہ میں ہم لوگ رجال کے بحث کو تطویل لاطائل کہ کر نظر انداز کرنے کی کوشش کرتے تو حضرت مفتی صاحبؒ فرماتے تھے کہ ان اصول وضوابط کو یاد رکھو، اس میں ذوق وصلاحیت اور مہارت پیدا کرو، آگے چل کر تم کسی ادارہ کے محدث بنوگے، اس وقت یہ چیزیں کام آئیں گی، اسلئے کہ علم حدیث کے میدان میں کام کرنے والوں کے لئے یہ سب سے بڑا ہتھیار ہے۔

مجھے خوب یاد ہے کہ حضرت کے درس میں ترمذی کی تقریر کو میں قلمبند کرتا تھا اور ایک ایک جزئیہ کو نوٹ کرتا تھا، اسکی ایک ضخیم کاپی تیار ہوگئی تھی، درس سے فارغ ہو کر معارف السنن، التعلیق الصبیح، تقریر شیخ الہند اور درس ترمذی سے مراجعت کرتا تھا، حضرت الاستاذ کی تقریر اور ان کتب کے درمیان اگر کوئی بنیادی اختلاف ملتا تو میں حضرت کی خدمت میں جاکر عرض کرتا، حضرت اس کی تائید وتوثیق فرماتے اور حوصلہ افزائی بھی فرماتے اور اگر مجھے سمجھنے میں کچھی غلطی ہوتی تو سمجھادیتے۔
شفقت، خورد نوازی اور حوصلہ افزائی کی وجہ سے مجھے ان کی خدمت میں کسی بھی اشکال کو لے کر جانے میں قطعاً جھجک نہیں ہوئی۔

دوران درس لکھی گئی وہ کاپی ہزاروں صفحات پر محیط تھی اور مستزاد کہ حضرت الاستاذ اور دیگر شروحات سے مراجعت شدہ تھی، یقیناوہ میرے لئے بڑا علمی سرمایہ تھی، حضرت نے اس دیکھ کر فرمایا تھا کہ مستند اور کافی علمی ذخیرہ جمع ہوگیاہے۔ آج بھی ان سطور کو لکھتے ہوئے دل بوجھل ہورہاہیکہ میرے ایک رفیق درس نے جو مجھ سے عربی اور اردو رسم الخط سیکھتے تھے، سالانہ چھٹی کے موقع پر، ایک روز وہ کاپی مجھ سے فوٹو اسٹیٹ کے لئے کہ کرلے گئے اور آج تک وہ نظر نہ آئے۔ اس تیس سال کے عرصہ میں میرے لئے وہ واقعہ سوہان روح بناہوا ہے، حضرت الاستاذ کی رحلت اور جدائی نے مدتوں سینے میں درد نہاں کو سوا کردیا، میری نظریں آج بھی ان کی متلاشی ہیں۔

اس موقع پر اپنا ایک واقعہ خوب یاد آرہاہے کہ ترمذی شریف کا آخری سبق تھا، میری والدہ، بھائی اور ان کی اہلیہ میرے تکمیل حدیث شریف کے موقع پر دیوبند گئے ہوئے تھے، ان کیلئے ضروری انتظامات کی وجہ سے اس دن (پہلا اور آخری دن) میں حضرت مفتی صاحبؒ کے درس میں پانچ منٹ تاخیر سے پہونچا، جس کے نتیجہ میں مجھے سب سے آخری قطار میں جگہ ملی، کچھ دیر بعد حضرت الاستاذ تشریف لائے، بیٹھتے ہی کسی طالب علم نے ترمذی شریف کی آخری حدیث کی عبارت پڑھی، حضرت نے اپنی نگاہ کو اٹھایا اور فرمایا "شہاب الدین ہزاریباغوی کہاں ہے؟" میں مارے خجالت، شرم اور خوف اپنی جگہ بیٹھاہی رہا، میں نے کوئی آواز نہیں

دی، پھر دوبارہ فرمایا: اگر وہ کہیں موجود ہو تو آگے آجائے۔ یہ سن کر میں اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور طلبہ نے میرے لئے راستہ بنایا، اس عمل میں تقریباً چار سے پانچ منٹ صرف ہوئے، لیکن حضرت اطمینان وسکون کے ساتھ بیٹھے رہے۔ اور جب میں پہلی صف میں مائک کے پاس پہونچ گیا تو حضرت نے فرمایا "جی" اس کے بعد میں نے عبارت خوانی شروع کی اور حضرت استاد محترم نے ترمذی شریف کی آخری حدیث پر تقریر فرمائی۔

میری سماعت میں وہ الفاظ آج بھی محفوظ ہیں جو سال کے اختتام میں طلباء کو مخاطب کرتے ہوئے حضرت نے فرمایا تھا: "اے جماعت طلباء! آپ کے درمیان متعدد وہ طلباء ہیں جو امتحانات میں امتیازی نمبرات سے کامیابی حاصل کر کے پوزیشن لاتے ہیں، وہ یہ نہ سمجھیں کہ فراغت کے بعد ہر حال میں بڑے اور مرکزی اداروں میں ہی صرف بڑی بڑی کتابیں پڑھانے کو ملیں گی اور ان کو تدریس وافتاء کے لئے نمایاں مقام ہر حال میں دیا جائے گا، اور وہ طلبہ جن کی علمی استعداد کم یا متوسط ہے انہیں خدا نخواستہ تدریس، تقریر یا تصنیف وتالیف اور خدمت دین کے کسی شعبہ میں شرف حاصل نہ ہو سکے گا، یا محض کم استعداد کی بنیاد پر ان کے ساتھ دوہرا معیار برتا جائے گا۔ ایسا نہیں ہے اور ہرگز نہیں ہے۔ میرے عزیز طلباء! اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے قابلیت وصلاحیت نہیں بلکہ صالحیت اور اخلاص وتقوی کی بنیاد پر ہی کام لیتا ہے، اسلئے اپنی نیتوں کو خالص اللہ کے لئے رکھیں، اگر اس میں کچھ اضمحلال یا کمزوری ہے تو آج ہی، اسی مجلس میں نیتوں کی تصحیح کرلیں، اور اللہ کے رسول کے مہمان اور ان کے نائب ووارث ہونے کی حیثیت سے عہد کریں کہ ہم نے جو کچھ یہاں پڑھا سیکھا وہ اعلاء کلمۃ اللہ، اشاعت دین، احقاق حق اور ابطال باطل کے لئے ہی استعمال ہوگا۔ کسی بھی علمی، فکری تخریب اور فتنہ کا دنداں شکن جواب دیں گے، اسلئے کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ لہٰذا ممتاز طلبہ کو نصیحت کرتا ہوں کہ شیطان اور نفس آپ کو کہیں راہ حق سے بھٹکا نہ دے، اپنے نفس کا محاسبہ کرتے رہیں اور دوسرے تیسرے درجہ کے طلباء کو بھی نصیحت کرتا ہوں کہ وہ مایوسی کے شکار نہ ہوں اللہ کے یہاں مایوسی کفر ہے، میں نے دیکھا ہے کہ وہ طلبہ جو پڑھنے میں یا دارالعلوم کی زندگی میں نمایاں نہیں تھے، لیکن میدان کار میں آفتاب وماہتاب ہیں"۔

آخری درس میں حضرت الاستاذ اپنی اس بات کو درد بھرے لہجہ اس طرح فرماتے تھے کہ طلبہ نئے عزم وحوصلہ کے ساتھ اپنے اپنے گھروں کو رخصت ہوتے تھے، نیز شعبان اور رمضان میں ہی دارالعلوم کے احاطہ میں رہتے ہوئے کسی بھی ادارہ کو اپنی تدریسی خدمات کے لئے منتخب کر لیتے، بلاشبہ حضرت الاستاذ کے قیمتی اور رہنمایانہ ارشادات آج بھی ان کے خلف اور شاگردوں کیلئے مشعلِ راہ ھیں۔

تازہ خواہی داشتن داغ ہائے سینہ را

گاہے گاہے باز خواں ایں قصہ پارینہ را

28 رمضان المبارک 1441ھ

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری۔ رحمہ اللہ۔
کی لائقِ تعریف انتہاء اور قابلِ تقلید ابتداء

محمد سلمان مدرس مدرسہ حسینیہ مصطفی آباد مرغوب پور ضلع ہردوار صوبہ اترا کھنڈ

۲۵ / رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ مطابق 19 / مئی 2020 منگل کا دن امتِ مسلمہ ہندیہ کے لیے عموما اور علمی حلقوں کے لیے خصوصا غم کا سبب بنا، کہ شیخ العلماء، مفسرِ قرآن، محدثِ جلیل، فقیہ النفس، شارحِ حجۃ اللہ البالغہ، ماہرِ ہر فن حضرت الاستاذ حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری رحمہ اللہ شیخ الحدیث و صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند۔ باذن اللہ۔ داغِ مفارقت دے گئے، یوں تو حضرت کی شخصیت ویسے بھی محتاجِ تعارف نہیں تھی مگر آپ کی وفات حسرت آیات کے بعد آپ کی ذات گرامی پر اتنا کچھ لکھا جا چکا کہ اب تو جو نہیں جانتے تھے وہ بھی جان گئے، خود اس عاجز بندے نے بھی تقریبا دو ماہ قبل حضرت سے متعلق ایک مختصر سی تعارفی تحریر لکھی تھی؛ اس لیے عام سوانحی حالات کو چھوڑ کر چند وہ باتیں لکھنے کی جسارت کی جا رہی ہے جو ہر طالب علم بلکہ ہر صحیح الفطرت آدمی کے لیے نمونہ ہیں اور اپنانے کے قابل ہیں، دعاء ہے کہ اللہ ہم سب کے لیے نافع بنا دے۔

عجیب اتفاق ہے کہ راقم السطور کا دورہ حدیث شریف کا سال وہی (۲۰۰۸) ہے، جس سال شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب بلند شہری نور اللہ ضریحہ نے اپنی پیرانہ سالی، ضعف و نقاہت اور مسلسل علالت کی وجہ سے دورانِ سال ہی بخاری شریف کی تدریس سے عذر کر دیا تھا اور بخاری شریف منتقل ہو کر حضرت مفتی صاحبؒ کے پاس آگئی تھی، گویا کہ ہم وہ کم نصیب ہیں جن کی بخاری کی تکمیل شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ نہ کرا سکے یا یوں کہیے کہ ہم وہ خوش نصیب ہیں جنہیں بخاری شریف تین تین شیوخ الحدیث سے پڑھنے کا موقع ملا یعنی (۱)۔ بخاری شریف جلد اول کا کچھ حصہ حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ سے (۲)۔ مابقیہ حصہ حضرت مفتی صاحبؒ سے (۳)۔ اور جلد ثانی شیخ الحدیث حضرت مولانا شیخ عبد الحق صاحب اعظمی نور اللہ مرقدہ سے؛ افسوس کے اب یہ تینوں ہی اکابر جوارِ رحمت میں منتقل ہو چکے ہیں

یارب وہ صورتیں اب کس دیس بس رہی ہیں

اب جن کے دیکھنے کو انکھیاں ترس رہی ہیں

اللھم انزل علیھم شآبیب رحمتك

اس طرح ہم لوگوں کو (یعنی شرکاء دورۂ حدیث شریف ۲۰۰۸ کو) بخاری شریف جلد اول کا معتد بہ حصہ، ترمذی شریف جلد اول اور شرحِ معانی الآثار یعنی طحاوی شریف کا معتد بہ حصہ اسی مسند آرائے حدیث سے پڑھنے کا موقع ملا۔ وذلك فضل اللہ یؤتیہ من یشاء

یہ طول طویل تفصیل لکھنے کا حاصل یہ ہے کہ حضرتؒ کے بارے میں جو کچھ لکھا جارہا ہے وہ محض شنیدہ نہیں بلکہ بہت حد تک دیدہ بھی ہے؛وشتان ما بینھما۔۔۔بہر حال اس تمہید کے بعد آیئے ایک نظر حضرت مفتی صاحبؒ کی ان صفات پر ڈالتے ہیں جو اختیار کرنے کے قابل ہیں، بلکہ دارین کی کامیابی کے لیے انہیں اختیار کیے بغیر چارہ ہی نہیں۔

﴿۱﴾ مسلسل محنت اور منصوبہ بندی

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی نور اللہ مرقدہ کے ایک ملفوظ کا خلاصہ ہے کہ ~ جو اکابر کی انتہا کو دیکھے گا وہ کبھی کامیاب نہ ہو گا اس لیے کہ آخر عمر میں تو عموماراحت و آرام، فتوحات، عزت، شہرت اور واہ واہ ہی نظر آتی ہے مگر جو اکابر کی ابتدا کو دیکھے گا اور اس کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالنے کی کوشش کرے گا وہ ضرور کامیاب ہو گا ان شاءاللہ، اس لیے کہ ابتدا میں بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں مجاہدات کرنے پڑتے ہیں تب کہیں جاکر کوئی مقام حاصل ہو تا ہے۔ مشکل یہ ہے کہ ہم جیسے لوگ اونچے اونچے مقامات کے حصول کی تمنا تو کرتے ہیں مگر اس کے لیے محنت کچھ نہیں کرتے یا بہت کم کرتے ہیں، ہمارا حال تو عربی کے اُس مقولے کے مانند ہے "صَلیَ الْحَائكُ وَانْتَظَرَ الْوَحیَ "(ناکارہ لوگ دو رکعت نماز پڑھتے ہی وحی نازل ہونے کا انتظار کرنے لگتے ہیں) یعنی تھوڑی سی محنت کر کے بہت جلد نتیجے کے حصول کی تمنا کرنے لگتے ہیں، پھر اگر ہماری محنت کا نتیجہ ہمارے موافق آجائے تو پھولے نہیں سماتے گویا کہ قرآن کے الفاظ میں فَرِحٌ فَخُورٌ بن جاتے ہیں اور خدانخواستہ نتیجہ ہمارے مخالف آجائے تو مایوس ہو کر بیٹھ جاتے ہیں یعنی قرآن کے الفاظ میں یَئُوسٌ قَنُوطٌ بن جاتے ہیں۔

استاذِ مکرم حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری رحمہ اللہ کی زندگی کا سب سے نمایاں وصف "محنت "ہے، حضرت کی زندگی میں سہل پسندی، عیش کوشی اور کام چوری نام کو نہیں تھی، آپ نہایت جفاکش اور مسلسل محنت کے عادی تھے، اور آپ کی یہ محنت محض درس و تدریس تک محدود نہیں تھی بلکہ زندگی کے دیگر شعبوں میں بھی آپ اتنے ہی جفاکش تھے۔

ایک مرتبہ مطالعہ اور تجارت کے لیے کتابیں خریدنے نیز جفاکشی کی زندگی گزارنے کی ترغیب دلاتے ہوئے فرمایا کہ: تم لوگ بڑے تو بننا چاہتے ہو مگر محنت مشقت کچھ نہیں کرتے ایک دم سے بڑے بننا چاہتے ہو ایسا نہیں ہوا کرتا میں نے درس و تدریس کے ساتھ ساتھ جب تجارت کرنے کا ارادہ کیا تو میں نے کئی کام کیے۔

۱۔ گجرات سے جب میں دیوبند آتا تھا تو میری رشتے دار خواتین از راہ شفقت کھانے پینے کا بہت سا سامان دیا کرتی تھیں اور اس سامان میں بڑی مقدار میں (خوب یاد ہے کہ حضرت نے کنستر کا لفظ استعمال کیا تھا) "دیسی گھی" بھی ہوتا تھا دیوبند آکر میں زائد سامان بیچ کر کتابیں خرید لیتا تھا، کچھ مطالعے کے لیے کچھ تجارت کے لیے۔

۲۔ فارغ اوقات میں کتابوں کی تجارت کرتا تھا۔

۳۔ کتب خانے سے آرڈر کی کتابیں ڈاک خانے پہنچاتا تھا۔

۴۔ ردی اخبار خرید کر اہل خانہ کے ساتھ مل کر کاغذ کے لفافے بنا کر دکانوں پہ پہنچاتا تھا۔
۵۔ مدرسے سے بھی تنخواہ ملتی تھی ۔
ان تمام ذرائع آمد سے حاصل شدہ آمدنی سے اپنا اور اپنے متعلقین کا خرچ بھی اٹھاتا تھا اور ساتھ ساتھ کچھ پس انداز بھی کرتا تھا ۔ یہاں تک کہ ایک چھوٹا سا مکتبہ "مکتبہ حجاز" کے نام سے قائم کر لیا اور پھر تو اللہ نے خوب برکت دی۔
الفاظ میں ممکن ہے کچھ تفاوت ہو مگر مفہوم تقریبا یہی تھا جو عرض کیا گیا۔
اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جو آدمی دارالعلوم دیوبند جیسے ادارے میں ذمہ دارانہ بلکہ مقبول ترین تدریس کے ساتھ ساتھ اپنی ذاتی زندگی کو بھی اس طرح منظم رکھتا ہو کامیابی اس کے قدم آخر کیوں نہ چومتی، عادت اللہ یہی ہے کہ محنت کرنے والوں کی محنت رائیگاں نہیں جانے دیتے نعم اجر العاملین اس پر شاہد اور تاریخ انسانیت اس کی گواہ ہے۔
آیئے مسلسل محنت کا عزم کریں، جفاکشی کے عادی بنیں اور اپنی اجتماعی وانفرادی زندگی منصوبہ بند طریقے پر گزارنے کا تہیہ کریں۔

﴿۲﴾ حوصلہ مندی اور ثابت قدمی

حضرت مفتی صاحبؒ کی زندگی کا دوسرا نمایاں وصف، صبر وثبات اور مشکل سے مشکل حالات سے نبرد آزمائی ہے، زندگی اور مشکلات کا چولی دامن کا ساتھ ہے لہذا آپ کی زندگی میں بھی مشکلات آئیں، ابتدائی دور کے مشکل ترین حالات، معاصرانہ چشمک اور آپ کے دو صاحبزادگان کا آپ کے سامنے انتقال، مگر رنج وغم کے جذبات اور مشکلات سے مغلوب ہو کر آپ نے کبھی اپنے مقاصد ومعمولات کو متاثر نہیں ہونے دیا بلکہ کمال ثابت قدمی اور استقامت کے ساتھ اپنے کام میں لگے رہے، دریا کے پانی کی طرح، جو چٹانوں سے الجھتا بھی نہیں مگر اپنا سفر موقوف بھی نہیں کرتا، بلکہ راستہ بدل کر یہ کہتا ہوا اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہو جاتا ہے۔

میں تو دریا ہوں مجھے اپنا ہنر معلوم ہے
جس طرف بھی چل پڑوں گا راستہ ہو جائے گا

بے حوصلہ آدمی چھوٹی چھوٹی باتوں سے گھبرا جاتا ہے مگر حوصلہ مند آدمی خوش اسلوبی ثابت قدمی اور استقلال کے ساتھ جما رہتا ہے ایسوں ہی کے بارے میں کہا جاتا ہے "الاستقامة فوق الف کرامة"

﴿۳﴾ حق گوئی وبے باکی

آپ بہت سوچ سمجھ کر کوئی رائے قائم کرتے تھے پھر جس چیز کو حق سمجھتے تھے بلاتردد اسے کہہ گزرتے تھے، کوئی مصلحت، خوف یا طمع آپ کی راہ میں حائل نہیں ہوتی تھی مگر عموما اتنی خوش اسلوبی کے ساتھ کہتے تھے کہ سننے والے کو برا بھی نہ لگے اور بات بھی ہو جائے، آپ کی حق گوئی کسی کی تحقیر یا محض اپنی بڑائی جتانے کے لیے نہیں ہوتی تھی بلکہ آپ ایک عظیم منصب

پر فائز ہونے کی وجہ سے عند اللہ احساس جواب دہی اور شفقت علی الخلق کے جذبے سے سرشار ہو کر کہتے تھے اسی لیے آپ کی بات نہ صرف یہ کہ سنی جاتی تھی بلکہ مانی بھی جاتی تھی، خصوصا طلباء، اساتذہ اور ذمہ دارانِ مدارس کو بڑی دل سوزی کے ساتھ مختلف پیرایوں میں ان کی ذمہ داری کا احساس دلاتے رہتے تھے، آپ کو طلباء کی بدشوقی اساتذہ کی سہل انگاری اور بہت سے ذمہ داروں کی بد معاملگی کا بڑا قلق تھا، اکثر اس مضمون کو بیان فرماتے تھے۔

﴿۴﴾ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

آپ کا امتیازی وصف تھا، خصوصا نہی عن المنکر، کسی لاگ لپیٹ کے بغیر معروفات کا حکم دیتے تھے اور منکرات سے روکتے تھے، یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ آپ کے سامنے کسی شرعی حکم کو پامال کیا جارہا ہو اور آپ روک ٹوک نہ کریں، آپ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی تھی کہ سامنے والا کیا سوچے گا آپ کی توجہ اس پر رہتی تھی کہ صحیح بات بتا کر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہماری ذمہ داری ہے، کوئی مانے یا نہ مانے۔

﴿۵﴾ سادگی اور بے تکلفی

آپ کے یہاں ٹیپ ٹاپ، تصنع تکلف یہ سب کچھ نہیں تھا، عالم اسلام کی عظیم الشان دینی درس گاہ کے عظیم منصب پر فائز ہونے کے باوجود آپ کی سادگی اور بے تکلفی مثالی تھی، اگرچہ آپ کی طبیعت میں نظافت اور نفاست بھی اعلی درجے کی تھی، عموما سادگی اور نفاست کو متضاد سمجھا جاتا ہے مگر آپ کے اندر یہ دونوں خوبیاں علی الوجہ الاتم موجود تھیں، اسی طرح بے تکلفی بھی، آپ کے یہاں بحمد اللہ کبر وغرور بھی نہیں تھا مگر وہ عرفی تواضع بھی نہیں تھی کہ زبان و قلم پر احقر افقر ہو اور دل میں کچھ اور، جسے محقق تھانویؒ نے "کبرِ تواضع" کا نام دیا ہے، آپ کے اعمال میں ریاء بھی نہیں تھا مگر وسوسۂ ریاء کے شائبے سے ترکِ اعمال بھی نہیں تھا، بلکہ حقیقت پسندی اور حقیقت بیانی ہی آپ کا شیوہ تھی۔

﴿۶﴾ اتباعِ سنت واجتناب عن البدعات

اتباع سنت تو گویا حضرتؒ کا حال بن گیا تھا، خوب یاد ہے کہ ترمذی شریف کے پہلے ہی سبق میں طلباء کو عمامہ پہننے کی ترغیب دلائی، نیز یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جس دن سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی قمیص مبارک (جسے عرف عام میں جبہ بھی کہتے ہیں) قدرے گول اور اتنی طویل تھی کہ گھٹنوں سے نیچے تک آتی تھی اسی دن سے میں نے روایتی کرتا پہننا چھوڑ دیا، اسی طرح ایک دن ترمذی شریف کا سبق پڑھا کر گھر جانے کے لیے نکلے، احاطۂ مولسری میں پہنچے تو وہاں کچھ دیہاتی لوگ کھڑے ہوئے تھے، طلباء کی توہمت مصافحہ کرنے کی عموما نہیں ہوتی تھی، مگر وہ دیہاتی احباب۔۔۔ اللہ انہیں جزائے خیر دے۔۔۔ بہت سرعت کے ساتھ حضرت کی طرف بڑھے اور حضرت سے مصافحہ کرنا شروع کر دیا، ہم طلباء نے بھی موقع غنیمت جان کر مصافحہ کر لیا، مصافحہ کے بعد وہیں کھڑے کھڑے مجلسِ ارشاد شروع ہوگئی، حضرت نے اپنے مخصوص انداز میں فرمایا: دیکھو بھائی حدیث شریف میں ہے "اذا

التقی المسلمان، فتصافحا، وحمدا اللہ، واستغفراہ غفر اللہ لھما" فرمایا: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب دو مسلمان آپس میں ملیں اور چار کام کریں ۱۔ سلام کریں ۲۔ مصافحہ کریں ۳۔ اللہ کی حمد کریں ۴۔ اللہ سے مغفرت طلب کریں یعنی مصافحہ کی دعا "یغفر اللہ لنا و لکم" پڑھیں تو ان کی مغفرت کر دی جاتی ہے، صرف مصافحہ ملانا کافی نہیں ہے یہ چار کام کرنے ضروری ہیں تب مغفرت ہوگی، (یہ بھی فرمایا کہ حدیث میں سلام کا ذکر نہیں ہے مصافحہ کا ذکر ہے مگر مصافحہ سلام کے بغیر مشروع نہیں اس لیے سلام کا ثبوت خود بخود ہو جائے گا) یہ کہ کر ان دیہاتیوں کو اور تمام موجود طلباء کو سنت کے مطابق سلام مصافحہ کرنے کی تاکید فرمائی اور گھر تشریف لے گئے۔

آہ! کہ اب یہ یادیں سینے کا داغ ہیں۔۔۔ خلاصہ یہ کہ اتباع سنت کا بہت اہتمام فرماتے تھے، ہر قسم کی بدعات و خرافات سے سخت نفرت تھی، بدعات سے خود بھی بچتے اور اپنے متعلقین کو بھی بچنے کی تلقین فرماتے تھے، بعض مباح چیزوں کو بھی سد اًللباب گوارا نہیں فرماتے تھے، اور اگر کسی وجہ سے گوارا فرما بھی لیں تو اس طرح کی چیزوں کی حوصلہ شکنی ضرور فرماتے تھے، مثلاً: تعزیتی جلسے، افتتاحی و اختتامی تقریبات میں غیر معمولی اہتمام، اربابِ تصوف کے بعض معاملات اور دعاؤں میں حد سے زیادہ غلو کو پسند نہیں فرماتے تھے، ان میں سے بعض چیزوں کو بدعت اور بعض کو بدعت کا پیش خیمہ سمجھتے تھے۔

﴿۷﴾ تصلب فی الدین

اتباع سنت ہی کا لازمی نتیجہ ہے تصلب فی الدین یعنی راہِ حق پر بلا خوف لومۃ لائم مضبوطی سے جم جانا، حضرت مسلک اہلِ سنت والجماعت مسلک دیوبند کی خود بھی مضبوطی کے ساتھ پابندی فرماتے تھے، اور اپنے متعلقین سے بھی اسی کی توقع رکھتے تھے، واضح ہو کہ تصلب (حق پر مضبوطی سے جم جانا) ایک مطلوب صفت ہے بعض لوگ تصلب کو تعصب (ہٹ دھرمی) کا مترادف سمجھتے ہیں اس لیے اس صفت کو قدامت پسندی یا تنگ نظری سے تعبیر کرنے لگتے ہیں، جب کہ تصلب اور تعصب دونوں الگ الگ چیزیں ہیں، تصلب محمود ہے، لہٰذا مطلوب ہے اور تعصب مذموم ہے، اس لیے مطلوب بھی نہیں ہے، بحمد اللہ مکمل شرحِ صدر کے ساتھ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ حضرت متصلب تھے متعصب نہیں تھے، یہی وجہ ہے کہ اگر کبھی اپنی کسی رائے کا غلط یا مرجوح ہونا ظاہر ہو جاتا تو فوراً رجوع فرماتے، دورانِ درس کئی مرتبہ سننے میں آیا فرماتے تھے: بھائی کل میں نے ایک بات کہی تھی مگر ایک طالب علم نے توجہ دلائی وہ بات غلط تھی، صحیح بات یہ ہے، واقعہ یہ ہے کہ یہ حضرت کی بہت بڑی صفت، اور اپنے متعلقین کے لیے ایک خاموش نصیحت ہے، آج کے دین بیزار دور میں جب کہ ہر تیسرا آدمی مجتہدِ مطلق بنا بیٹھا ہے، اہلِ سنت والجماعۃ کا مسلک ہی ایک ایسا حصنِ حصین ہے جو فتنوں سے بچا سکتا ہے، اسی لیے آپ نہ صرف یہ کہ مسلک اہل سنت والجماعت کے پابند تھے بلکہ اس کے مقابل تمام فرقوں کا خوب تعاقب بھی فرماتے تھے۔

﴿۸﴾ ترکِ لایعنی

حضرت کو کبھی بھی لایعنی قول وفعل میں مشغول نہیں دیکھا گیا، یہ اتنی بڑی خوبی ہے کہ اسے حدیث میں حسنِ اسلام کہا گیا ہے اور بحمد اللہ اسلام کا یہ حسن آپ کو خوب ہی حاصل تھا، سبق میں چچی تلی پر مغز گفتگو، غیر متعلق باتیں نہ دارد، پھر کسی کی کردار کُشی یا توہین وتحقیر کا تو تصور ہی کیا ہوتا۔۔۔ہاں! کبھی کبھی دوران درس کسی اہم تربیتی، سماجی، معاشرتی اور مفید مضمون کی طرف توجہ دلانا ضروری سمجھتے تو ضرور توجہ دلاتے، یہی وجہ ہے کہ اللہ نے آپ سے بہت کام لیا۔

﴿۹﴾ امیدیں قلیل مقاصد جلیل

مال کی محبت انسانی فطرت ہے، اور یہ ایک حد تک ہو تو کوئی حرج بھی نہیں ہے مگر حد سے نکل جائے تو زہرِ قاتل ہے، کسی عارف کے بقول: کشتی پانی میں ہو پانی کشتی میں نہ ہو، جب حضرت کو اللہ نے کسب معاش کے کچھ دیگر وسائل مہیا فرمادیے اور آپ کی تجارت میں آپ کی اولاد بھی آپ کی دست وبازو بن گئی تو آپ نے دارالعلوم اشرفیہ راندیر، سورت، گجرات اور دارالعلوم دیوبند کی تمام تنخواہ بفضل اللہ واپس کردی، اور مال کی محبت کے رذیلے سے خود کو بچاکر اپنے مالک ومولی کے حضور تشریف لے گئے، اور کوئی شک نہیں کہ یہ وہی کرسکتا ہے جس کی امیدیں قلیل اور مقاصد جلیل ہوں اور دنیا سے بے رغبتی جس کی گھٹی میں ہو ~*

﴿۱۰﴾ الاعتدال فی مراتب الرجال

ہر عظیم شخصیت کے جلو میں کچھ نہ کچھ تفردات اور معاصر علماء سے کچھ نہ کچھ اختلافات بھی ہوتے ہیں، جن کی وجہ سے اس کی ذات معاصرین میں موضوع بحث بن جاتی ہے، حضرت مفتی صاحب کو بھی ہندوپاک کے معاصر علماء سے۔۔۔بلکہ عرب علماء سے بھی۔۔۔کئی مسائل میں اختلاف رہا، مگر اختلاف رائے کے باوجود حضرت نے بڑوں کے ادب، ہم عمروں کے احترام اور چھوٹوں پر شفقت کی جو مثال قائم کی ہے، واقعہ یہ ہے کہ وہ مثال بے مثال ہے، اختلاف رائے کے باوجود معاصرین کی خوبیوں کو فراخ دلی کے ساتھ تسلیم کرنا آپ کی زندگی کا ایک روشن باب ہے؛ امید ہے کہ اس سلسلے کی کچھ تفصیلات ان کے سوانح نگار لکھ دیں گے ان شاء اللہ

﴿۱۱﴾ رجال سازی

آپ نے کمالِ شفقت، حسنِ معاملہ، شوقِ علم، ذوقِ تربیت اور سوزِ دروں سے اپنے تلامذہ کو ایک رخ دیا، جو آپ کے لیے تا قیامت صدقۂ جاریہ ہوں گے ان شاء اللہ، دارالعلوم دیوبند سمیت ملک کے ممتاز اداروں کے، اکثر بڑے بڑے علماء بالواسطہ یا بلا واسطہ آپ کے شاگرد ہیں، اور شاگرد نہیں بھی ہیں تو آپ سے متاثر ضرور ہیں، غالبا شیخ حسن البناء شہیدؒ سے پوچھا گیا تھا، ماصنفتَ کتابا؟ (کیا آپ نے کوئی کتاب نہیں لکھی) نہایت عارفانہ جواب دیا: یُصنفون الکتاب و اُصنف الرجال (لوگ کتابیں لکھتے ہیں میں رجال سازی کرتا ہوں، کام کے آدمی تیار کرتا ہوں) پھر حضرت مفتی صاحب نے تو رجال سازی بھی خوب کی اور تصنیف و تالیف بھی کمال درجے کی، رجال سازی ہی کا ایک شعبہ قرار دیجیے یا مستقل صفت کہیے کہ آپ نے کثیر العیال ہونے کے باوجود اپنی تمام

اولاد کی خوب تعلیم وتربیت فرمائی (آپ کے بارہ بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں، جن میں سے دو بیٹے آپ کی زندگی میں ہی وفات پاگیے، باقی بحمد اللہ بخیر وعافیت موجود ہیں) ایک دن دورانِ درس فرمایا کہ میں نے اپنے بھائیوں، اپنی اہلیہ اور بچوں کو قرآن حفظ کرایا اور اب میری اہلیہ اپنی بہوؤں کو قرآن حفظ کرا رہی ہے؛ ماشاء اللہ! اور نہ صرف حفظِ قرآن بلکہ ایک آدھ کے علاوہ آپ کی اکثر اولاد بحمد اللہ عالم بھی ہے۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست ☆ تانہ بخشد خدائے بخشندہ

﴿۱۲﴾ وقت کی حفاظت اور انضباط

یہ تو آپ کا ایسا مشہورِ عالم وصف ہے جس کا ایک زمانہ قائل ہے، اور اسی کی برکت ہے کہ آپ نے ہزارہا ہزار شاگردوں کے علاوہ سیکڑوں اہم مہم علمی تصانیف بھی بطور یادگار چھوڑیں، وقت کی حفاظت اور تقسیم کار کے بغیر کامیابی کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا، حضرت اس نکتے سے خوب واقف تھے اسی لیے ہر کام کے لیے ایک وقت اور ہر وقت کے لیے ایک کام مقرر فرما رکھا تھا، درس و تدریس کا سارا زمانہ پابندی کے ساتھ پڑھنے پڑھانے میں گزارا، ایک مرتبہ فرمایا کہ میرا ترمذی شریف کا ایک سبق ناغہ ہوگیا تھا جس کی خلش آج تک محسوس کرتا ہوں، پھر سبق ناغہ ہونے کی وجہ بیان فرمائی کہ میرا کمرہ صدر دروازے کے پاس تھا، حضرت الاستاذ امام المعقولات والمنقولات علامہ محمد ابراہیم بلیلاوی قدس سرہ جب سبق پڑھانے کے لیے آتے تو ان کے عصاء کو زمین پر ٹیکنے کے آواز سن کر میں کمرے سے نکل کر ساتھ ہو جاتا تھا، ایک دن مطالعہ میں ایسا منہمک تھا کہ حضرت الاستاذ کے آنے کی خبر ہی نہیں، پھر فرمایا: آج تک اس غیر حاضری کا دکھ محسوس کرتا ہوں، یاد آتا ہے کہ ایک مرتبہ فرمایا کہ جب میں گھر سے درسگاہ میں پڑھانے کے لیے آتا ہوں کوئی طالب علم میرے ساتھ نہ آیا کرے، میں راستے میں مطالعہ کرتا ہوا آتا ہوں، کوئی ساتھ ہوتا ہے تو خلل ہوتا ہے، سبحان اللہ! گھر سے دارالحدیث آنے میں جو چند منٹ صرف ہوتے تھے ان کو بھی کام میں لایا جارہا ہے یہ ہے وقت کی حفاظت (پھر فرمایا کہ میرے استاذ علامہ ابراہیم بلیلاویؒ فرمایا کرتے تھے کہ اب ہم لوگوں کا مطالعہ ورق گردانی والا نہیں رہا، اب تو سبق سے متعلق معلومات کو ذہن میں مرتب کرنا ہی مطالعہ ہے)

﴿۱۳﴾ یکسوئی

حضرت تھانوی قدس سرہ کا ملفوظ ہے کہ "یک سوئی کے بغیر تو ایک سوئی بھی حاصل نہیں ہوتی" حضرت مفتی صاحبؒ کی طبیعت میں بھی یکسوئی، کم آمیزی، گوشہ نشینی اور عزلت پسندی بہت زیادہ تھی، مگر اس کا مقصد صرف اور صرف حصول علم کے لیے اپنے آپ کو فارغ کرنا تھا، پھر یہ چیز آپ کی ایسی عادت بنی کہ بے ضرورت ملنے ملانے، بلاوجہ کی مجلس بازی اور بھیڑ بھاڑ سے ہی طبیعت نفور ہوگئی اور غالباً اللہ کو بھی آپ کی یہ ادا ایسی پسند آئی کہ آپ کے سفر آخرت کے انتظامات بھی اسی طرح کے فرما دیے،

کہا جاتا ہے کہ حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے خلیفہ و مجاز حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب الہ آبادی قدس سرہ جب آخری حج پر تشریف لے جارہے تھے تو بڑے درد کے ساتھ اپنے رفقاء سے کہ رہے تھے ۔

پھول کیاڈالوگے تربت پہ مری ☆ خاک بھی تم سے نہ ڈالی جائے گی

اور پھر یوں ہی ہوا کہ جدہ پہنچنے سے پہلے سمندری جہاز میں ہی آپ کا انتقال ہو گیا، آپ کے جسد مبارک کو تجہیز و تکفین اور نماز جنازہ کے بعد حکم شریعت کے مطابق سمندر کے ہی حوالے کر دیا گیا، تا کہ سمندر بھی اللہ والوں کے وجود کی برکتوں سے محروم نہ رہے، حضرت مفتی صاحب کے ساتھ بھی کچھ اسی طرح کا معاملہ ہوا، آخر اہل ممبئ کو بھی تو ان کی وفاداریوں کا کچھ صلہ ملنا تھا؛ نیز اس مردِ قلندر کی شانِ بے نیازی اور کم آمیزی کا بھی تو کچھ لحاظ رکھا جانا تھا؛ عجب نہیں کہ اسی لیے وطن سے دور، شور و شغب اور ہجوم کے ہنگاموں سے بے نیاز، رمضان المبارک کے آخری عشرے کی مبارک ساعات کو اس شہید علم کی رحلت کے لیے مقدر فرمایا گیا ہو، تا کہ آپ کی علمی وجاہت اور طمطراق لوگوں کے دلوں میں باقی رہے؛ اللہ ہی اپنی حکمتوں کو بہتر جانتا ہے۔ان الحکم الا للّٰہ

بہر حال راقم نے حضرت کی عبقریت، ذہانت و فطانت، علمی تعمق و تبحر، وسعتِ مطالعہ، ملکۂ افہام و تفہیم اور کثرت تصانیف جیسی صفات کو بیان نہیں کیا بلکہ یہ حضرت کی بارہ تیرہ وہ صفات بیان کی گئی ہیں جن کو ہر بندہ تھوڑی سی محنت کر کے حاصل کر سکتا ہے، شریعت کا مزاج بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ کامیاب لوگوں کی تعریف کرنے سے زیادہ ان صفات کو حاصل کرنے کی کوشش کی جائے جن کو حاصل کر کے وہ کامیاب ہوئے، اس لیے کہ ہر کامیاب آدمی کے پیچھے اللہ کی توفیق اور بڑوں کی دعاء و توجہات کے بعد، ان کی اپنی جاں توڑ جدوجہد، قربانی، محنت اور کچھ مخصوص صفات ہوتی ہیں، کسی شاعر کے بقول ۔

جو ساز سے نکلی ہے وہ دھن سب نے سنی ہے ☆ جو تار پہ گزری ہے وہ کس دل کو پتہ ہے

آخر میں بہت صفائی کے ساتھ یہ بھی عرض ہے کہ راقم کا قلبی تعلق حضرت سے خواہ کتنا ہی گہرا ہو مگر ظاہری تعلق محض درس گاہ تک محدود تھا، خارج درس ایک آدھ مرتبہ کے علاوہ کبھی بالمشافہ ملاقات کی نوبت نہیں آئی، اس لیے بہت ممکن ہے کہ حضرت کی شخصیت کے کسی پہلو کو سمجھنے میں مجھ سے کوئی دانستہ نادانستہ غلطی ہو گئی ہو، بہر حال ایک کم فہم اور نالائق طالبِ علم جو سمجھ سکا وہ عرض کر دیا، باقی حضرت کے مزاج شناس، لائق تلامذہ اور بھی بہت سے پہلوؤں پر روشنی ڈالیں گے ان شاءاللہ ۔ راقم کا تو اصل مزاج یہی ہے کہ اپنے موجود علماء، صلحاء، اکابر، مشائخ اور اساتذہ کی وفات کے بعد، طول طویل قصیدہ خوانیوں سے بہتر ہے کہ حین حیات اپنے بڑوں کی خوبیوں کو تسلیم کر کے ان سے فائدہ اٹھایا جائے، اور مرحوم اکابر کی ایسی مبالغہ آمیز صفات بیان کرنے کے بجائے کہ جن سے وہ ایک مافوق الفطرت ہستی معلوم ہوں، اور قاری یہ سمجھ کر ہمت ہار جائے کہ بھائی ہمارے لیے ایسا بننا کہاں ممکن ہے ۔۔۔ مناسب یہ ہے کہ ان کی ایسی صفات بیان کی جائیں جو دوسرے بھی ۔ اگر چاہیں تو ۔ اختیار کر سکیں، اسی لیے اس

مضمون میں انہیں صفات کو بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے جن کا حصول بہت زیادہ مشکل نہیں ہے، بس مضبوط قوتِ ارادی، مسلسل محنت اور توجہ الی اللہ کی ضرورت ہے۔

آیئے ان صفات کو حاصل کرنے کا عزم کریں اور حضرت کے مشن کو زندہ رکھیں یہی ہم سب کی طرف سے حضرت الاستاذ کو سچا خراج عقیدت ہو گا۔ان شاءاللہ

بیا تا گل بیفشانیم و مے در ساغر اندازیم ☆ فلک را سقف بشگافیم و طرحِ دیگر اندازیم

اللہ حضرت الاستاذ کو حلۂ مغفرت سے آرستہ فرمائے، قرب کے اعلی درجات عطا فرمائے، آپ کے تمام متعلقین کو عموما اور اہلِ خانہ کو خصوصا صبر جمیل عطا فرمائے، امت کو بالخصوص دارالعلوم دیوبند کو آپ کا نعم البدل عطا فرمائے، ہم سب کے لیے بھی خاتمہ بالخیر مقدر فرمائے اور منجملہ دیگر مسلمانوں کے اس نابکار کو بھی زمرۂ مغفورین میں محشور فرمائے آمین۔

تھی جو وہ شمعِ ہدایت آج گُل ہو ہی گئی

استاذِ عالی شان کی یاد میں چشمِ گریاں کے چند آنسو

خامۂ نالہ کش، اسعد اللہ قاسمی مظاہری، یکے از خوشہ چینِ علومِ سعید، در بھنگہ، بہار، الہند

مورخہ 25/ رمضان المبارک 1441ھ مطابق 19/ مئی 2020ء، بروزِ منگل صبح کی ابتدائی ساعتوں میں محفلِ گیتی میں یہ کُہرام مچ گیا کہ محرمِ اسرارِ قرآں، رموزِ حدیث کے رازداں، اصولِ دینِ حق کے پاسباں، علم وفن کے مہرِ درخشاں، دشتِ معرفت کے حدی خواں، صدق وحق کے شیرِ نیستاں، فریدِ عصر وخلدِ آشیاں، مردِ عالی مردِ ذیشاں، اُستاذ الاساتذہ، حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری قدس اللہ سرہ نے ہندوستان کے تجارتی دارالسلطنت شہرِ ممبئی میں اپنی زندگی کی آخری سانس لے لی۔

اناللہ وانا الیہ راجعون

آہ!! جس قدسی الاصل کی مجلسِ علم وعرفاں میں فرشتے فخر وناز سے شرکت کرتے تھے، وہ مجسمۂ علم وفن ہم سے روٹھ گیا۔ آہ صد آہ!! جس شمعِ عرفان وصداقت کی زبان سے قریب نصف صدی تک قال اللہ و قال الرسول کے زمزمے بلند تھے، وہ عُقدہ کُشائے سُخن ہمیں داغِ مفارقت دے گیا۔ اُف!! جس سراپا مہر ومحبت شہنشاہِ تدریس سے لاکھوں تشنگانِ علوم نے اپنی پیاس بجھائی تھی، وہ گوہرِ یکتائے فن ہم سے جدا ہو گیا۔ اُف صد اُف!! جس پیکرِ خلوص ویقین کے جوہر ریز قلم سے علم و تحقیق کے چشمے پھوٹتے تھے، وہ فخر ونازشِ چمن ہم سے بچھڑ گیا۔

آپ کے وصالِ پُر ملال کی خبرِ وحشت اثر پوری دنیا میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی، آنکھوں سے اشہائے غم ٹپکنے لگے، شاگرد ہچکیاں لے کر رونے لگے، مشائخ کے شگفتہ چہرے مُرجھا گئے، ایسا معلوم ہونے لگا کہ آج ہر شخص کی تمام شادمانیاں چھین لی گئیں، اس کے سر سے ایک ٹھنڈی چھاؤں کا سایہ اٹھ گیا۔ آج صرف دارالعلوم کا ہی نہیں، بلکہ پورے ملک، پورے ایشیاء، اور پورے عالمِ اسلام کا سرمایۂ سکون لٹ گیا۔

رواں ہوں نہ آنکھوں سے کیوں غم کے دھارے

نہ مایوس ہوں کیوں جہاں کے نظارے

لرزتے ہیں پلکوں پہ آکر ستارے

جدا ہو گئے ہائے! محُسن ہمارے

وہ جب یاد آئیں گے، آیا کریں گے

ہمیں خوں کے آنسو رُلایا کریں گے

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات کی خبر دیکھتے ہی دل پر شدید چوٹ لگی، بلکہ شیشۂ دل چور چور ہو گیا، آنکھیں اشک ریز ہو گئیں، ہوش وحواس پر کاری ضرب لگی، اور طبیعت بوجھل سی ہو گئی، کچھ لکھنا تو درکنار، بلکہ سوچنا بھی سوہانِ روح! اسی اداسی وپژمردگی میں دو دن گذر گئے، ہر وقت ذہن ودماغ کے پردے پر طالب علمی کی کئی حسین ودلکش یادیں جھلملاتی رہیں ،اور یوں محوس ہوتا رہا کہ میں آج سے نو سال قبل 2011ء کے عرفان انگیز ومشک بیز درسِ بخاری میں ہوں، جو میرے دورۂ حدیث کا سال تھا۔

بیٹھا ہوں مست وبے خود خاموش ہیں فضائیں

کانوں میں آرہی ہیں، بھولی ہوئی صدائیں

پھر آج جب میں نے ہوش سنبھالا، عقل وخرد نے رہبری کی، تب میرا سوگوار قلم لوحِ قرطاس سے لپٹ لپٹ کر آنسوؤں کا سیلاب بہانے لگا۔ آہ! کتنا پُر کیف وپُر لطف تھا وہ زمانہ، اور کتنی خوش جمال ورنگین تھیں وہ گھڑیاں، جب ہم صبح کے پانچویں گھنٹے میں شیخ کی آمد کا انتظار کیا کرتے تھے، حضرت کی آمد سے پہلے ہی ہم اپنی نشست گاہ محفوظ کر لیتے، اور درس گاہ عاشقینِ علم سے کھچا کھچ بھر جاتی، جن میں بعض طلبہ دیوبند کے دوسرے مدرسوں سے بھی کشاں کشاں آگئے ہوتے۔

ذرا دیر بعد کانوں میں آواز آتی "مفتی صاحب آرہے ہیں " پھر کیا تھا، نگاہیں سب کی شمالی دروازے پر لگ جاتیں، پیچھے پیچھے صاحبزادۂ شیخ مولانا حسین احمد زید مجدہ۔۔۔ جو ان دونوں تحفۃ القاری کی ترتیب میں ہمہ تن مشغول تھے۔۔۔ اور چند وفا کیش طلبہ اور آگے آگے درویش صفت انسان۔ جس کے چہرے پر انوارِ الٰہی رقصاں۔ پیکرِ علم وعمل، شمعِ تسلیم ورضا، شانِ خُلقِ اتم، فروغِ دینِ نبی، ترجمانِ فکرِ ولی اللہی، امینِ فقہِ نعمانی، رازدارِ فقہِ ابوابِ بخاری، پاسبانِ معارفِ نانوتوی، درویشِ شب زندہ دار، مجسمۂ عشقِ رسول ، گوہرِ درجِ ہدی، نیّرِ برجِ سعادت یعنی محدثِ کبیر، شانِ دیوبند حضرت مفتی سعید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سکون ووقار کے ساتھ آتے ہوئے دکھائی دیتے، گرد وپیش کی فضاء خوشبوؤں سے معطر ہوتی چلی جاتی، پھر آپ درس گاہ میں مُحدّثانہ شان سے داخل ہوتے، اور مسند کے پاس کھڑے ہو کر سلام کرتے، پھر خاشعًا ومتواضعًا مسندِ تدریس پر جلوہ گر ہوتے، چند لمحوں کے لیے فضا ساکت وخاموش ہو جاتی ،اس وقت عجیب کیفیت محسوس ہوتی۔

نظر میں ہے اب تک وہ رنگین زمانہ

نشیلا نشیلا، سُہانا، سُہانا

اُس سال حضرت کے درسی افادات کے شاہکار مجموعہ تحفۃ القاری کی تالیف وترتیب کا سلسلہ جاری تھا، اس لیے حدیث شریف کی قراءت خود سے شروع فرماتے اور سبق شروع ہو جاتا، پھر کیا تھا، دارالحدیث کے بام ودَر فرطِ شوق میں وجد میں آجاتے

،ایک عجیب مسرت بخش سماں ہوتا، پُرشوکت لہجہ اور ذوقِ عرفاں سے سرشار آواز، علم کا بے پایاں سمندر موجیں مارنے لگتا، مذاہب کا بیان، امامِ ابو حنیفہ کے مسلک کی تحقیق وتنقیح، حدیثی معنی آفریں نکات، سندورجال کی پُر مغز بحثیں، تصوف کے اسرار ورموز، کلام وحکمت کی دقیق باتیں، سب ہی کچھ سبق میں زیرِ بحث آجاتا، بلکہ یوں سمجھیں کہ منقولات ومعقولات کے نکات ہائے گنجلک جب تک سلجھ نہ جاتے برابر تقریر جاری رہتی۔

موضوع پر مکمل توجہ مرکوز رکھتے، اور متعلقہ تمام دلائل وبراہین اس قدر خوش اسلوبی اور منطقی ترتیب سے بیان فرماتے کہ طلبہ عش عش کرنے لگتے۔ گفتگو ٹھہر ٹھہر کر، صاف اور شیریں ہوتی، یوں محسوس ہوتا کہ لبوں سے پھول جھڑ رہے ہیں، اندازِ تفہیم مرتّب ودل نشیں ہوتا، یوں لگتا کہ آپ صرف پڑھا نہیں رہے ہیں، بلکہ سامعین کے دلوں پر علوم ومعارف کا نقشِ جمیل مرتسم کررہے ہیں، اسی لیے بد شوق طالبِ علم بھی آپ کے درس میں جس شوق وذوق سے شرکت کرتے وہ دِیدَنی ہوتا۔

آواز میں نہایت کشش اور سحر آفرینی تھی کہ ڈھائی، تین گھنٹے کا یہ سبق طلبہ کو بالکل گراں معلوم نہ ہوتا، بلکہ وہ کانھم علی رؤسھم الطیور کی دل کش تصویر بنے آپ کی طرف ہمہ تن گوش رہتے۔ دورانِ تقریر جب کسی ایک بحث کو مکمل فرماتے، تو اپنے مخصوص ودل کش انداز میں ایک دو مرتبہ *لا الہ الا اللہ* کا وِرد فرماتے، جس سے سامعین کے دل ودماغ میں نشاط کی ایک لہر دوڑ جاتی تھی۔

آپ آغازِ سال میں اپنے ایک منفرد انداز کی نشاندہی کرتے ہوئے فرماتے کہ: جب میں کہوں "حضرت شاہ صاحب قدس سرّہ" تو اس سے مراد "مُسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ" ہوں گے۔ اور جب کہوں "ہمارے حضرت شاہ صاحب قدّس سرّہ، تو اس مراد "محدّثِ عصر حضرت علّامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ" ہوں گے۔

آپ طلبہ کو اس بات کا پابند بناتے کہ وہ ہمارے آنے سے پہلے درس گاہ میں موجود رہیں، اور اس کی سختی سے نگرانی فرماتے ،چناں چہ اگر کوئی طالبِ علم آپ کی درس گاہ تشریف آوری کے بعد درس گاہ حاضر ہوتا، تو کیا مجال کہ وہ سبق میں شامل ہو جائے ،اسے فوراً باہر کر دیا جاتا، اور آپ بر آشفتہ ہو کر فرماتے کہ: "اِسے باہر نکالو، چل چلا جا، تیرے بغیر بھی سبق ہو جائے گا"۔

حضرت الاستاد رحمۃ اللہ علیہ بعض اوقات دورانِ درس خوش طبعی کی باتیں بھی ارشاد فرماتے، جس سے محفلِ درس کشتِ زعفران ہو جاتی۔

ذوق کو تازگی بخشنے کے لیے دو نمونے پیشِ خدمت ہیں:

(ا) دورۂ حدیث شریف میں انتظامیہ کی طرف سے ایک ملازم مامور ہوتا ہے، جو برقی امور کو دیکھتا ہے، تاکہ مائیک کا نظام مختل نہ ہو۔

ایک مرتبہ آپ اس ملازم سے ازراہِ خوش طبعی یہ فرمانے لگے کہ: "سالوں سے تم یہاں بیٹھتے ہو، تمام شیوخ کے دروس سنتے ہو، اب

تک تو تمہیں حافظِ حدیث ہو جانا چاہیے". اس پر محفلِ درس میں ہنسی کی لہر دوڑ گئی، خود حضرت بھی مسکرانے لگے اور وہ ملازم بھی ہنس پڑا۔

(۲) بعض اوقات ائمہ کے مختلف فیہ مسائل پر تبصرہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے کہ: اس مسئلے میں "نص فہمی" یعنی "دلیل فہمی" کا اختلاف ہے، دلیل کا اختلاف نہیں ہے، یعنی ایک ہی نص کو کسی امام نے ایک طرح سے سمجھا ہے اور اسی نص کو دوسرے امام نے دوسری طرح سے سمجھا۔

اسی پس منظر ایک مرتبہ دورانِ درس فرمانے لگے کہ: طلباء اصطلاح بھی نہیں سمجھتے، مجھ سے ایک طالب علم نے پوچھا کہ آپ جو یہ "نسخ فہمی" ارشاد فرماتے ہیں، اس کا کیا مطلب ہے؟ طالبِ علم اپنی کم علمی کی وجہ سے "نص فہمی" کو "نسخ فہمی" سمجھ بیٹھا، جس کا اس تناظر میں کوئی معنی نہ تھا، اس لیے طلبہ اس علمی لطیفے سے خوب محظوظ ہوئے اور ہنسنے لگے اور حضرت بھی تبسم فرمانے لگے۔

آہ! آپ کی ہر شان وادا میں کیا تاثیر تھی، آج جب یہ باتیں یاد آرہی ہیں، تو دل پارہ پارہ ہو رہا ہے، آنکھیں نَم ہو رہی ہیں، اور قلم پر لرزش طاری ہے۔ حضرت الاستاد رحمۃ اللہ علیہ دورانِ سبق نصیحت آمیز سلف کے چیدہ چیدہ واقعات بھی سناتے، اور طلبہ کو مَہمیز کرنے کے لیے بعض اوقات مختلف چشم کُشا، تحیُّر آفریں اور سبق آموز باتیں ارشاد فرماتے: ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ: گجرات کے بعض اہلِ مدارس ہم سے کہتے ہیں کہ: ہمیں کوئی مشّاق و دیدہ وَر شیخ الحدیث دو، تو ہم ان سے کہتے ہیں کہ "ماؤں نے شیوخ الحدیث جننے چھوڑ دیے "

میں نے بارہا آپ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ: "بتّیس سالوں سے دارالعلوم کو اچھے مفتی کی تلاش ہے، جو ملک کے طول وعرض میں نہیں ہیں، اور چند ہیں بھی، تو وہ اپنی جگہ کام کر رہے ہیں، آتے نہیں"۔

آپ کی یہ بات بھی طلبہ کے لیے بہت سبق آموز ہوتی، جو آپ اکثر ارشاد فرماتے کہ: "جب سے طلبہ کے ذہن میں یہ بات آگئی کہ ہم فاضل ہو گئے، ان کی علمی ترقی رک گئی، اس لفظِ فاضل نے ان کا ناس پیٹ دیا، ارے بھائی! فاضل تو کوڑا کرکٹ کو کہتے ہیں۔ فاضل من الفضیلۃ بننے کے لیے پوری زندگی محنت شرط ہے"۔

آہ کل جب یہ جملے یاد آتے تو فرحت ونشاط اور جوشِ عمل کا باعث بنتے تھے، آج جب یاد آتے ہیں تو کرب ناک اور سوہانِ روح بنتے ہیں۔

عہدِ ماضی عذاب ہے یارب
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

آپ نے کم وبیش پینتیس سال تک گلشنِ نانوتوی میں سننِ ترمذی کا درس دیا اور 2009 سے تادمِ زیست صحیح بخاری بھی آپ کے زیرِ درس رہی۔

مفتی صاحب کا صرف یہی روشن کارنامہ نہیں ہے کہ انھوں نے کم وبیش نصف صدی تک علمِ حدیث کے نغمے سنائے اور ہند و بیرونِ ہند کے ہزاروں طلبہ ان کے علوم و معارف سے سرشار ہوئے، بلکہ ان کا ایک درخشاں کارنامہ یہ بھی ہے کہ ان کے عنبریں، عطرپاش، سدا بہار اور بدیع آثار قلم سے اکثر اسلامی اور عربی علوم وفنون پر کم و بیش پچاس کتابیں وجود میں آئیں، جن میں بعض کئی کئی جلدوں پر مشتمل ہیں۔

برِّ صغیر پاک وہند میں قبولیت یافتہ سنن ترمذی کی شاہکار شرح "تحفۃ الالمعی" آٹھ جلدوں میں،۔۔۔۔۔ صحیح بخاری کی مشہور ترین شرح "تحفۃ القاری" بارہ جلدوں میں۔۔۔۔ فہمِ قرآن کی شاندار کلید "ہدایت القرآن" پانچ جلدوں میں۔۔۔۔ اور مُسْنِد الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدّثِ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی عدیم النظیر، لیکن ادق ترین تصنیف "حجۃ اللہ البالغہ" کی فقید المثال اور جامع ترین شرح "رحمۃ اللہ الواسعہ" پانچ جلدوں میں۔

اس مُؤخّر الذکر شرح نے اپنے یومِ اشاعت سے آج تک علمی حلقوں میں خوب دھوم مچائی ہے، اور بڑے بڑے جبالِ علم وفن سے اپنی جامعیت و معنویت کا لوہا منوایا ہے۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ دورانِ سبق سفر پسند نہیں کرتے، البتہ چھٹیوں کے ایام میں ملک وبیرونِ ملک سفر فرماتے، اور پُر مغز علمی واصلاحی خطابات فرماتے تھے، آپ کے یہ شہ پارہ خطابات جہاں سامعین کے مردہ ضمیروں کو اس بات کے لیے جھنجھوڑتے کہ وہ اپنا سمتِ سفر تبدیل کریں، اور آخرت کو اپنا نصب العین بنائیں، وہیں وہ صد پارہ خطابات مختلف پیچیدہ اور مشکل علمی مسائل سے پردے ہٹاتے اور اہلِ علم و دانش کی تسکینِ روح کا سامان فراہم کرتے۔

میں نے سب سے پہلے حضرت الاستاد رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر اس وقت سنی جب میں 2001ء میں دارالعلوم بالا ساتھ ہیتامڑھی، بہار میں شعبۂ حفظ کا ایک کمسن طالبِ علم تھا اور آپ جلسۂ دستار بندی میں تشریف لائے تھے، مجھے خوب یاد ہے کہ آپ نے "سورۃ العصر" کی روشنی میں نہایت پُر مغز تقریر فرمائی تھی۔

وہ تقریر کیا تھی! صُورِ اسرافیل تھی جس نے غفلت کوش انسانوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کیا، ضربِ کلیم تھی جس نے دل کی سرد انگیٹھی کو عشق و عرفان سے سلگا دیا۔

الغرض حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی پوری زندگی نہایت ہی پُر جوشِ عمل اور سرگرمِ کار رہی۔ یوں تو مجھے ممبئی قیام کے زمانے میں آپ کی بارہا زیارت واستفادے کا موقع ملتا رہا، لیکن آپ سے بالمشافہ آخری ملاقات 2018ء کی ایک شام آگری پارہ ممبئی میں ہوئی، آپ وائی، ایم، سی گراؤنڈ میں منعقد ہونے والے "تحفّظِ سنت کانفرنس" میں شرکت کی غرض سے سہاگ پیلس میں قیام فرما تھے، میرے ایک عزیز نے مجھ سے کہا کہ: حضرت مفتی صاحب سے ایک بچے کی تحنیک کرانی ہے، آپ جب مفتی صاحب سے ملاقات کے لیے تشریف لے جائیں گے، تو میں بھی ساتھ چلوں گا، چناں چہ میں اس عزیز کے ساتھ عصر سے قبل حاضرِ خدمت

ہوا، حضرت کے ساتھ عصر کی نماز ادا کی، زائرین کا خاصہ مجمع تھا، نماز سے فراغت کے بعد میں نے کھجور بڑھائی اور کہا کہ حضرت اسے چبادیں، فرمانے لگے کہ: کیا کروگے؟ میں نے کہا کہ: تحنیک کرنی ہے، آپ نے فرمایا کہ: بچہ کہاں ہیں؟ کیوں کہ تحنیک تو میں کروں گا، بچہ لاؤ، میں کھجور کو باریک چباؤں گا اور اسے اپنے انگوٹھے پر لگا کر بچے کے تالو میں خاص انداز سے چپکاؤں گا، اس سے بچہ گلے کی بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے، اور جہروی الصوت ہوتا ہے، یعنی اس کی آواز بلند ہوتی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جب کوئی بچہ پیدا ہوتا، تو بچے کو پیدائش کے بعد کچھ کھانے پینے سے پہلے ہی آپ کی خدمت میں لایا جاتا، اور آپ تحنیک فرماتے تھے، اور پھر آپ نے فرمایا کہ تحنیک کا یہی صحیح طریقہ ہے۔ میں نے کہا کہ حضرت! بچہ تو ساتھ میں نہیں لایا، آپ کھجور چبادیں، تحنیک نہ سہی، تبرک سہی! آپ نے فرمایا کہ: ہاں! اسے تبرک کہہ سکتے ہو، تحنیک مت کہو، پھر میں نے آپ کو کھجور پیش کی اور آپ نے اسے باریک چبا کر مجھے عنایت فرمائی۔ آہ! اب کون ہمیں یہ باریکیاں بتائے گا؟ کون ہماری غلطیوں کی اصلاح کرے گا۔

آپ نے 1940 میں صوبۂ گجرات کے ضلع پالن پور میں اس دنیائے آب وگل میں آنکھیں کھولیں،، 1962 میں دارالعلوم دیوبند سے فضیلت کی تکمیل کی اور 1972۔73 میں دارالعلوم دیوبند میں مسندِ تدریس پر جلوہ افروز ہوئے اور تادمِ واپسیں حدیث وفقہ کی امہاتِ کتب کا شاہانہ درس دیا۔ آپ نے آیۃ من آیات اللہ، حجۃ اللہ فی الارض شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجرِ مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے اپنے اصلاحی تعلق کی شروعات کی تھی، بعد میں فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے خلعتِ خلافت حاصل ہوئی۔

راہِ علم کا یہ بوڑھا مسافر کم وبیش زندگی کی اسّی بہاریں دیکھ کر رحمتِ خداوندی کے جشنِ سالانہ یعنی ماہِ رمضان میں ہمیشہ ہمیش کے لیے راہیٔ ملک عدم ہوگیا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

آ عندلیب مل کر کریں آہ وزاریاں

توہائے گل پکارے میں چلاؤں ہائے دل

سید الشہور کی اتنی مبارک ساعتوں میں آپ کا اس جہانِ فنا سے جہانِ بقا کا سفر!! خدا کی بے پناہ نوازشوں سے مجھے یہ یقین ہے کہ میرے استاذِ عالی شان کا عالمِ بالا میں پُرجوش خیر مقدم کیا گیا ہوگا۔

بہشتِ بریں کو سجایا گیا ہے

درِ خُلد کو جگمگایا گیا ہے

صدائے "سلامٌ علیکم" کہیں ہے

کہیں دعوتِ "فَادْخُلوُ خَالِدیں" ہے

چلے آیئے آپ کا گھر یہیں ہے

یہی آج آوازِ خُلدِ بریں ہے

زندگی بھی خوب گزری، اور موت بھی پاکیزہ پائی

عاشَ سعیدًا ومات حمیدًا

کتنی مبارک وبابرکت تھی وہ شخصیت جس کے فیوض وبرکات سے بہرہ ور ہونے والوں کی تعداد ہزاروں سے گذر کر لاکھوں تک پہنچ چکی تھی، ایک ایسی جامع، مقدس، انوار وبرکات کی حامل شخصیت کا ہم سے رخصت ہو جانا اس صدی کا عظیم سانحہ اور ناقابلِ تلافی نقصان ہے، ایسی جامع ہستیاں صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں، اور اُٹھ جاتی ہیں، تو ان کی جگہ پُر ہونا مشکل ہوتا ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

آپ کی نمازِ جنازہ دو مرتبہ پڑھائی گئی: پہلی نمازِ جنازہ آپ کے گوشۂ جگر مولانا عبد الوحید صاحب زید مجدہ نے احاطۂ ہاسپٹل میں پڑھائی، اور دوسری نمازِ جنازہ آپ کے فرزندِ ارجمند مولانا عبد اللہ صاحب زید لطفہ نے احاطۂ اوشیورہ مسلم قبرستان جوگیشوری میں پڑھائی۔ اور بالآخر پچیس رمضان المبارک عصر ومغرب کے درمیان اس آفتابِ رشد وہدایت کو۔۔۔ جس کی روحانی کرنیں اب تک چمک رہی ہیں اور پون صدی سے کچھ زائد تک چہار دانگ عالم میں چمکیں، اور جب تک دنیا میں اہلِ نظر مجود رہیں گے، چمکتی رہیں گی،۔۔۔ قبر کے خاکی ذروں میں چھپا دیا گیا۔ اور یوں آپ شہرِ خموشاں میں ہمیشہ ہمیش کے لیے میٹھی نیند سو گئے۔

ذھب الّذین یُعاشی فی أکنافھم

بقی الّذین حیاتھم لاتنفع

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے بہت سے درخشاں پہلو ہیں، جن پر ان شاء اللہ اہلِ قلم لکھیں گے اور خوب لکھیں گے، ہم نے چند بے ربط سی باتیں خراجِ عقیدت کے طور پر بروقت تحریر کر دی ہیں۔ بارِ خدایا! میرے استاذِ عالی شان کی تُربت پر رحمت کے پھول برسا، درجاتِ عالیہ نصیب فرما، مادرِ علمی کو نعم البدل عطا فرما، اور ہم فُرقت زدوں کے مجروح دلوں کو صبر وسکون عطا فرما۔ آمین بجاہ النبی الامین

ابرِ رحمت ان کے مرقد پر گہرباری کرے ☆ حشر میں شانِ کریمی ناز برداری کرے۔

(۲۷/رمضان المبارک، 1441ھ مطابق 21/مئی 2020ء بوقت: 11:50 نصف النہار)

❐❖❐

فقیہ النفس محدث جلیل مفتی سعید احمد پالنپوری کی رحلت؛

تیری جدائی سے مرنے والے، وہ کون ہے جو حزیں نہیں ہے۔

ڈاکٹر جسیم الدین، گیسٹ فیکلٹی شعبۂ عربی دہلی یونیورسٹی، دہلی

کائنات کا روز ازل سے یہ دستور ہے کہ جو بھی کارگہ عالم میں آیا ہے، اسے ایک نہ ایک دن جانا پڑے گا، لیکن بعض ہستیاں ایسی ہوتی ہیں، جن کے وجود سے ایک انجمن آراستہ رہتی ہے اور ان کے جانے سے انجمن کی رونق ماند پڑ جاتی ہے، استاذ محترم فقیہ النفس، محدث جلیل مفتی سعید احمد پالنپوری بلاشبہ ایسی شخصیت تھے کہ جن کے وجود مسعود سے دار العلوم دیوبند کی علمی فضا معطر ومشکبار تھی، آپ کی ذات والا صفات قرن اول کی سادگی کا نمونہ تھی، آپ کی طبیعت میں حلم وبردباری، مزاج میں انکساری اور زبان میں شیرینی تھی، آپ علم القرآن کے شیدائی، علم الحدیث کے رسیا اور فقہ اسلامی کے رمز شناس تھے، آپ کے بیان میں شیفتگی، تحریر میں شگفتگی تھی، آپ فقید المثال اساتذہ کے شاگرد اور نامور شاگردوں کے استاذ تھے، چہرہ مہرہ شرافت کی دستاویز، دل خوف غیر اللہ سے خالی، دماغ غور وفکر کا خزینہ اور آپ کا سراپا اکابر واسلاف کا نمونہ تھا۔ آپ کی رحلت سے ایک فرد یا ایک خانوادہ ہی نہیں بلکہ پوری ملت اسلامیہ مغموم ورنجور ہے، آپ ملت اسلامیہ ہند کے لیے جہاں گراں مایہ تھے، وہیں علوم نبویہ کے طالبعلموں کے لیے چشمۂ صافی تھے۔ آپ کے علم وفضل کا دائرہ غیر محدود تھا، آپ کے درس حدیث کا عالم میں غلغلہ تھا۔ صرف دار العلوم دیوبند میں داخلہ پانے والوں نے ہی آپ کے علم وفضل سے استفادہ کیا، بلکہ آپ کی بیش قیمت تصانیف وتالیفات سے بلا تفریق مذہب وملت ہر خاص وعام نے کسب فیض کیا۔ آپ کی غیر معمولی علمی خدمات کے اعتراف میں صدر جمہوریہ ہند کی طرف سے ایوارڈ بھی پیش کیا گیا۔ بلاشبہ آپ کی ذات والا صفات ہر چند کہ اس طرح کے ایوارڈ سے بلند وبالا تھی، لیکن آپ نے حب الوطنی کو مد نظر رکھتے ہوئے حکومت ہند کی طرف سے دیے جانے والے اس اعزاز کو قبول فرمالیا تھا۔

آپ کو ذات باری تعالی نے جہاں قرطاس وقلم کی بے پایاں قوت واستعداد سے سرفراز کیا تھا، وہیں آپ کی شخصیت رجال سازی کے لیے مشہور تھی، آپ نہ صرف اپنے گرد وپیش رہنے والے طلبہ کے لیے فکرمند رہتے، بلکہ طلبہ کی پوری برادری کے لیے دل دردمند رکھتے تھے، راقم الحروف نے 2001 میں آپ سے جامع ترمذی جلد اول پڑھی۔ درس وتدریس میں آپ کے کچھ منفرد اصول وضوابط تھے، جن پر اخیر وقت تک سختی سے قائم رہے، یوں تو آپ کا طریقۂ تدریس ہی ممتاز خصوصیات کا حامل تھا، شاید ہی کوئی طالب علم آپ کے سبق سے غیر حاضر ہوتا، جامع ترمذی جلد اول کی عبارت خوانی کے لیے بھی چند طلبہ کو اپنی رہائش گاہ پر بلاتے اور فرداً فرداً عبارت خوانی کراتے اگر آواز مترنم اور پرکشش ہوتی تو زہے نصیب، ورنہ جامع ترمذی کی عبارت خوانی کے شرف سے محروم رہنا پڑتا، صرف سماعت سے مستفید ہوتے۔ وقت کی پابندی کا یہ عالم تھا کہ بعد نماز مغرب متصلاً درس حدیث

شروع ہو جاتا، مفتی صاحب کے ورود مسعود سے پہلے تمام طلبہ کی درسگاہ (دارلحدیث تحتانی) میں اپنی نشستوں پر موجودگی لازم ہوتی، مفتی صاحب رونق افروز ہوتے اور عشا کی اذان تک تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ تشنگان علوم حدیث کو اپنے منفرد اسلوب وانداز میں سیراب کرتے۔ بطور خاص سال کے اختتام پر آخری سبق جو سبھی طلبہ کے لیے اپنے میدان عمل میں نہ بھلایا جانے والا سبق ہوتا، اس سبق میں آپ کا انداز وآہنگ اتنا پر تاثیر ہوتا کہ طلبہ کی ایک بڑی تعداد جہاں آپ کے ارشادات کو قلمبند کرتے وہیں کچھ طلبہ ٹیپ ریکارڈ کی مدد سے ریکارڈنگ میں مصروف رہتے، اور باقی ہمہ تن گوش ہوکر میدان عمل میں اترنے کے لیے جن آلات کی ضرورت درپیش ہوتی ہیں ان کے بارے میں کیا تیاری ہو اور کس نہج پر ہو گرہ باندھ لیتے۔ اس آخری سبق میں جہاں مفتی صاحب اپنے طلبہ کو بیش بہا پند ونصائح سے نوازتے وہیں مدارس کے مروجہ نظام (چندہ وغیرہ) پر کھل کر تنقید بھی فرماتے اور بطور خاص ناقص الاستعداد طلبہ سے منصب اہتمام سے خود کو دور رکھنے کا عہد وپیمان بھی لیتے، مفتی صاحب کا نقطۂ نظریہ تھا منصب اہتمام مدرسہ آگ پر چلنے کے مترادف ہے، اگر یہ کوالیٹی آپ میں ہے تو آپ شوق سے منصب اہتمام کو سنبھالیے، ورنہ نہیں۔ تبلیغی جماعت میں علماء کی شمولیت کتنا مفید اور کتنا مضر؟ اس حوالے سے بھی پر تاثیر خطاب فرماتے کہ جو جید الاستعداد طلبہ ہوں وہ فراغت کے فوراً بعد سال بھر کے لیے دعوت وتبلیغ میں جانے کے بجائے تخصصات کے شعبوں میں وقت لگائیں، ہاں جو متوسط ہیں وہ درس وتدریس سے جڑ جائیں اور جو ناقص الاستعداد ہیں وہ مسجد سے وابستہ ہو کر اذان وامامت کی ذمہ داری نبھائیں۔ آپ جہاں علم حدیث میں ید طولیٰ رکھتے تھے، وہیں آپ علم کلام اور علم فقہ میں بھی ممتاز ومنفرد مقام رکھتے تھے۔ آپ نے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی شہرۂ آفاق تصنیف 'حجۃ اللہ البالغہ' کی شرح 'رحمۃ اللہ الواسعہ' کے نام سے تقریباً چار جلدوں میں لکھی، حجۃ اللہ البالغہ کی شرح 'رحمۃ اللہ الواسعہ' میں مفتی صاحب نے جس انداز میں شاہ ولی اللہ کے علوم ومعارف کی تشریح وتوضیح کی ہے وہ آپ کی امتیازی شان ہے۔

آپ فقیہ النفس تھے، فقہ جو دراصل قرآن وحدیث فہمی کے بعد اس سے مستنبط ہونے والے مسائل کا مصدر وسرچشمہ ہے، اس میں بھی آپ کو رب ذوالجلال نے آفاقیت عطا فرمائی، آپ قدیم مختلف فیہ مسائل کو جس انداز سے تشریح وتوضیح کرتے ہوئے فقہ حنفی کی وجہ ترجیح کو احادیث اور آیات قرآنی سے ثابت کرتے، یہ بھی آپ کا یگانہ انداز ہوتا تھا، جدید مسائل میں بھی امت مسلمہ کی رہنمائی کا فریضہ جس انداز میں انجام دیا، وہ بھی قابل رشک ہے، حال ہی میں 'کورونا' کے ختم ہو جانے کے سلسلے میں 'ثریا' ستارہ کے طلوع ہونے کے بعد بیماری کے خاتمہ کا سبب ہونے کے بارے میں جو غلط فہمیاں پھیلائی گئیں تھیں اس کی واضح تردید کرتے ہوئے بہت ہی مفصل محدثانہ خطاب فرمایا جو یوٹیوب وغیرہ پر موجود ہے۔ غرضیکہ قدیم مختلف فیہ فروعی مسائل میں مضبوط رائے کے ساتھ نصوص شرعیہ کو پیش کرنے اور اختلاف کو رفع کرنے میں قسام ازل نے غیر معمولی قدرت دی تھی۔ چھ دہائیوں سے مسلسل درس وتدریس اور پچھلے اڑتالیس برسوں سے دارالعلوم دیوبند کی مسند درس وتدریس اور شیخ الحدیث مولانا نصیر

احمد خان صاحب رحمہ اللہ کی وفات کے بعد 2009 سے بحیثیت شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند کی آن بان شان تھے۔ آپ کا وجود ایک ادارہ، آپ کی شخصیت ایک انجمن اور آپ کی ذات ایک جماعت تھی۔ کاش ابھی آپ داغ مفارقت نہ دیتے، لیکن قدرت کے منشا کے سامنے انسان بے بس ہے۔ اس مبارک ماہ میں آپ کی رحلت قابل رشک ہے، ساتھ ہی آپ کی رحلت سے نہ صرف وابستگان دارالعلوم دیوبند کا بلکہ پوری ملت اسلامیہ کا جو ناقابل تلافی نقصان ہوا ہے، اللہ اس کی بھرپائی کرے۔ رب ذوالجلال آپ کے درجات کو بلند فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے۔ ع

تیری جدائی سے مرنے والے، وہ کون ہے جو حزیں نہیں ہے؟

حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری رح کی وفات پر مولانا انور صاحب کاوی کا تاثر

(استاد دارالعلوم کنتھاریہ)

آسمان علوم قرآن وحدیث وفقہ واسرار شریعت کا روشن ستارہ حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری کا آج مؤرخہ ۲۵ رمضان المبارک ۱۴۴۱، مطابق ۱۹ مئی صبح چاشت کے وقت ضیقُ النفس کی تکلیف میں دار فانی سے دارِ بقاء رحلت فرما گئے، بندہ کو ۱۹۷۵ء دارالعلوم دیوبند میں حضرت کے ادنیٰ شاگردوں میں شمار ہونے کا موقع اللہ نے دیا، حضرت رح سے احقر نے دو کتابوں میں تلمُّذ کا شرف حاصل ہوا، علم کلام میں مسامرہ اور ادب میں متنبی، اس انتساب کو احقر اپنا فخر سمجھتا ہے۔

دوستو! زمانہ بہتوں کو رویا ہے، اور آئندہ بھی بہتوں کو روئیگا، لیکن ایسی شخصیت کے لئے رونا جس کے بعد کوئی اس کا جانشین نظر نہ آوے نہایت رنج وغم افسوس کا باعث ہوتا ہے، حضرت رح فکر ولی اللہ اور حکمت قاسمیہ کے صحیح معنی میں ترجمان اور چلتی پھرتی زندہ شرح تھے، حضرت رح کے علوم میں فکر ولی اللہ اور حکمت قاسمیہ کی پوری پوری جھلک نظر آتی ہے، آپ رح اپنی خداداد صلاحیت سے عمیق سے عمیق مباحث محسوس اور مشاہدہ کروادیتے تھے، حضرت کی تصانیف سے یہ بات صاف واضح ہے۔

افسوس ہے کہ ہماری قوم بنسبت اس کے کہ عملی طور پر کوئی کام کرے زبانی عقیدت بہت زیادہ ظاہر کرتی ہیں، ہماری زندہ قوم کا یہ کام نہیں کہ جب کوئی شخصیت جنکے ساتھ قوم وملت کی قسمت وابستہ ہو مر جاوے اور دنیا سے اٹھ جاوے تو چند کلمات حسرت و افسوس کے کہہ کر خاموش ہو جاوے یا چند آنسو آنکھ سے بہا کر اور رومال سے پوچھ کر چہرہ صاف کر لیں بلکہ انکا فرض ہے کہ ایسی شخصیت کی یادگاری کو قائم رکھیں، اس لئے ہم حضرت رح کی علمی وراثت کا مطالعہ کریں، انکے علوم کو اس طرز سے جس طرز سے حضرت رح پیش فرماتے تھے باقی رکھے۔

آہ آج علوم شرعیہ کا گنج گراں مٹی کے نیچے دفن ہو گیا، حضرت شیخ الھند رح کے شعر پر جو حضرت نانوتوی رح کے دفن کے وقت پڑھا تھا۔

مٹی میں کیا سمجھ کے دبائے ہو دوستو گنجینہ علوم ہے یہ گنجینہ زر نہیں

بس اسی پر بات پوری کرتا ہوں۔

از مولانا انور بن علی صاحب کاوی، استاذ حدیث دارالعلوم عربیہ اسلامیہ محمود نگر بھروچ کنتھاریہ - گجرات

۲۵ رمضان المبارک ۱۴۴۱، ۱۹ مئی ۲۰۲۰ء

نابغہ روزگار شخصیت تھے مفتی سعید- نوراللہ مرقدہ-

شیخ الحدیث دار العلوم حضرت الأستاذ مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری-رحمہ اللہ علیہ-

کی علمی و عملی زندگی کی ایک جھلک؛ کچھ یادیں کچھ باتیں.

از قلم: محمد عطاء اللہ داؤدالقاسمی، ریسرچ اسکالر جامعہ ام القری مکہ مکرمہ

عالم بالا کے فیصلے سے کسی کو مفر نہیں، موت کا ایک وقت مقرر ہے، ہر کسی کو اس کا مزہ چکھنا ہے،"کل نفس ذائقة الموت "(آل عمران:١٨٥)مکہ میں رمضان کی چھبیسویں، جبکہ ہندوستان میں رمضان کی پچیس اور عیسوی 19_5_2020م تاریخ تھی، بعد نماز فجر واٹس آپ کے زریعے خبر ملی کہ، حضرت اس دنیاں کو چھوڑ چکے ہیں۔

بچھڑے وہ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی

ایک شخص پورے شہر کو ویران کر گیا

اناللہ وانا الیہ راجعون، بہت دیر تک افسوس میں ڈوبا رہا، بار بار میسیج کو پڑھتا رہا، آنکھیں نم اور دل سے آہیں نکل رہی تھیں، کہ سالار قافلہ کی علمی شہادت ہوگئی، ایک روشن دماغ تھا نہ رہا، ایک کامیاب معلم ومربی ہمارے درمیان سے اٹھ گئے، ایک مخلص ناصح، ایک عظیم محدث، ایک گوہر نایاب فقیہ جو حقیقتہ فقیہ النفس تھے، رخصت ہوگئے، اللہ نے آپکو جو کسبی اور وہبی صلاحیتیں دی تھیں بے مثال تھی؛ ہر فن سے دلچسپی ہر علوم سے لگاؤ، نحو وصرف منطق وفلسفہ، اصول فقہ، اصول حدیث، ہر موضوع پہ آپ نے قلم اٹھایا، ہر فن کے زلف برہم کو آپ نے سنوارا، دوران درس آپ ایک مجتہدانہ شان میں نظر میں آتے، آپ ایک اصولی، متکلم اور فقیہ شخص تھے، دیکھنے میں بارعب، باوقار، کثیف اللحیہ، سر پہ عمامہ اور ہمیشہ جبہ میں ملبوس رہتے، جسم وجثہ کے اعتبار سے بھی باکمال شخصیت کے مالک تھے، آپ اپنے ہر قول وعمل سے نئی نسل کیلئے متفکر رہتے تھے، انکی باتوں سے نصیحتوں سے تقریروں سے پتہ چلتا تھا کہ کس قدر قوم وملت اور علمی تخلف کے تئیں متفکر ہیں، آپکے وجود سے علمی حلقہ میں ایک ولولہ ایک شور بپا تھا، انداز درس نرالا، افہام وتفہیم کے ہر گڑ سے واقف تھے۔

درس وتدریس میں آپکا نمایاں مقام

2009م1430 ھجري میں استاذ محترم سے براہ راست دار العلوم دیوبند کی عظیم پرشکوہ دار الحدیث میں بخاری شریف جلد اول اور ترمذی شریف جلد اول پڑھنے کا شرف حاصل ھوا، آپ ایک عظیم محدث، تھے، حدیث کی باریکیوں اور فنون سے گہرا لگاؤ تھا، روایت کے ساتھ ساتھ جب احادیث پہ درایہ گفتگو کرتے تو گھنٹوں گزر جاتا، کبھی کبھی متعینہ وقت سے آدھا آدھا گھنٹہ زائد گفتگو کرتے چلے جاتے کچھ پتہ نہیں چلتا، بخاری شریف کے کئی مسائل میں آپ کی رائے محدثین کی شروحات سے ہٹ کر

ہوتی، مثلا: حضرت موسی علیہ السلام اور خضر کے واقعات میں آپ کی رائے یہ تھی کہ خضر نہ نبی تھے نہ رجل صالح بلکہ میری رائے ھے، کہ ملک ارضی میں سے ہیں جسے اللہ تعالی نے تکوینی نظام کیلیے پیدا فرمایا ھے، اس پر وہ دلیل بھی دیتے تھے اور دو تین تجرباتی واقعہ بھی بیان کرتے تھے، اس طرح دیگر مختلف مقامات پر آپ کی رائے سب سے الگ ھوتی، بخاری کے درس میں اولا آپ ترجمۃ الباب. پہ بحث کرتے اور احادیث الباب اور ترجمۃ الباب میں جو باریکی مطابقت ہوتی اس پہ گفتگو کرتے، اور فرماتے بخاری شریف کے درس میں یہی اصل سمجھنا ہوتا ہے، اور ترجمہ الباب کی تشریح کے بعد امام بخاری کی فقاہت کو طلبہ کے سامنے رکھتے اور فرماتے " یہاں سے امام بخاری کی فقاہت شان چھلکتی ہے،". جب بخاری شریف کا درس شروع ہوا، پہلی حدیث پہ جب انکی گفتگو سنی، آپ کے طرز استدلال اور ترجمۃ الباب اور حدیث کے مابین مطابقت جو آپ نے بیان کیا اسے سنکر دل باغ باغ ہوگیا، بخاری شریف کا پہلا باب ھے، کیف کان بدء الوحي إلى رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امام بخاری نزول وحی کا طریقہ ذکر کرتے ہیں اور پہلی حدیث لاتے ہیں إنما الأعمال بالنيات۔ دونوں میں مطابقت کیا ہے؟ مفتی صاحب رحمہ اللہ فرمانے لگے: کہ وحی کی دو قسمیں ہیں ایک وحی متلو، (جسکی تلاوت کی جائے، دوسرا وحی غیر متلو (جسکی تلاوت نہیں کی جاتی ہے) یعنی احادیث، لہذا جو احادیث صحیحہ ثابت ہوں، لہذا إنما الأعمال بالنیات والی حدیث وحی میں سے ہے یہ مطابقت ہے۔

یہ ایک مثال ہم نے پیش کی بخاری شریف کے بیشتر مقامات پہ آپنے امام بخاری کی آراء سے اختلاف کیا، اور کھل کر فرماتے اس جگہ ہم ان سے اختلاف کرتے ہیں، اب تو مکمل انکے دروس تحفۃ القاري کے نام سے 12 جلدوں میں چھپ کر آگئی، سال 2009 بخاری کا پہلا سال تھا بلکہ اس سے پہلے آدھے سال شیخ الحدیث مولانا نصیر خان کی علالت کے بعد شیخ الحدیث کے عہدے پر فائز کئے گئے تھے۔

ترمذی اول میں مفتی صاحب زیادہ زور مسائل سمجھانے میں دیتے تھے اور خواص طور پہ احناف کے دلائل کو طلبہ کے سامنے بڑی دقت سے رکھتے، اور دوسرے ائمہ کے استدلال بھی پوری امانت سے رکھتے، اور فرماتے فقہی اختلاف کا دار مدار نص فہمی کا اختلاف ہے، وہ طلبہ سے برملا فرماتے، سنو! ہمارے درمیان اور دیگر ائمہ کے درمیان جو اختلاف ہے وہ نص فہمی کا اختلاف ہے، اور مجھے یاد ھے فرماتے: 97.50% ساڑھے ستانوے فیصد مسئلہ میں چاروں ائمہ متفق ہیں جو نصوص سے ثابت ہیں اور واضح ہے صرف ڈھائی فیصد مسائل میں نصوص فہمی کا اختلاف ہے جس میں کسی ایک کی تقلید کے علاوہ کوئی چارہ نہیں، لیکن چاروں برحق ہیں، درس میں شافعی طلبہ بھی رکھتے کسی کسی مسئلے میں فرماتے شافی مسلک میں کیا کوئی شافعی طالب بتائے، البتہ اہل حدیث اور جماعت اسلامی سے اختلاف ہے وہ فکری اختلاف ہے، وہ اپنی بات پہ مبنی رہتے، انکے مزاج میں تصلب تھا جس کو وہ حق سمجھتے اس پہ ڈٹ جاتے۔

تصویر اور ویڈیو گرافی کے مسائل میں انکا دیگر علمائے کرام سے شدید اختلاف تھا، لہذا انہیں کے حکم سے کیوں کہ وہ صدر المدرسین بھی تھے، دارالعلوم دیوبند کے احاطہ میں جگہ جگہ کوچہ آویزاں کیا گیا تھا، دار العلوم کے احاطے میں تصویر کھینچنا اور فوٹو

گرافی سخت منع ہے؛Not Allawed photo graphy in darul Uloom area خلاصہ یہ کہ قول و عمل میں تضاد نہیں تھا جو کہتے تھے ویسے ہی عملی شکل میں نظر بھی آتے، تاہم اس مسئلے سے دوسرے کو اختلاف بھی ھو سکتا ھے۔

آپ ایک فقیہ النفس شخصیت تھے، مسائل استنباط کرنے میں خداداد صلاحیت تھی، ہر چھوٹی چھوٹی گفتگو پر دلیل پیش کرتے، طلبہ دورہ حدیث کی تعداد اسوقت 900 تھی ہر کوئی یہ چاھتا تھا کہ اساتذہ کے مسند درس کے قریب ہم بیٹھیں۔

ایک دن مفتی صاحب تک بات پہنچی تو اس مسئلے پہ بولے، دیکھو سامنے کے تین یا چار صف طلبہ کے نمبرات کو دیکھتے جوتے ادارہ تعلیمات والے طے کرتے ہیں یہ تو متعین ھے اسمیں کسی کو دخل اندازی کا جواز نہیں چار صف کے علاوہ باقی سب آزاد ہیں جو پہلے کلاس میں پہنچیگا جو جہاں بیٹھے گا اس کا حق جو گا، اس مسئلے کو حل کرنے کیلئے حضرت الاستاد نے جو دلیل دی تھی؛ وہ مزے کا ھے، حدیث میں ہے: "منی مناخ من سبق"

عن عائشة رضي الله عنها قلنا : يارسول الله ألا نبني لك بيتا بمنى يظلك. قال: لا، مِنًى مُنَاخُ مَنْ سَبَقَ

(رواه الترمذي: رقم الحديث: 881)

ایام حج میں منی ومزدلفہ میں حجاج کرام کو آزادی ھوا کرتی تھی جو جہاں پہلے اپنی اونٹنی کو بیٹھا دے اپنا خیمہ گاڑ لے وہ اسکی جگہ ھو گی (گرچہ مرور زمانہ کی وجہ سے حالات تبدیل بونے کی وجہ سے اب پہلے سے طے ھو تا حج کمیٹی اسے ترتیب دیتی ہے) اس سے استدلال کرتے ہوئے مفتی صاحب نے بتایا کہ کلاس میں بھی یہی اصول کار فرما جو گا، اللہ اکبر، سلام کے مسائل پر آپ فرماتے سلام کرنا سنت ھے اور جواب دینا واجب لیکن یہ ایسی سنت کو جسکا ثواب واجب سے زیادہ ھے سلام کے باب میں، یہ تو چند مبالیں تھیں، علمی لطیفے، درس میں جوب سناتے، عبارت خوانی میں اگر طبعیت کے خلاف ھوتی تو فرماتے، "رھنے دے اس سے اچھا میں خود پڑھ لوں گا"

گھریلو تربیت کا نرالا انداز:

آپ اپنی زندگی کے اکثر معمولات گھریلو ھوں یا مابین الاساتذہ یا کسی اور کے ساتھ طلبہ سے شیر کرتے تھے، اور واضح بھی کر دیا کرتے تھے اس سے سیکھو، گویا آپ اپنی عملی زندگی سے بھی طلباء کی تربیت فرماتے تھے، حفظ قرآن کا اپنا واقعہ سنایا کہ میں شروع میں حفظ نہیں کیا بلکہ دارالعلوم دیوبند آکر افتاء و تعریب کے سال میں حفظ قرآن مکمل کیا، اسکا فائدہ علمی زندگی میں محسوس کر رھا گوں، الحمد للہ، اپنے گھر کے واقعہ بیان کرتے کہ جب میری شادی ہوئی میرے اہلیہ حافظہ قرآن نہیں تھی میں نے اپنی نگرانی میں اسے حفظ کروایا، پھر جتنے بچے ہوئے سب کو میری اہلیہ نے حفظ کروایا، ماشاء اللہ مفتی صاحب کو اللہ نے کثیر الاولاد بنایا تھا، آپکے 11 / 12 لڑکے ہیں فرماتے تھے جب بچوں کی شادی ہوئی تو جو بہو حافظہ نہیں ہوا کرتی تھی شروع کے تین سال تک گھر میں ان

سے کوئی کام نہیں لیا جاتا تھا، نہ کھانا بناتی نہ شوہر کا کپڑا دھوتی صرف اور صرف انکو حفظ مکمل کرنا ہے، واقعی گھریلو. ماحول کو اس انداز سے تربیت کا کارخانہ بنانا اور آنے والی دلہن کے ساتھ اس طرح کا رویہ شاید کہیں کہیں سننے کو ملے۔

بچوں کے درمیان وظیفہ مقرر کرنا:

مفتی صاحب اپنے بچوں کی تربیت اس انداز سے کرتے تھے کہ جو جس میعار کا ھوتا اسی اعتبار سے انکو ماہانہ خرچ کیلیے روپیہ ملتا، کوئی ثانویہ میں ھے کوئی، مولوی کے سال میں پڑھ رہا ھے، کوئی عالمیت کے سال میں ھے، تو اسی انداز سے وہ سب کو مدرسے کے اخراجات طے کرتے، سال کے اخیر میں دوران درس وہ طلبا سے نصیحت کرتے کہ اب ایک ماہ کے بعد تم فارغ ھو جاؤ گے تو سنو!

طلباء کی تین قسمیں:

طلباء کی تین قسمیں ہیں ایک اعلی قسم کا طالب جو ذہین ھیں اور گھریلو حالات اچھے ہیں وہ اپنی تعلیم مزید آگے رکھنا چاہتے ہیں، انکو چاہیئے کہ تخصصات میں جائے اور جوب ترقی کرے۔ دوسرا قسم متوسط قسم کا طالب جو فراغت کے بعد کہیں درس و تدریس میں لگ جانا ہے۔ تیسرا جواب کہیں اپنا کاروبار میں لگ جائیگا یا کہیں عملی میدان میں لگ جائیگا، اسکے لئے میرا مشورہ ہے کہ پہلے تم جماعت میں چلہ لگاؤ پھر اسکے بعد جہاں تک ہوسکے دین پر عمل کرو، یہ بات میں اسلئے کہ رہا ہوں اب تمہارا سابقہ زیادہ تر تبلیغی جماعت کے ساتھیوں سے پڑیگا، ایک زمانہ سناش، ایک پیدرانہ شفقت، رکھنے والے ماہر مربی تھے آپ.

تصنیفی و تالیفی کاموں کی ترغیب:

آپ ایک عظیم محقق، بے مثال شارح حدیث، اور لاجواب مفسر قرآن تھے، تحقیق و تالیف کے میدان میں آپکا سب سے نمایاں کارنامہ شاہ ولي الله محدث دہلوی کی مایہ ناز کتاب حجۃ اللہ البالغۃ کی شرح رحمہ اللہ الواسعہ پانچ جلدوں پر مشتمل ہے، اولا اسکے تین مخطوطہ آپ نے جمع کی ایک مخطوطہ آپ پاکستان سے اسوقت کے حساب سے ڈیرھ لاکھ میں خریدی، پھر تینوں کو جمع کر کے اسکی شرح لکھی جسنے علمی حلقہ میں ایک ہلچل پیدا کر دی، ہر کسی نے اسے دل کی آنکھوں سے سجایا اور ہر مکتب فکر کے لوگوں نے اسے قبول کیا، اور علمی حلقہ کا ایک خلا پر ہو گیا، اس کتاب میں سب سے اہم بات آپ کے باب کے شروع میں جو گفتگو کی ہے وہ بڑا زبردست ہے، جو اصل کتاب کی شرح کا مقصد ہے، اور جسے فکر ولی اللہی کا شگوفہ پھوٹتا اور علمی خوشبو مہکتا نظر آتا ہے۔

تحفۃ الألمعي شرح سنن الترمذی:

درس ترمذی آپکا مشہور درس تھا، اس میں دورہ حدیث کے طلباء کے علاوہ آنے والے مہمان دیگر کلاس کے طلبہ بھی شریک ہو جایا کرتے تھے، دار الحدیث کا کشادہ حال بھی تنگ ہو جاتا تھا، انہیں دروس و تقاریر کا مجموعہ ہے، جو تمام طریقے سے محقق ہو کر تصنیفی قالب میں تیار ہو کر 8 جلدوں میں منظر عام پر آگئی ہے۔

تحفۃ القاري:

یہ بھی آپ کی اردو شروحات میں بہترین بخاری کی شرح جو بارہ جلدوں میں شائع ہو کی ھے اور تفسیر میں ہدایت القرآن، ایک بیش قیمتی خزانہ ہے، اسکے علاوہ چھوٹی بڑی مختلف موضوعات پہ آپ نے قلم اٹھایا، اور پورا پورا حق ادا کیا، طلبہ سے مخاطب ھوتے کہ بیس سال پڑھو اور بیس سال پڑھاؤ اسکے بعد تھوڑی تھوڑی علم کی خوشبو آئیگیاور اگر تصنیف وتالیف کے کام میں لگوگے تو علم میں اور فن میں اضافہ ھوگا، اقرأ باسم ربک... کی تفسیر میں آپ درس وتدریس اور مطالعہ اور تألیف کی طرف اشارہ فرماتے، قرآن بحر بیکراں ھے، ہر طرح کے مسائل اہل علم اپنے ذوق کے اعتبار سے استنباط کرتے ہیں۔

مولانا سے آخری بالمشافہ ملاقات:

2009م میں دورہ حدیث سے فراغت کے بعد کبھی ملاقات نہیں ہوی تھی، تعلیمی ایام روز بروز گزرتا گیا اللہ تعالی کے فضل وکرم سے نیز انہیں بزرگوں سے پڑھنے اور انہیں کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے کا صلہ ہے کہ دورہ حدیث کی سند سے میرا داخلہ 2012م میں جامعہ ام القری مکہ مکرمہ میں ہوا، پھر 2016 کے مارچ میں مشائخ جامعہ ام القری کے ساتھ ہندوستان کے اہم مدارس کے دورہ میں ندوہ وجمعیت علماء ہند کے بعد دارالعلوم کی زیارت ھوی، دار العلوم دیوبند میں مہمانوں کا قیام تھا، عصر بعد شیخ کی تقریر مسجد رشید میں ھوی بعدہ اسی روز عشاء بعد 14 ویں تاریخ کی شب مولانا عارف جمیل صاحب -استاذ دارالعلوم دیوبند- کی ترتیب سے مولانا مفتی رحمہ اللہ علیہ سے تفصیلی ملاقات ھوی واضح رہے اس وقت جامعہ ام القری کے مایہ ناز استاذ فضیلۃ الشیخ الدکتور علي صالح محمد المحمادي- حفظہ اللہ - مدرس معھد الحرم المكي الشريف اور أحمد محمد الخيري- المكي اور مولانا عبد الشکور صاحب المفتاحی، (بنگلور) اور رفیق درس مولانا خالد عبد القیوم الندوی لکھنوی، حافظ عرفان عبد الرؤف نیپالی تھے۔

رات 10 بجے تقریباً مفتی صاحب کے گھر پہنچے آپ نے مہمانوں کا باھر آکر استقبال کیا پھر فرش پر ہی سب حضرات تشریف رکھے جو حلقہ دیوبند کے بزرگوں کا متواضعانہ ودرویشانہ عادت ھے، دوران گفتگو اولا شیخ نے سب سے کہا اپنا اپنا تعارف پیش کیجیے، داہنی طرف سے سبھی لوگ اپنا اپنا نام اور موجودہ عمل بتایا، جب شیخ سے پوچھنے لگے تو میں شیخ کا تعارف کرانے لگا مفتی صاحب برجستہ بول پڑے کیا میں آپ سے پوچھاھوں، ؟ جس سے پوچھاھوں وہ بتائے، تو مولانا عارف جمیل صاحب قطع کلامی کرتے ھوے بولے حضرت مشائخ کے کو لیکر جامعہ ام القری سے لیکر آئے ھیں وہ زیادہ انکے متعلق جانتے ہیں وہ انکے استاذ ھیں، اور دیوبند کے فارغ ھیں، اس پر مفتی صاحب نے خوشی کا اظہار کیا، اور تعارفی بات چیت کے بعد ہم نے اپنی شاگردی کا مفتی صاحب کے ساتھ اظہار کیا اور کہا کہ آپ کے درس بخاری میں میرا سب سے زیادہ نمبر تھا جس پر آپ نے پوزیشن والے طلباء کو انعام بھی دیا تھا، اور دورہ حدیث میں ششماہی میں الحمدللہ میری دوسری پوزیشن بھی تھی کافی خوش ھوے، اور دعائیں دی چائے نوشی کی محفل سجی بسکٹ، نمکین، چائے سے مہمانوں کا استقبال کیا، اپنا پورا تعارف پیش کیا، اور تصنیفی کاموں کے تعلق سے مشائخ کے سامنے اپنا سابقہ اور آئندہ کے خاکے رکھے۔

مشائخ ام القری حضرت کی اعلی منصبی دوسری طرف سادگی کو دیکھکر بے ساختہ بول پڑے "آپکا دیکھر خدا یاد آنے لگا" یہی نہیں راستے بھر بار بار اسکی سادگی اور علمی تفوق کا تذکرہ کرتے۔

حضرت کی تدفین:

آپ جیسا کہ معلوم ہوا ممبئی کے جوگیشوری قبرستان میں 2020/5/19 م پچیسویں رمضان شب قدر والی راتوں کے انوار وبرکات سمیٹتے جسے علی الصبح بوقت چاشت اس دار فانی سے کوچ کر گئے اور ممبئی ہی میں کروناوائرس اور لاک ڈان کی وجہ سے محض 15 سے 20 لوگوں کے ہاتھوں سپر خاک ہوے، لوگ چاہ کر بھی شریک جنازہ نہ ھوسکے۔

پھول کیاڈالوگے تربت ہر میری، خاک بھی تم سے ڈالا جائیگا

کے مصداق ٹھہرے۔ اخیر میں دعاگوں ہوں کہ اللہ مفتی صاحب کو کروٹ کڑوٹ جنت نصیب کرے اور بروز قیامت صدیقن شھداء صالحین کے صف میں کھڑا کرے، لاکھوں کی تعداد میں انکے شاگر یقیناً سب انکے حق میں دعاگو ہونگے۔

زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر

خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تیرا سفر

مثلِ ایوانِ سحَر مرقد فرُوزاں ہو ترا

نُور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا

آسماں تیری لحَد پر شبنم افشانی کرے

سبزۂ نَورُستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

❒❖❒

حضرت استاذ مفتی سعید احمد پالن پوریؒ: فقہی بصیرت و فکری اعتدال

نور اللہ جاوید

24سالہ دور طالب علمی میں کئی درجن اساتذہ سے پڑھنے اور سیکھنے کا موقع ملا ہے، تمام اساتذہ قابل احترام اور ان کی عظمت مسلم ہے۔ استاذ اور شاگرد کا رشتہ دنیا کے بہترین رشتوں میں سے ایک ہے۔ بلکہ یہ رشتہ کبھی کبھی خونی رشتے پر بھی فوقیت لے جاتا ہے۔ اساتذہ صرف درسی کتابیں ہی نہیں پڑھاتے ہیں بلکہ اپنی زندگی کے تجربے سے عملی زندگی میں درپیش حالات، مسائل و مشکلات کا مقابلہ کرنے کا ہنر بھی سکھا جاتے ہیں۔ ان کی نصیحت، تجربات اور مشاہدات اس وقت فضول سی معلوم ہوتی ہے مگر وہ باتیں لاشعور کا حصہ بن جاتی ہیں اور وقت آنے پر اساتذہ کی نصیحتیں اور ان کی باتیں ذہن و ماغ پر دستک دیتی ہیں اور صراط مستقیم پر گامزن کر جاتی ہے۔ زندگی کے اس سفر میں چند ایسے اساتذہ کرام سے واسطہ پڑتا ہے کہ ان کی عظمت و رفعت اور شفقت و محبت اور علمی حیثیت ذہن و دماغ پر ہمیشہ ہمیش کیلئے ذہن و دماغ پر نقش بن کر رہ گئے ہیں۔ ان کی یادیں، باتیں وقت کے دھول کا حصہ نہیں بنی ہیں بلکہ زندگی کے سفر کے ساتھ وہ بھی سفر کر رہی ہیں۔ میرے ان ہی اساتذہ میں سے ایک محدث کبیر، محقق اور درالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین، مقبول ترین استاذ، شیخ الحدیث حضرت مولانا سعید احمد پالنپوری ؒ کی ذات گرامی ہے۔ جنہیں دنیا سے رخصت ہوئے کئی دن گزر چکے ہیں مگر اس کا غم دل و دماغ پر اب بھی چھایا ہوا ہے۔20سال بیت گئے، جب ہم نے حضرت استاذ سے ترمذی شریف پڑھی تھی۔ ان دو دہائیوں میں زندگی کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ سوچ و فکر کے زاویے تبدیل ہوگئے اور ترجیحات بدل گئی۔ میدان کا ربدل گیا۔ درس و تدریس اور مدارس کے روح پرور ماحول سے کہیں دور صحافت سے وابستہ ہو چکا ہوں۔ ان 20سالوں میں براہ راست ایک بھی ملاقات نہیں ہوئی ہے۔ مگر اس کے باوجود حضرت استاذ کے انتقال کی خبر سن کر دل بیٹھ سا گیا اور ایسا محسوس ہوا کہ بہت بڑی نعمت سے محروم ہوگئے۔

یہ جو ملتی ہے ترے غم سے، غمِ دہر کی شل
دل نے تصویر سے تصویر اُتاری ہوگی

ایک بار پھر دارالعلوم دیوبند میں قیام کے چار سالہ دور کی یادوں کے نقوش ایک بار پھر نگاہوں کے سامنے گردش کرنے لگے۔ حضرت استاذؒ کا احاطہ دارالعلوم میں داخل ہونا ہے۔ احاطہ مولسری سے گزرتے ہوئے دارلحدیث تک پہنچنا اور پھر پورے وقار کے ساتھ مسند درس پر بیٹھ کر درس حدیث کا انداز دلبرانہ، حسن بیان، افہام و تفہیم، تحقیق و تنقید اور دلائل اور مختصر مگر جامع گفتگو سے طلبا کو مسحور کر دینا۔۔ ایشیا کی عظیم دینی درس گاہ درالعلوم دیوبند کی ایک تاریخ ہے۔ یہاں کے اساتذہ علم و فن تقویٰ وللّٰہیت، ایثار و قربانی کیلئے مشہور رہے ہیں۔ دارلعلوم دیوبند کے مسند درس کو امام ربانی مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا یعقوب نانوتویؒ،

شیخ الہند مولانا محمودالحسن دیوبندیؒ، علامہ انورشاہ کشمیریؒ، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، محدث کبیر مولانا فخر الدینؒ، حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیبؒ، علامہ ابراہیم بلیلاویؒ، مولانا معراج الحق دیوبندیؒ، مولانا حسین احمد ملا بہاریؒ اور مولانا نصیر احمد خانؒ جیسی صاحب علم شخصیتوں نے رونقیں بخشی ہیں۔ یہ تمام حضرات اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ باکمال اساتذہ کا ایک سلسلۃ الذہب ہے۔ حضرت استاذ مفتی سعید احمد پالنپوریؒ کی ذات گرامی اس سلسلہ کی ایک اہم کڑی اور اکابرین کی یاد تھے۔ علوم دینیہ اور عقلیہ پر گہری گرفت کے ساتھ خلوص وللّٰہیت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ اس دور میں دارالعلوم دیوبند کے مسند درس کے آبرو تھے۔ اکابرین کے سنہرے روایات و اقدار کے پاسبان تھے۔ دارالعلوم دیوبند میں درس حدیث کا خاص اسلوب تھا۔ دارالعلوم دیوبند شاہ ولی اللہ اور شیخ سرہندی دونوں بزروگوں کے "مکاتب حدیث" کا ماحصل ہے۔

حضرت امام شاہ ولی اللہؒ کے درس حدیث کا انداز یہ تھا کہ "طلبہ سے خود ہی نیا سبق پڑھوایا کرتے تھے اور پھر اس کے تمام پہلوؤں اور گوشوں پر نہایت جامع اور سیر حاصل بحث کیا کرتے تھے۔ فقہی مسائل کو طلبہ کے سامنے پیش کرتے وقت آپ کی تمام تر توجہ اور کوشش اس امر کی جانب مرکوز رہتی کہ بالعموم مختلف اور بالخصوص حنفی اور شافعی مسلک کے درمیان پائے جانے والے اختلافات کو حتی المقدور کم کیا جائے"۔ کم وبیش یہی اسلوب حضرت مفتی سعید احمد پالن پوریؒ کا بھی تھا کہ "اختلافی مسائل کو اچھالنے کی بجائے ان پر غور وفکر کرکے ان کے درمیان تطبیق دینے کی کوشش کرتے تھے۔ درس حدیث میں ائمہ اربعہ کے فقہی اختلافات کو ضرور بیان کرتے تھے مگر حنفی کو ترجیح دینے کی کوشش نہیں کرتے تھے بلکہ ترجیح حدیث کے مسئلہ کو ہی دیتے تھے۔ طلبا میں تنگ نظری کی بجائے وسعت نظری اور تحقیق وجستجو کا جذبہ پیدا کرنے کی آپ کی کوشش ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے ان کے سبق میں طلبا بہت ہی ذوق وشوق سے شریک ہوتے تھے۔

دنیا میں ایسے بہت ہی خوش نصیب ہیں جن کی پوری زندگی قرآن وحدیث کی خدمت کیلئے وقف رہی ہو۔ تدریس بذات ایک بڑا مشغلہ ہے، گھنٹوں مطالعہ کا متقاضی ہے۔ علالت، خوانگی مصروفیات کے باوجود حضرت استاذ مفتی سعید احمد پالن پوریؒ نے غیر معمولی علمی وتالیفی نقوش چھوڑے ہیں۔ جو معیار اور مقدار دونوں اعتبار سے بہت ہی زیادہ ہیں۔ حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی معرکۃ الآرا کتاب حجۃ اللہ واسعہ کی شرح "رحمۃ اللہ واسعہ، قرآن کریم کی تفسیر، ترمذی شریف کی شرح اور بخارح شریف کے شروحات کے علاوہ درجنوں کتابیں شامل ہیں۔ یہ کتابیں آپ کی علمی بصیرت، تحقیق وجستجو، فراست اور یکسوئی کی آئینہ دار ہے۔ چناں چہ ان کے انتقال کو علم وفن اور کمالات کے کارواں کے رخصت ہو جانے سے تعبیر کیا جارہا ہے۔ عربی شاعر امرؤ القیس کا یہ شعر

وما کان قیس ھلکہ ھلك واحد

ولکنہ بنیان قوم تھدما

کے مصداق اسی طرح کی شخصیات ہوتی ہیں۔ میں یہ بات لکھ بھی نہیں سکتا ہوں کہ ان کے انتقال سے جو خلا پیدا ہوا ہے اس کا پر ہونا ممکن نہیں ہے۔ کیوں کہ خالق کائنات سے کچھ بھی بعد نہیں ہے۔ حضرت استاذؒ تو گفتگو اور تحریر میں حد درجہ اعتدال کے قائل تھے، مدح سرائی میں غلو کے وہ سخت مخالف تھے۔ اس لئے حضرت استاذ کی عظمت و رفعت اور ان کا علمی مقام کا تعین کئے بغیر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ حضرت استاذ کا انتقال صرف ایک خاندان کا غم نہیں ہے، ایک ادارے کا نقصان نہیں ہے۔ لاکھوں شاگردوں اور ہزاروں عشاقان حدیث اور سب سے بڑھ کر ایشیا کی عظیم دینی درس گاہ دارالعلوم دیوبند ایک ایسے عظیم استاذ سے محروم ہوگیا ہے جو اس کی آبرو اور علمی قیادت و سیادت کے مرتبے پر فائز تھا۔ باری تعالی کی قدرت سے یہ امید ہے کہ اکابرین کے خلوص وللّٰہیت کے تاج محل دارالعلوم دیوبند کو جو نقصان پہنچا ہے اس کے تدارک کیلئے اسباب وحالات پیدا فرمادے۔

حضرت کے علمی تفوق، اسلوب درس، علوم حدیث پر دسترس اور تصنیفی خدمات پر بہت کچھ لکھا جارہا ہے اور لکھا بھی جائے گا۔ ضرورت بھی اس بات کی ہے کہ حضرت کی تفسیر 'ہدایت القرآن''، ترمذی شریف کی شرح 'تحفۃ الالمعی شرح سنن الترمذی'، بخاری شریف کی شرح ''تحفۃ القاری شرح بخاری'' اور حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی مشہور زمانہ اور معرکۃ الآراء کتاب حجۃ اللہ البالغہ کی شرح ''رحمۃ اللہ واسعہ '' اور دیگر تصنیفات کا علمی جائزہ لیا جائے، ان کے تصانیف پر سمینار کا انعقاد اور بحث ومباحثہ کا دور چلے تاکہ ان کتابوں کی رسائی عام لوگوں تک ہو اور مجھے قوی امید ہے کہ حضرت کے لاکھوں شاگردوں میں سے کوئی نہ کوئی کار خیر کو ضرور انجام دے گا۔ مگر علمی تحریف، بدعات اور غلط آمیزش کے خلاف حضرت استاذ کی خدمات ناقابل فراموش ہے۔ ایسے حضرت مفتی سعید احمد پالن پوری کی زندگی کا ہر پہلو روشن ہے مگر اس معاملے میں مفتی احمد سعید پالن پوریؒ اپنے معاصرین پر فوقیت حاصل ہے۔ علوم نبوت کے حاملین کی صفت بیان کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا تھا کہ

''یہ علم ہر نسل سے آنے والی نسل کے بہترین عادل افراد وصول کریں گے پھر وہ اس علم سے تحریف، بدعات اور غلط آمیزش کو مٹاڈالیں گے''۔

علوم نبوت میں تحریف اور بدعات وخرافات کی آمیزش کے خلاف مفتی سعید احمد پالن پوری کی کوششوں سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ انہیں جب یہ محسوس ہوا کہ تمسک بالسنہ اور اعتدال کی راہ ترک کرکے افراط وتفریط اور مداہنت کی راہ کی جارہی ہے تو وہ لومۃ لائم کی پرواہ کئے بغیر حق کو واضح کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے، اس کیلئے انہوں نے اپنوں کو بھی ہیں بخشا ہے۔ ان کے فکر وخیال اور تحقیق سے اختلاف کیا جاسکتا ہے مگر ان کے وسعت نظر، قوت حافظہ اور کثرت مطالعہ اور سب سے بڑھ کر ان کے خلوص وللّٰہیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔

'' جلسہ تعزیت اور شخصیات پر سیمینار'' کی شرعی حیثیت سے متعلق حضرت مفتی صاحب نے حدیث وسیرت کی روشنی میں جلسہ تعزیت اور شخصیات پر منعقد ہونے والے سیمناروں میں افراط وتفریط اور غلط روایات کی آمیزش پر مواخذہ کرتے ہوئے علمی

بحث کا آغاز کرتے ہوئے تحقیق و جستجو کی نئی راہ کھول دی۔ گرچہ بعض نادانوں نے پوری بحث کو ذاتی دشمنی اور تعصب سے تعبیر کر کے ایک علمی بحث کو متنازع بنادیا۔ دارالعلوم دیوبند جیسے عظیم اداروں میں اس طرح کی علمی بحثیں نہیں ہوں گی تو پھر کہاں ہو گی؟ مثبت ماحول میں تحقیق و تنقید اور ادب واحترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے علمی اشکالات سے تخلیق کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ تحقیق و جستجو کی نئی راہیں کھولتی ہیں۔ تنگ نظری کے بجائے وسعت نظری پیدا ہوتی ہے۔

بدعات کی تاریخ پر ان کی گہری نظر تھی کہ بدعت کا آغاز کس ماحول میں ہوتا اور پھر سماج و معاشرہ میں اس کی کونسی شکل اختیار کر جاتی ہے اس سے وہ بخوبی واقف تھے چناں چہ تمسک بالسنہ اور بدعات کے معاملے میں وہ انتہائی سخت تھے۔۔ ربیع الاول کے مہینے میں ہونے والے میلاد النبی کے جلسے اب مستقل ایک تہوار کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ عید میلا النبی کو دین سمجھ کر ہندوستان بھر میں جلوس نکالے جاتے ہیں اور طرح طرح کے خرافات و بدعات کا ارتکاب ہوتا ہے۔ ابتدا میں علمائے دیوبند بھی میلاد کے پروگراموں میں یہ کہہ کر شریک ہوتے تھے کہ اس کی وجہ سے سیرت کے پیغام کو عام کرنے کا موقع مل جاتا ہے مگر سوال یہ ہے کہ آج میلاد کی وہی صورت ہے جو دس بیس سال قبل تھی ظاہر ہے کہ نہیں۔

ایسا بھی نہیں حضرت مفتیؒ نے پہلی مرتبہ اس طرح کی بحث کا آغاز کیا ہے، کئی دہائی قبل حضرت حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ کے دور اہتمام میں بھی دارالعلوم دیوبند کے یوم تاسیس پر دیگر عصری اداروں کے طرز پر جشن اور یادگار منانے کی تجویز پر غور وفکر شروع ہوا اور منتظمین دارالعلوم دیوبند اس کیلئے راضی بھی ہوگئے۔ حضرت استاذؒ دارالعلوم دیوبند میں اس وقت وسطیٰ علیا کے استاذ تھے۔ اس کے باوجود حضرت مہتممؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حدیث وسیرت کی روشنی میں اس طرح کے پروگرام کے خلاف دلائل پیش کرتے ہوئے کہا کہ "دارالعلوم دیوبند" جیسے فکری و نظریاتی ادارے میں اگر اس طرح بدعت کی شروعات کی جائے گی تو مستقبل میں اچھی نیت سے شروع کیا جانے والا کام غلط رسم کے طور پر معاشرے میں جڑ پکڑ لیں گی۔ حکیم الاسلام قاری محمد طیبؒ قاسم العلوم والخیرات امام محمد قاسم نانوتویؒ کے نہ صرف صلبی اولاد ہیں بلکہ ان کے علوم و مشن کے وارث بھی تھے۔ چناں چہ اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے حضرت مفتیؒ کے دلائل سے اتفاق کیا اور سالانہ جشن کے پروگرام کو ملتوی کر دیا۔ دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ تقریبات کے موقع ایک عجیب و غریب قصے کا حضرت استاذؒ نے اپنی کتاب "جلسہ تعزیت کا شرعی حکم" میں ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

" الہ آباد کے ایک بزرگ روپے کے پانچ سکے لے کر آئے اور حضرت حکیم الاسلام قدس سرہ کو دیئے اور کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس بیداری میں آئے اور یہ روپے دیئے اور فرمایا: ایک اجلاس صد سالہ میں دینا، ایک حضرت حکیم الاسلام کو دینا الخ۔ اسی شام کو دارالحدیث تحتانی میں جلسہ منعقد ہوا اور حضرت مولانا سالم قدس سرہ نے تقریر فرمائی اور خوب چندہ ہوا۔ دوسرے دن صبح میں کتابیں لے کر حضرت حکیم الاسلام کے پاس گیا اور "التعلیق الصبیح" میں حالت بیداری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے

ملاقات کیلئے جو شرائط تھیں وہ دکھائیں اور میں نے عرض کیا کہ 'نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دوسری دنیا میں ہے اور دوسری دنیا کی چیز اس دنیا میں آسکتی ہے، حجر اسود کے بارے روایت ہے کہ وہ جنت کا پتھر ہے، مگر انڈیا کی ٹکسال میں ڈھلا ہوا سکہ، جن پر تین شیروں کا فوٹو بھی ہے، اور سن بھی چھپا ہوا ہے، یہ سکے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت میں کیسے پہنچے، اور آپ نے ان بزرگ صاحب کو کیسے عنایت فرمائے، ضرور ان کو دھوکہ ہوا ہے۔

حضرت حکیم الاسلام قدس سرہ نے میری یہ بات قبول فرمائی اور دوسرے دن دارالحدیث فوقانی میں جلسہ ہوا اور حضرت مولانا سالم صاحب قدس سرہ نے تقریر کی اس میں صاف فرمایا کہ کل کی بات ہم نے غلبہ محبت میں مان لی تھی اس کو آگے نہ بڑھایا جائے۔"

علوم نبوت کے حاملین کی جو صفات حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیش گوئی جو فرمائی ہے اسی کا یہ عملی مظہر ہے۔ قرآن و حدیث اور قرون ثلاثہ کی فکر سے ذرہ برابر انحراف اور فکری بے راہ روی بڑے فتنے کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ حضرت مفتی سعید احمد پالن پوریؒ نے اس فریضہ کو بخوبی نبھایا اور یہی وجہ سے ان سے متعلق کہا جاتا تھا کہ وہ اس دور میں "مسلک دیوبند" کے علمی سالار ہیں۔

مفتی سعید احمد پالن پوریؒ کی فکر تھی کہ 'دیوبندیت کوئی فرقہ نہیں ہے بلکہ اہل سنت والجماعت کا دوسرا نام ہے۔ ہر وہ شخص جو خرافات، بدعات اور رسومات سے مجتنب اور سنت رسول کا پیروئے کار ہے وہ "دیوبندی" ہے'۔ اہل سنت کا مدار قرآن و سنت اور قرون ثلاثہ (صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین) کے عمل پر ہے۔ جو باتیں قرآن و سنت کے خلاف ہیں اور قرن ثلاثہ کے بعد شروع ہوا ہے وہ بدعت ہے۔ فقہی جزئیات اگر حدیث کے خلاف ہیں تو وہ نا قابل قبول ہے۔(ماخوذ علمی خطبات(

قبروں پر کتبہ، قبرستانوں میں مراقبہ اور قبروں پر قرآن کی تلاوت، اسی طرح تصوف کے نام پر افراط و تفریط اور اکابر پرستی میں غلو پر نکیر کرتے ہوئے فرماتے تھے دیوبندیت اور بدعتیوں کے درمیان صرف ایک پالشت کا فرق رہ گیا ہے۔ جب کہ یہ چیزیں قرآن و حدیث سے ثابت نہیں ہے تو پھر مسلک دیوبند داعیان ان حرکتوں کا ارتکاب کس طرح کر سکتے ہیں؟۔

دین ہو، فلسفہ ہو، فقر ہو، سلطانی ہو

ہوتے ہیں پختہ عقائد کی بنا پر تعمیر

حرف اس قوم کا بے سوز، عمل زاروں زبوں

ہو گیا پختہ عقائد سے تہی جس کا ضمیر

خود احتسابی اور اپنے فکر و نظر کو قرآن و حدیث کی کسوٹی پر پرکھنے کا عمل اگر بند کر دیا جائے تو کوئی بھی تحریک اور جماعت صراط مستقیم سے بھٹک جاتی ہے اور اس کا مشن پس پشت چلا جاتا ہے اور خرافات حاوی ہو جاتی ہے۔"تحریک دارالعلوم دیوبند" ان

تحریکوں میں سے ایک جس نے کئی محاذوں پر کام کیا ہے اور ہر محاذ پر کامیابی و کامرانی اس کے قدم چومی ہے۔ ڈیڑھ سو سال بعد بھی اگر یہ تحریک اپنی معنویت اور اہمیت کو بر قرار رکھے ہوئے ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ تحریک دارالعلوم دیوبند سے وابستگان میں ہمیشہ ایک ایسی افراد رہے ہیں جنہوں نے خود احتسابی اور جماعت کے فکر و عمل کو قرآن و حدیث کی کسوٹی پر پرکھا اور اپنوں کا بھی مواخذہ کرنے سے گریز نہیں کیا ہے۔ ساتھ ہی خرافات، لغویات کی آمیزش پر تنبیہ کرکے تحریک دیوبند کو اپنے مقاصد سے منحرف نہیں ہونے دیا ہے۔ امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، محدث کبیر حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریاؒ، حضرت مولانا منظور احمد نعمانیؒ اور ماضی قریب کی عظیم شخصیت محی السنہ حضرت مولانا ابرارالحق حقی ہردوئیؒ سے لے حضرت مفتی سعید احمد پالنپوریؒ تک ایک طویل فہرست ہے جنہوں نے تحریک دیوبند کی حفاظت کی ہے۔ خامیوں و کوتاہیوں کی بر ملا نشاندہی کرکے تحریک کو صراط مستقیم پر گامزن رکھا ہے۔ امید ہے کہ مستقبل میں ایسی شخصیات پیدا ہوں گی جو اس عظیم فریضے کو انجام دیتی رہیں گی۔

حضرت مفتی سعید احمد پالنپوریؒ کی عظمت و رفعت کو جو باتیں دوبالا کرتی ہیں ان میں یہ بات تھی کہ وہ اپنی رائے قائم کرنے سے قبل قرآن و حدیث اور علما کی کتابوں کا غائرانہ مطالعہ ضرور کرتے تھے اور مزید تحقیق کی راہیں بھی کھلی رکھتے تھے۔ چناں چہ حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ کے سیمینار کے موقع پر جو علمی بحث شروع ہوئی تھی اس موقع پر بھی انہوں نے واضح لفظوں میں کہا تھا کہ "ابنائے دارالعلوم آگے آئیں اور مسئلہ کو مثبت یا منفی پہلو سے واضح کریں"۔ مگر افسوس ہے کہ حضرت نے جس علمی بحث کی شروعات کی وہ تعصب اور ضد کی شکل اختیار کرلی اور لوگوں نے لعن طعن اور دشنام طرازی کا ایک سلسلہ شروع کرتے ہوئے ماضی کے زخموں کو کریدنے لگے۔ کیا کوئی سوچ سکتا ہے کہ کئی دہائیوں تک ترمذی شریف پڑھانے والا شخص اگلے دن سبق میں آئے اور کہے کہ "کل میں نے جو میں ایک طالب کے سوال پر کے جواب میں جو باتیں کہیں تھیں وہ غلط تھی اصل مسئلہ یہ ہے"۔ آج درس گاہوں میں سوال و جواب کا سلسلہ ختم ہوتا جارہا ہے۔ سوال کرنے والے طالب علم کی حوصلہ افزائی کرنے بجائے سوال پر ہی سوال کھڑا کرکے طالب علم کو خاموش کردیا جاتا ہے۔ چناں چہ آج ہمارے اداروں سے تحقیق و جستجو ختم ہوگیا ہوگیا ہے اور تخلیقی ذہن کے حاملین سامنے نہیں آرہے ہیں۔

حضرت مفتی سعیدؒ مسلک کی تبلیغ کے داعی نہیں تھے۔ مگر وہ حق کے اظہار میں، ہچکچاہٹ کو بھی برداشت کرنے کا مزاج نہیں رکھتے تھے ان کی سوچ تھی کہ "ملکی مسائل ملک کے تمام باشندو کو مل کر بیٹھنا چاہیے اور ملک کی سالمیت کیلئے متفقہ فیصلہ کرنا چاہیے، جنگ آزادی کے وقت ہندو مسلم اتحاد اس کی مثال ہے۔ ملی مسائل میں ملت کے تمام فرقوں کو مل کر بیٹھنا چاہیے اور ملک کی سلامتی کیلئے ایک آواز بلند کرنی چاہیے، مسلم پرسنل لا بورڈ کا اتحاد اس کی مثال ہے۔ مسلک و مشرب کے اختلاف میں ہر ایک کو اپنی

رائے پر رہ کر نزاع سے بچنا چاہیے"۔یادش بخیر میرے دورہ حدیث کے سال میں ایک دن حضرت استاذ آئے اور کہا کہ کیرالہ کے کچھ طلبا میرے گھر آکر یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ وہ میرے دلائل سے متاثر ہو کر حضرت اماشافعیؒ کی تقلید چھوڑ کر امام ابو حنیفہؒ کی تقلید کرنا چاہتے ہیں"۔ حضرت استاذ نے فرمایا میں یہاں لوگوں کو حنفی بنانے کیلئے نہیں آتا ہے۔چوں کہ میں فقہ حنفی پر عمل کرتا ہوں اس لئے درس دیتے وقت احادیث سے مطابقت کرتا ہوں۔اس لئے میں اپنے عزیزوں سے کہتا ہوں کہ وہ میرے دلائل سے متاثر ہو کر اپنے امام کی تقلید نہ چھوڑیں"۔ایک جگہ لکھتے ہیں

" دارالعلوم دیوبند مسلک کی دعوت نہیں دیتا،اہل السنہ والجماعت کے مسلک معتدل کی حفاظت کرتا ہے،چار فقہی مسالک ہیں اور دارالعلوم دیوبند میں ہر مسلک کے طالب علم پڑھتے ہیں،جوب میں شوافع بڑی تعداد میں ہیں مگر دارالعلوم کی ڈیڑھ سو سالہ تاریخ میں ایک بھی شافعی طالب علم دارالعلوم میں پڑھ کر حنفی نہیں ہوا،اس لئے کہ دورہ حدیث کے اساتذہ مسلک کی دعوت نہیں دیتے"۔(جلسہ تعزیت کا شرعی حکم:ص82)

حضرت استاذؒ فکر و نظر میں اعتدال کے قائل تھے، ساتھ ہی وہ اپنی بات اور موقف واضح کرنے میں جری بھی تھے،اس معاملے میں کسی ملامت کرنے والوں کی ملامت،دوستوں کی ناراضگی اور اپنوں کی بے اعتنائی کی پرواہ کئے بغیر اپنے ضمیر کی آواز ضرور بلند کرتے تھے۔ تحقیق و تخلیق اور اجتہاد جاری رکھنے کے حق میں تھے۔ مخاطب کی ذہنی استعداد اور قابلیت کے لحاظ سے اپنی بات رکھنے میں وہ ماہر تھے،ان کی باتیں سادہ ہوتی تھیں مگر معانی دقیق ہوتی تھیں۔حضرت علی بن طالب کرم اللہ وجہہ کا حکیمانہ قول ہے:**كلموا الناس على قدر عقولهم أتريدون أن يكذب الله و رسوله** (لوگوں سے ان کی سمجھ کے مطابق خطاب کیا جائے تاکہ وہ نادانی سے اللہ ورسول کی بات کی تکذیب نہ کریں)حضرت استاذ اس کے عملی مصداق تھے۔

اللہ کے ولیوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اگر وہ قسم کھالیتے ہیں تو اللہ اس کو پورا کرنے کے اسباب پیدا فرماتے ہیں۔حضرت استاذ مختلف مواقع پر قبروں پر کتبہ، مہینوں تعزیتی جلسے کے انعقاد کے شدید مخالف تھے۔قدرت کا کرشمہ دیکھئے ان کی موت ایسے حالات اور وقت میں ہوئی کہ خاموشی سے ممبئی کے ایک عام قبرستان میں علم وصلاح کے گنجینے کو یہ خاک کر دیا گیا۔چوں کہ کورونا وائرس کی وجہ سے اجتماعات کے انعقاد پر مکمل پابندی ہے۔تو پھر تعزیتی جلسوں کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے؟۔ مگر حضرت استاذ کا مشن اب بھی باقی ہے اور ان کی روح شاگردوں سے مخاطب

ہے جنوں،اہل جنوں کے لئے آغوش وداع

چاک ہوتا ہے گریباں سے جدا،میرے بعد

کون ہوتا ہے حریف مے مردافگن عشق

ہے مکرر لب ساقی پہ صلا،میرے بعد

رئیس المحدثین حضرت مفتی سعید صاحبؒ کی نرالی باتیں اور کچھ یادیں

ابو حیان فرحان قاسمی

جان کر من جملہ خاصان مے خانہ تجھے

مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ تجھے

۲۵ر رمضان المبارک کی صبح حضرت مفتی سعید صاحب رحمہ اللہ کا سانحہ ارتحال ھند و بیرون ھند کے تمام علماء وطلباء برادری کے لیے خصوصاً اور عوام الناس کے لیے باعث صد حسرت وافسوس ہے، یہ آفتاب علم اچانک بجھ گیا، جیسے ہی حضرت رح کی وفات کی خبر پہنچی ایک سکتہ تاری ہوگیا اور دل یہ بات ماننے کو تیار نہیں کہ واقعی حضرت اس دار فانی سے رخصت ہو چکے ہیں، خیر ذہن میں وہ ساری باتیں اور یادیں گردش کرنے لگیں اور ہر حرکات و سکنات نظروں میں گم نے لگیں اور آپ کی نمایاں صفات و خصوصیات ذہن و دماغ میں دستک دینے لگیں، وہ انداز درس جو غبی سے غبی طالب علم کو بھی ذہن میں نقش کر دیتے اور پورا سبق گھول کر پلادیتے اور یہ محسوس ہوتا کہ یہ سبق کبھی ذہن سے نہی بھلایا جائے گا، اختلافی بحثوں کو بڑی آسانی کے ساتھ مدلل کرتے ہوئے ذہن نشین کرادیتے، آپ جس مسئلہ پر بھی گفتگو فرماتے، مکمل شرح وبسط کے ساتھ ابتدا تا انتہا سیر حاصل بحث فرماتے، آپ اس انداز درس و تدریس کے تعلق سے فرماتے کہ میرا یہ طریقہ اپنے دو استاذوں کے طرز درس کا امتزاج ہے، ایک حضرت علامہ ابراہیم بلیلاوی رحمہ اللہ کہ وہ عبارت میں مذکور مسئلہ کو وہی سے بیان کرتے ہوئے انتہا تک پہونچاتے اور دوسرے حضرت شیخ فخر الدین مراد آبادی رحمہ اللہ کہ وہ عبارت سے متعلق مسئلہ کو سمجھانے کے لیے ابتدا سے کلام کرتے ہوئے عبارت حل کرنے تک گفتگو فرماتے، یعنی بحث کو انتہا تک نہیں پہنچاتے اور ان دونوں بزرگوں کے طرز کو میں نے اپنے درس میں ملادیا چنانچہ میں عبارت میں مذکور مسئلہ کو حل کرنے کے لیے ابتدا سے عبارت حل کرتے ہوئے انتہا تک سیر حاصل بحث کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

آپ کی زبان شیر وشکر تھی، مٹی کو سونا بنانے اور پتھر کو ہیرا بنانے کا فن آپ کے پاس تھا، آپ اپنے سحر انگیز خطاب کے ذریعہ سامعین کے ذہن و دماغ پر حاوی ہوجاتے، کسی ہنگامی یا نامناسب حالات میں طلباء کے درمیان آپ ہی گفتگو فرماتے اور مسئلے کو چٹکیوں میں اس طرح حل کر دیتے گویا کوئی واقعہ ہی پیش نہیں آیا۔

آپ کی شخصیت ہمہ گیر تھی، مختلف علوم وفنون پر مکمل دسترس حاصل تھی، اسلاف کی جھلک، علم کی جلالت شان اور پیکر صدق و وفا کے حامل تھے۔

آپ محنت کا اسلوب بیان کرتے ہوئے فرماتے کہ تدریس کے زمانے میں متعلقہ اسباق کے علاوہ ایک فن کی تمام چھوٹی بڑی کتابوں کو تین سال تک اس طرح پڑھ لینا چاہیے کہ پورے فن پر مکمل دسترس اور گرفت حاصل ہو جائے اور اس میں غور و فکر کرکے استنتاج کی صلاحیت پیدا ہو اور ماحصل کو قلم بند کیا جائے، پھر اگلے تین سال کے بعد دوسرے فن کی چھوٹی بڑی تمام کتب کو پڑھ کر پورے فن کو چٹ جائے، اس طرح ایک ایک فن کو تین تین سال تک مکمل پڑھ کر ۲۰- ۲۵ سال میں سارے فنون پر گرفت حاصل ہوگی، اس جہد مسلسل اور انتھک محنت و کوشش کرکے بیس پچیس سال کے بعد کچھ علم آنا شروع ہوگا اور علم کے سمندر میں غوطے لگانا اور سفر کرنا آئے گا، آپ کے دل میں طلباء کا درد تھا، بڑے متفکر، حساس ذہن کے مالک تھے، ہر اچھی بات کو سراہتے اور نامناسب بے تکی بات پر نکیر فرماتے۔

عصر کی نماز کے بعد آپ کے علم کدہ پر طلباء کی حاضری ہوتی، اساتذہ بھی تشریف لاتے، یہ مجلس عمومی ہوتی، اس عاجز کو الحمد اللہ چھ /٦ سال مسلسل حضرت کی خدمت کا شرف حاصل رہا، علمی و روحانی استفادہ کا موقع ملا، عربی پنجم کی بات ہے، سالانہ امتحان کا موقع تھا، عصر کے بعد سلم العلوم کی ایک بحث سمجھانے کی درخواست کی جب سلم کے پرچے کے صرف دو دن باقی تھے، حضرت نے درخواست قبول کرکے دل چسپی کے ساتھ اس بحث کا آغاز کیا اور بڑے شان دار طریقے سے آسان انداز میں گھول کر پلاتے گئے، ابھی بحث مکمل نہیں ہوئی تھی کہ پرچے کا دن آگیا، خیر میں سلم کا امتحان دینے کے لیے امتحان گاہ میں داخل ہوا تھوڑی دیر میں پرچے تقسیم ہوگئے، اتفاقا تیسرے سوال میں وہی عبارت تھی جو میں حضرت مفتی صاحب سے دو دن میں پڑھ رہا تھا، دیکھتے ہی دل خوش ہوگیا، پندرہ بیس منٹ کے بعد ناظم امتحان نے اعلان کیا کہ: سلم کے طلباء متوجہ ہو، سوال نمبر تین کی عبارت کا کچھ حصہ پڑھتے ہوئے کہا کہ یہ عبارت درست کرلیں........ ادھر حضرت مفتی صاحب امتحان گاہ میں موجود تھے انہوں نے اس عبارت کو سن لیا..... اس دن عصر کے بعد معمول کے مطابق حضرت کی خدمت میں حاضری ہوئی، دل میں سوچا کہ پہلی فرصت میں حضرت کو اس پر شکریہ کہوں، ابھی زینے سے حضرت کے ساتھ اوپر چڑھ ہی رہے تھے، میرے اظہار کرنے سے پہلے ہی حضرت نے کہا:

ارے بھائی تمہاری وہ بحث پرچہ امتحان میں تھی، میں نے عرض کیا جی حضرت، بہت جما کے لکھا ہے ....

حضرت الأستاذ کا کمال فیض اور قابلیت کا ایک واقعہ نقل کرتا ہوں ایک مرتبہ عصر کی نماز کے بعد دو میاں بیوی جو کسی عربی کنٹری سے تعلق رکھتے تھے، عورت قدرے اردو جانتی تھی مہمان بن کر کسی طالب علم کی رہنمائی میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم آپ سے ملنا چاہتے ہیں کچھ گفتگو کرنی ہیں، حضرت نے یہ کہتے ہوئے معذرت کر دی کہ ہمارے یہاں عورتوں کے ٹھہرانے کا کوئی انتظام نہیں ہے، وہ دونوں واپس دارالعلوم کے مہمان خانہ میں چلے آئیں کوئی گفتگو نہیں ہو سکی.... پھر دوسرے دن عشاء کے بعد دونوں حاضر خدمت ہوئیں جب مفتی صاحب اکیلے اپنے کام میں مصروف تھے، حضرت نے اجازت

دی، علیک سلیک کے بعد تعارف ہوا اور آنے کا مقصد بیان کیا، دونوں کے پاس علمی سوالات کی ایک فہرست تھی، باری باری سوالات پیش کرتے اور حضرت مفتی صاحب تسلی بخش جواب دے کر مطمئن کرتے اور ان جوابات کو سن ان کے دل میں حضرت کی قدر بڑھتی گئی، ہر جواب پر وہ دونوں یہ کہتے:

واللہ ما سمعت هذا الكلام الا شيخ سعيد

یہ علمی گفتگو اور سوالاتی نشست رات دیر تک چلتی رہی اور حضرت مفتی صاحب ان کے سوالات سے بہت خوشی کا اظہار فرماتے، اس نشست کے مکمل ہونے کے بعد حضرت نے خود سامنے سے دوبارہ وقت دیا اور اگلے دن ظہر سے عصر تک یہ مجلس چلتی رہی............ یہ دونوں میاں بیوی طالب علم تھے، کسی غیر ملکی اسلامک یونیورسٹی میں دینی تعلیم حاصل کرتے تھے اور انہیں بہت اعتراضات وسوالات ہوتے تھے تو ایک شامی عالم دین_ جن کو حضرت مفتی صاحب بالکل نہیں جانتے_ نے ان دونوں میاں بیوی سے کہا کہ آپ کے ان اعتراضات کے جوابات ہندوستان میں دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث علامہ مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دیں گے، چنانچہ دونوں میاں بیوی نے اس غرض سے دارالعلوم کا سفر کیا، ہفتہ دس دن دیوبند میں رہے اور دارالحدیث فوقانی کی گیلری میں بیٹھ کر تین چار دن تک پہلے حضرت مفتی صاحب کا درس سنتے رہے پھر آپ کی خدمت میں حاضری کی درخواست کی............ الغرض حضرت الأستاذ بہت سی خوبیوں اور کمالات کے مالک تھے، آنے والے دنوں میں ان کے شاگرد مختلف پہلوؤں پر قلم اٹھائیں گے ان شاء اللہ .

حضرت الأستاذ اس عاجز سے بہت محبت فرماتے تھے جس کا احساس دیوبند کے قیام کے ساتھ ساتھ مقام پر بھی ہوا، جب بھی حضرت بمبئی تشریف لاتے تو ضرور حاضر خدمت ہوتا، حال احوال، ادارہ کی نوعیت اور تعلیمی وتدریسی خدمات معلوم کرکے دعائیاں کلمات سے نوازتے اور کام سراہ کر حوصلہ افزائی فرماتے۔

میرے بڑے بچے حیان کی تحنیق اور بسم اللہ کا آغاز حضرت کے دست مبارک سے ہوا الحمد للہ . آج وہ آفتاب علم وفن ہمارے درمیان نہیں رہا، ہر وقت حضرت کا تصور ذہن ودماغ میں گردش کررہا ہے، اور وہ پرانی باتیں اور یادیں ذہن میں دستک دیتی رہتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت کی خدمات قبول فرما کر رفع درجات فرمائیں اور ہم شاگردوں سے خوب دین کی خدمت لے کر ان کے حق میں صدقہ جاریہ بنائے اور ہمارے حق میں اپنی رضامندی اور نجات کا ذریعہ بنائے . آمین ثم آمین ۔ پھر نم آنکھوں کے ساتھ یہ شعر پیش کرتا ہوں .... مدتوں رویا کریں گے جام وپیمانہ تجھے

۲۸/ مئی/ ۲۰۲۰ ---۴-شوال المکرم- ۱۴۴۱، بروز جمعرات ❒❖❒

اب انہیں ڈھونڈ چراغِ رُخِ زیبا لے کر

حامد پالنپوری، بھاگل، گجرات الہند

حضرت استاذ شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند مفتی سعید احمد پالنپوریؒ کی شخصیت سے کون ناآشنا ہے، آپ ایک عظیم محدث ومفسر؛ افکارِ نانوتوی کے محافظ؛ علومِ نانوتوی کے امین؛ علوم وفنون کا تابندہ ستارے؛ ایک بلند پایہ مصنف؛ یگانہ روزگار شخصیت؛ ایک بے بدل فقیہ؛ ایک محقق ومدقق عالم؛ ایک بارع وماہر مفتی تھے، حضرت الاستاذ کو اللہ تعالی نے علوم وفنون پر مضبوط دسترس، اور مغلق وپیچیدہ مسائل کو چٹکیوں میں حل کردینے پر بڑی گرفت عطا فرمائی تھی، واقعتاً حضرت مفتی صاحب ہمارے لئے ایک درِ بے بہا تھے، آپ کی طبیعت میں یوں تو نرمی تھی، لیکن دینی امور میں آپ انتہائی سخت تھے، آپ عاملِ شریعت متبعِ سنت تھے، جب کسی بدعت کو جنم لیتا ہوا دیکھتے تو آپ فی البدیہہ روک ٹوک دیتے، حقیقتا آپ دین کے چوکیدار تھے، ساری عمر درس وتدریس آپ کا مشغلہ رہا، آپ کو اپنے مشغلے سے اس قدر دلچسپی تھی، کہ آپ جی جان لگا کر پڑھاتے رہے، پھر وہ وقت بھی آیا کہ آپ نے اکثر وبیشتر علوم کو اپنی گرفت میں لے لیا، پھر کیا تھا، آپ کے قلم میں جنبش ہوئی اور قلم بس اٹھتا ہی چلا گیا، کبھی تفسیر ہدایت القرآن؛ تو کبھی تحفۃ الالمعی؛ تو کبھی تحفۃ القاری؛ تو کبھی حجۃ اللہ البالغہ؛ کی لاجواب وبے مثال شرح رحمۃ اللہ الواسعہ؛ تو کبھی متفرق درسی وغیر درسی کتب تحریر فرمائی۔

گلزار ہست وبود نہ بیگانہ وار دیکھ ہے دیکھنے کی چیز اسے بار بار دیکھ

حضرت کا درس بڑا مقبول تھا، لہجے کی ملاحت، دلنشیں تشریح، دلکش لب ولہجہ، شفقت ومحبت بھری ڈانٹ ڈپٹ، آج بھی یاد آتی ہے؛ جب حضرت الاستاذ درس دینے آتے تو طلبہ کا ہجوم اس قدر کے دارالحدیث کھچاکھچ بھر جاتا، اس قدر تسلی بخش وضاحت فرماتے کہ ادنیٰ طالب علم بھی بخوبی سمجھ لیتا تھا، یہ حضرت کے درس کی خصوصیت تھی۔

نیز آپ کا درس صرف دارالعلوم ہی نہیں بلکہ پورے ہندوستان وبیرون میں مقبول گردانا جاتا تھا، آپ نے صرف نقل پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ آپ نے خود منصوصات میں غوطہ زنی کی اور بیش بہا قیمتی موتی نکال کر امت کے سامنے پیش فرمایے، آپ کو مطالعے کی اس قدر اہمیت تھی کہ آپ نے اتنی تصنیفات کے باوجود کبھی مطالعہ ترک نہیں کیا، بلکہ آپ تو مطالعہ کے دلدادہ تھے، جی ہاں مطالعہ ہی علوم کو جلا بخشتا ہے، مطالعہ ہی حاصل کردہ علوم کی آبیاری کا بہترین ذریعہ ہے، مسلسل مطالعہ انسان کو علوم ومعارف کی گہرائی تک پہنچا دیتا ہے، مفتی صاحب کے مسلسل مطالعہ ہی کا نتیجہ تھا کہ آپ نے اتنی گوہر بار کتب تصنیف فرمائیں، مفتی صاحب نہایت عاجز؛ اور سادہ لوح انسان تھے، آپ بڑے متواضع؛ اور منکسر المزاج؛ اور خاموش طبیعت؛ انسان تھے، چنانچہ جب محبوب العلماء والصلحاء حضرت پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ دارالعلوم تشریف لائے تھے، تو آپ نے حضرت کو

بالکل اسی طرح پایا تھا جس طرح سنا تھا، اس کا آپ نے حضرت الاستاذ کی وفات پر اپنے تعزیتی پیغام میں اظہار فرمایا ہے، انتہائی تعجب وحیرت تو اس وقت ہوئی، جب حضرت مولانا جمال الرحمن صاحب بلند شہری رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تھا، جنازہ آنے میں کچھ دیر تھی، آپ بھی طلباء کے ساتھ کھڑے تھے، جب کافی دیر ہوگئی تو آپ وہیں بیٹھ گئے، جب کہ آپ رئیس المحدثین ہیں، آپ کو اس کا بالکل خیال نہ آیا، کیونکہ علم نے آپ کو انتہائی متواضع انسان بنادیا تھا، جبکہ "علم کا مقتضی بھی یہی ہے کہ جوں جوں علم آتا جائے، انسان میں عاجزی بھی آتی جائے، کیونکہ پھل دار درخت جب بارآور ہوتا ہے، تو ڈالیاں ٹہنیاں جھک جایا کرتی ہیں،" بہرحال حضرت مفتی صاحب علوم وفن کا خزانہ؛ حسنِ عادات واخلاق کا حسین مجسمہ تھے۔

بھلا سکے گا نہ زمانہ وہ یادگار ہوں میں
بہارِ عہدِ گزشتہ کا رازدار ہوں میں

دکھ تو اس بات کا ہے کہ اہل مدارس ہر سال حضرت کو اپنے جلسوں پر بلاتے تھے، پوسٹروں اور اشتہارات میں جب لوگ آپ کا اسم گرامی دیکھتے تو خواص وعوام سبھی آپ کی شیریں گفتگو علمی سخن کو گوش گزار کرنے کے لیے جوق درجوق جمع ہوجاتے تھے، لیکن اب اہل مدارس کسے بلائیں گے؟ جن کے چہرے کو دیکھ کر فرحت وانبساط نصیب ہوتا تھا، جن کی باتوں کو سن کر کلیجہ ٹھنڈا ہوجاتا تھا؛ جن کی ملاقات سے دل باغ باغ ہوجاتا تھا؛ جن کی آمد سے محفل پررونق تھی؛ جب سنتے کہ آپ کی آمد ہے تو خوشی کی لہر دوڑ جاتی تھی؟ ہر سال حضرت کی زیارت نصیب ہوتی تھی؛ خصوصا حضرت کو جامعہ نورالعلوم گٹھامن سے گہری عقیدت تھی، جہاں آپ کا جامعہ سے ربط تھا؛ وہاں آپ جامعہ کے ایک سرپرست اور شوریٰ کے رکن بھی تھے؛ ہر سال حضرت خوشی خوشی جلسہ کے موقع پر تشریف لاتے تھے، اور کبھی مختصر سی طلباء کو نصیحت بھی فرماتے تھے، بس دیکھتے ہی رہ جاتے تھے، جب حضرت بولنا شروع کرتے، کسی مسئلے پر گفتگو کا آغاز فرماتے تو بس بولتے ہیں جاتے، امسال جب اثنائے سال آپ تشریف لائے تھے، تو آپ نے مدرسے کا بخوبی دورہ بھی کیا تھا، لیکن کیا پتا تھا، کہ یہ آخری زیارت ہے؛ یا آخری آنا ہے؛ پھر کبھی آنا نہ ہوگا؛ بس آئے گی تو آپ کی یادیں آئے گی؛ آئیں گے تو صرف آپ کے خواب آئیں گے؛ دل تجھے ڈھونڈتا رہ جائے گا؛ ہم نہیں بلکہ ہر کسی کو تیری طلب ہوگی۔

ڈھونڈوگے اگر ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم
تعبیر ہے جس کی حسرت وغم اے ہم نفسو وہ خواب ہیں ہم

کچھ ایام گزرے امتحانات کے مواقع چل رہے تھے، فارغین وفاضلین کو حضرت کے ہاتھوں اختتام بخاری کا انتظار تھا، لیکن طلباء کا یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوا، آپ علالت کے سبب ممبئی لائے گئے، وہی زیرِ علاج رہے، افاقہ ہونے پر اپنے وطن لوٹنے کی سوچی، لیکن خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا، رمضان شریف چل رہا تھا، ایک ہفتہ قبل حضرت کے علیل ہونے کی خبریں موصول ہورہی تھیں، لیکن کوسوں دور اس کا یقین نہیں تھا، چناچہ تصدیق کے لیے حضرت کے برادر مکرم حضرت مفتی امین صاحب مدظلہ کے

فرزند ارجمند مفتی مصطفی صاحب سے رابطہ کیا، تو آپ نے طبیعت کے قدرے ناساز ہونے کی خبر دی، کچھ اطمینان نصیب ہوا، لیکن رفتہ برفتہ طبیعت ناساز ہوتی جارہی تھی، ۲۵ رمضان کی صبح تھی، چاشت کا وقت تھا، کہ ناگاہ یک دل سوز خبر بجلی بن کر سب پہ گری: کہ حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ آغوش رحمت میں چلے گئے، پھر کیا تھا کہ علمی حلقوں میں سوگ چھا گیا؛ علماء طلباء کی آنکھیں نم ہو گئیں، کہنے والوں نے یہاں تک کہدیا، (کہ آج دیو بند یتیم ہو گیا) اور اس طرح علم وفن کا آفتاب و ماہتاب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے داغِ مفارقت دے گیا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ

آتی رہے گی تیرے انفاس کی خوشبو

گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

انگلیاں فگار اپنی،خامہ خوں چکاں اپنا! (استاذِ محترم کی یاد میں)

نایاب حسن

دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور کئی نسلوں کے معلم و مربی ،استاذ الاساتذہ حضرت مفتی سعید احمد پالنپوری آج صبح قضائے الہی سے وفات پا گئے۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔

دل مغموم ہے ،آنکھیں نم ہیں،ذہن پر رنج و غم کے بادل منڈلا رہے ہیں۔میں نے ان کی وفات کی خبر قدرے تاخیر سے دیکھی اور دیکھتے ہی ان سے منسوب زمانۂ طالب علمی کی کتنی ہی یادیں ذہن کے پردے پر جھلملانے لگیں۔کیا شگفتہ و شاندار انسان تھے اور خدا نے ان کی شخصیت میں کیسی دلکشی رکھ دی تھی! مفتی صاحب ہندوستان؛ بلکہ دنیا کے ایسے چیدہ و خوش نصیب لوگوں میں سے ایک تھے جنھیں کم و بیش نصف صدی تک مسلسل علمِ حدیث کی تدریس کا موقع ملا اور انھوں نے ہزارہا طالبانِ علومِ نبوت کی علمی تشنگی بجھائی۔وہ دارالعلوم دیوبند کے احاطے میں ان منتخب ترین اساتذہ میں سے ایک تھے جنھیں تمام طلبہ کے درمیان یکساں مقبولیت و محبوبیت حاصل تھی اور اس کی وجہ صرف ان کا تدریسی کمال،افہام و تفہیم کا اثر انگیز انداز اور پڑھانے کا ایسا دلنشیں طَور تھا،جو شاذ ہی کہیں دیکھنے کو ملے۔نو دس سال قبل جب ہم وہاں دورۂ حدیث کے طالب علم تھے ،تب اس جماعت میں کم و بیش آٹھ سو طلبہ ہوتے تھے،اسی سال انھیں صحیح بخاری کی تدریس کی ذ مے داری ملی تھی،سنن ترمذی وہ پہلے سے پڑھا رہے تھے۔دوسرے اساتذہ کے گھنٹوں میں عموماً آدھی یا دو تہائی درس گاہ خالی ہوتی تھی ،مگر مفتی صاحب کی کلاس میں پاؤں رکھنے کو جگہ نہ ہوتی،جو طلبہ کلاس میں ان کی آمد کے بعد پہنچتے وہ عموماً آدھے اندر اور آدھے باہر رہ کر سبق سنتے۔ان سے استفادے کے لیے دیوبند کی دوسری درسگاہوں کے طلبہ بھی جوق در جوق آتے تھے۔جب حدیث کی عبارت خوانی ہوتی اوراس کے بعد مفتی صاحب کی تقریر شروع ہوتی ،تو ایک عجیب ہی سماں ہوتا،دلکش و سحر انگیز و دلنشیں ،ہر طالب علم سراپا سماعت بن جاتا،مکمل ذہنی و جسمانی حاضری کے ساتھ سبق سنتا۔وہ ایسے استاذ تھے کہ ان کے سبق میں شاید ہی کوئی طالب علم ذہنی غیاب کا شکار ہوتا ہوگا،ان کے اسلوبِ کلام اور اندازِ بیان میں ایک مقناطیسیت تھی،جو طالب علموں کو ہمہ تن اپنی طرف متوجہ کرلیتی تھی۔مفتی صاحب کی خوبی یہ تھی کہ وہ پڑھاتے ہوئے اپنا ارتکاز موضوع پر رکھتے اور اس کی تفہیم میں تمام متعلقہ دلائل و براہین کو اس خوب صورتی اور منطقی ترتیب سے بیان کرتے کہ طالب علم عش عش کرنے لگتا۔کم و بیش تیس پینتیس سال تک انھوں نے فضیلت

(دورۂ حدیث شریف) کی اہم کتاب سنن ترمذی کا درس دیا اور 2009سے تاحیات صحیح بخاری بھی ان کے زیر درس رہی۔

ان کی ظاہری شخصیت میں بھی مخصوص نوع کی وجاہت تھی،جو ایک محدث کے شایانِ شان ہوتی ہے۔سادگی و بے تکلفی ہوتی ،مگر اس میں کشش ایسی کہ دل و نگاہ کو اپنا اسیر بنالے۔اپنے گھر سے دارالعلوم تک کی مسافت عموماً رکشے سے طے کرتے،صددروازے سے دارالعلوم میں داخل ہوتے،احاطۂ مولسری میں پہنچ کر دوتین بار کلی کرتے،چوں کہ وہ پان کھانے کے عادی تھے تو تدریسِ حدیث سے قبل اہتمام سے کلی ضرور کرتے،پھر درس گاہ (دارالحدیث)میں داخل ہوتے،مسندِ تدریس پر بیٹھتے،ایک طالب علم بلند و خوش الحان آواز میں حدیث پاک کی عبارت پڑھتا،اس کے بعد اس حدیث پر مفتی صاحب کی گفتگو ہوتی۔میں یہ سطور لکھتے ہوئے اس لذت کوپھر سے محسوس کر رہاہوں ،جس سے ان کے در س میں ہم لطف اندوز ہو تے تھے۔مفتی صاحب پڑھاتے نہیں تھے،جادو کرتے تھے،طالب علم اور سامع کے حواس پر چھا جاتے تھے ،وہ بولتے نہیں تھے موتی رولتے تھے،ان کی نگہ دلنواز تھی اور ادا دلفریب،ان کی امیدیں قلیل تھیں اور مقاصد جلیل،وہ اقبال کی تعبیر ”نرم دمِ گفتگو اور گرم دمِ جستجو“ کی نہایت ہی تابناک مثال تھے۔

جب ہم دورۂ حدیث شریف میں تھے ، تو ششماہی امتحان میں ترمذی و بخاری میں پچاس پچاس نمبرات (تب دارالعلوم میں کل نمبرات پچاس ہوا کرتے تھے)حاصل کرنے والوں کی مفتی صاحب نے خصوصی حوصلہ افزائی کی اور ایسے طلبہ چند ایک ہی تھے۔اللہ کے فضل سے ان میں سے ایک میں بھی تھا،مفتی صاحب نے ایسے سب طالب علموں کو بعد نماز عصر اپنے گھر بلاکر دعائیں دیں ، تحسین آمیز کلمات سے نوازا،ہمت افزائی کی اور انعام کے طور پر سنن ترمذی کی شرح عنایت فرمائی۔انھیں یہ شکایت رہتی تھی کہ اب طلبہ محنت نہیں کرتے اور اس کا وہ ہمیشہ اپنی کلاسوں میں اظہار کرتے۔پرانے محدثین و علما اور خود دارالعلوم کے اساتذۂ متقدمین کے واقعات و حالاتِ زندگی سے چیدہ چیدہ واقعات سناتے اور طلبہ کو مہمیز کرتے۔وہ طلبہ و اساتذہ کے راست تعلق اور رابطے پر زور دیتے تھے؛تاکہ افادہ و استفادہ کا عمل تیز اور نتیجہ خیز ہو؛ اس لیے ہم نے ہمیشہ ان کی زبان سے سنا کہ ایک ایک جماعت میں کئی کئی سو طلبہ کا ہونا درس و تدریس کے نقطۂ نظر سے درست نہیں ہے،مگر پھروہ یہ بھی کہتے کہ چوں کہ دارالعلوم کو اس کے معیار کے مطابق اساتذہ نہیں ملتے،اس وجہ سے مجبوری میں ایسا کرنا پڑتا ہے۔اب تو دورۂ حدیث میں غالباً پندرہ سو یا اس سے بھی زیادہ طلبہ ہوتے ہیں۔

سال کے آخری دن ہونے والی ان کی پندو نصائح سے معمور تقریر بھی یادگار ہوتی تھی۔اس دن وہ خود بھی جذبات سے لبریز ہوتے اور طلبہ پر بھی ایک عجیب کیفیت طاری ہوتی۔آخری حدیث کا سبق ہوتا،تشریح کی جاتی اور پھر وہ باتیں ہوتیں جو فضیلت کی تکمیل کرنے والے طلبہ کے لیے زندگی بھر کام آنے والی ہوتیں۔وہ اپنے طلبہ کی تین جماعتوں میں تقسیم کرتے :اعلی،متوسط اور ادنی اور پھر ان میں سے ہر ایک کو عملی زندگی کا ٹاسک بتاتے۔اسی کے مطابق سرگرمِ کار ہونے کی تلقین کرتے۔جب طالب علم آخری دن ان کی کلاس سے اٹھتا توگرچہ اسے اس بات کا غم ہوتا کہ مفتی صاحب جیسے عظیم استاذ سے جدا ہونا پڑ رہا ہے،مگرساتھ ہی اسے خوشی بھی ہوتی کہ اس کا دامن علم و فکر کے جواہر ریزوں سے بھرا ہوا ہے۔مفتی صاحب نہایت ذہین انسان تھے اوران کا دماغ گویا ایک وسیع و عریض کتب خانہ تھا جس میں مختلف علوم و فنون کی ہزاروں کتابیں ہر وقت موجود و مستحضر رہتیں۔

مفتی صاحب کا کارنامہ صرف یہی نہیں ہے کہ انھوں نے کم و بیش نصف صدی تک علم حدیث پڑھا یا اور ہندوبیرون ہند کے ہزارہا طلبہ ان سے سیراب ہوئے،ان کا ایک کارنامہ یہ بھی ہے کہ عصرِحاضر کے طلبہ کے ذہنی مستوی کا ادراک کرتے ہوئے درسِ نظامی کی کئی اہم کتابوں کی لسانی تہذیب و تسہیل کاکام کیا اور انھیں نئے لباس میں شائع کیا۔بانیِ دارالعلوم دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتوی کی متعدد کتابوں کی تسہیل فرمائی اور انھیں نئی نسل کے لیے سہل الفہم بنایا،درسِ نظامی کی متعدد اہم کتابوں کی آسان اردو زبان میں تشریحیں کیں اور جامع ترمذی کی آٹھ جلدوں میں ،جبکہ صحیح بخاری کی بارہ جلدوں میں شرحیں لکھیں اور امام ولی اللہ دہلوی کی معرکۃ الآرا کتاب حجۃ اللہ البالغہ کی منفرد و ممتاز شرح رحمۃ اللہ الواسعہ لکھ کرعلمی دنیا پر احسانِ عظیم کیا۔ان کے علاوہ بھی مختلف درسی کتابوں کی دسیوں شروح تحریر کیں اور دیگر موضوعات پر بھی اہم کتابیں لکھیں۔

الغرض مفتی صاحب کی پوری زندگی نہایت ہی سرگرم وماجرا پرور رہی۔ان کی پیدائش 1940میں گجرات کے ضلع پالن پور میں ہوئی تھی،1962میں دارالعلوم دیوبند سے فضیلت کی تکمیل کی اور1972۔73میں دارالعلوم دیوبند میں استاذ مقرر ہوئے اور تاحیات علمِ حدیث وفقہ کی امہاتِ کتب کی تدریس کی خدمت انجام دی۔لگ بھگ اسی سال کی عمر میں اس دنیا سے رخصت ہوئے۔اللہ پاک حضرت مفتی صاحب کی کامل مغفرت فرمائے،پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہم جیسے ان کے ہزارہا شاگردوں کی طرف سے انھیں بہتر سے بہتر بدلہ عطا فرمائے۔(آمین)

❒❖❒

عظیم سلف کے عظیم خلف!

انس بجنوری

تقدیر تمام تر تدابیر پر غالب آئی، کشتی وہیں غرقاب ہوئی جہاں سے ساحل تک پہونچنے کی کوئی راہ نہیں ملتی اور حضرت مفتی سعید صاحب کو دارالبقاء کی طرف لے گئی، ملت اسلامیہ ہند کے واسطے اپنی کرنوں کے ساتھ جو چراغ ٹمٹمارہا تھا اور سالوں سے اپنے نحیف و نزار جسم کے ساتھ بیماری کے تیز و تند جھونکوں سے لڑ رہا تھا آج اس کی ہمت ٹوٹ گئی اور مفتی صاحب کو عقبی کی راہ کا راہی بنادیا۔

مادر علمی دارالعلوم دیوبند کی مسند صدارت پر بیٹھا ہوا ہمہ جہت عالم دین آج ملت اسلامیہ کو روتا چھوڑ کر دنیا کے جھمیلوں سے آزاد ہوگیا، برصغیر میں مسند حدیث کا سب سے بڑا محدث آج محفل حدیث کو نوحہ کناں کرگیا۔۔اکابر کے ورثے کا محافظ، چمنستان قاسمیت کا باغباں اور ذوق قاسمیت ورشیدیت کا مداح آج اس دنیا کو چھوڑ کر اس جہاں کا راہی بن گیا جہاں سے لوٹنا ناممکن ہے۔

اس بار دل کو خوب لگا موت کا خیال
اس بار درد ہجر کی شدت عجیب تھی!

اس دور آخر میں حضرت مفتی صاحب جیسے عالم باعمل، نکتہ داں محدث، دیدہ ور فقیہ، حقائق آشنا مفسر اور نبض آشنائے منطق و فلسفہ کی نظیر کم ہی ملے گی، بل کی صحیح یہ ہے کہ وہ بے مثال تھے، عالم اسلام میں علامہء کبیر، محدث جلیل، مفکر دور اندیش، مفتیٔ باخبر اور قاضیٔ بصیرت کی کوئی کمی نہیں ؛ البتہ ایسے انسانوں کی بیشک کمی ہے جو اپنے علمی و عملی منصب کے معیار پر سیرت و کردار اور عمل و اخلاق کے ساتھ پورے اترتے ہوں۔وسیع العلمی، سلاست قلمی اور دقیق النظری کے ساتھ بہت سارا پیہم اور مضبوط عمل یہی وہ امتیاز ہے جو مفتی صاحب کو اپنے بہت سے اقران سے جدا کرتا ہے۔

علم کے اعتبار سے وہ صرف ایک دو فنوں کے غواص نہیں تھے؛ بلکہ سلف صالحین اور علمائے متقدمین کی طرح بہت سے علوم کے شناور تھے، تفسیر و تاریخ حدیث و فقہ اور اصول فقہ کے ساتھ ساتھ وہ منطق و فلسفہ کے بھی صاحب نظر عالم اور ماہر مصنف تھے۔وہ عالم اسلام میں ہزاروں علماء عصر کے دلوں کی دھڑکن تھے، وہ دنیائے علم کا ایک تاب ناک ترین ستارہ اور حلقہ فقہاء و محدثین و علماء و زاہدین کا گوہر شب تاب تھے۔۔

قندیل ماہ و مہر کا افلاک پہ ہونا

کچھ اس سے زیادہ ہے میرا خاک پہ ہونا

وہ شب بیدار اہل دل اور خوش اوقات عالم دین تھے، تہجد گزاری اور آہ سحر گاہی محبوب مشغلہ تھا "فارس بالنہار اور راہب باللیل" کا حقیقی پرتو تھے۔ ان کے درس میں ذہانت بجلی بن کر دوڑتی تھی، وہ صرف لفظ علم کے پجاری نہ تھے ؛ بل کہ علم و عمل دونوں کے شہسوار تھے۔۔ایک ایسا عالم دین جس کے قول و فعل میں تضاد نہیں تھا، جس کا ظاہر و باطن دو رنگا نہیں تھا۔ اللہ نے آپ کو دلوں پر اثر کرنے والی شخصیت۔بے پناہ علم و آگہی اور گہرے مشاہدے سے نوازا تھا۔ آنکھوں میں دلوں تک پہونچنے والی روشنی اور مصافحے میں قرون اولی کے مجاہدوں کی گرمی ملتی تھی۔

ان کے درس کی مقبولیت کے بے پناہ اسباب تھے، ان کا علم بے پناہ تھا۔ عمل بے ریا تھا۔ اخلاص ان کی شخصیت کی کلید تھی، حلم و کرم سے ان کا خمیر اٹھا تھا، ان کی یاد داشت کا سرمایہ حیرت انگیز خزانہ تھا، ان کی ذہانت بڑی اخاذ تھی۔ خدائے قادر و وہاب نے عظمت و عبقریت اور کمال و یکتائی کے بہت سے عناصر جمع کر دیے تھے۔یعنی آپ کی ہستی اس قدر دلپذیر تھی جو آپ کی شکل میں پائی گئی اور آپ پر ختم ہوگئی۔اب چراغ روم اور رخ زیبا کی لے کر بھی ڈھونڈیں تو ایسی شخصیت نہ مل سکے گی۔ آہ! اسلاف کی امانتوں کا آخری پاسبان کہاں غائب ہو گیا!

بسیار خوباں دیدہ ام؛ لیکن تو چیزے دیگری !!

آہ! حضرت الأستاد مفتی سعید احمد پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ بحیثیت مدّرس، مصنّف و مؤلف

تحریر:۔ محمد احسان ندوی، قاسمی

خادم التدریس مدرسہ مدینۃ العلوم رابوڑی تھانہ ویسٹ مہاراشٹر انڈیا

یہ دنیا دار الفناء ہے، یہاں جو بھی آیا ہے اسے ایک نہ ایک دن یہ دنیا چھوڑ کر جانا ہی ہے اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں، لیکن اللہ کے کچھ بندے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے جانے سے صرف ایک قصبہ اور گاؤں ہی نہیں بلکہ پورا عالم ماتم کناں ہوتا ہے، اسی لئے تو کہا گیا ہے کہ "موت العالِم موت العالَم" یعنی ایک عالم کا دنیا سے چلا جانا پورے ایک عالم کی موت ہے، ایسے ہی پاکیزہ نفوس میں سے حضرت الأستاد مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری قُدّس سرّہ بھی تھے، آپ پورے ایک عالم کو سسکتا، بلکتا چھوڑ کر ہمیشہ ہمیش کے لئے 19 مئی 2020 کو ممبئی کے ایک ہاسپٹل میں اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے اور وہیں جوگیشوری قبرستان میں سپرد خاک ہوئے۔

وہ بڑی خوبیوں کے حامل تھے، راقم الحروف آپؒ کی کن کن صفات کو بیان کرے اور کسے نظر انداز کرے، حقیقت تو یہ ہے کہ آپ پوری ایک انجمن تھے، یوں تو راقم الحروف جب دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں زیر تعلیم تھا اور آپ کے علمِ حدیث وفقہ کی شہرت سنتا تھا، اور آپؒ کی کتاب تحفۃ الدرر شرح نخبۃ الفکر، اور تحفۃ الألمعی شرح سنن الترمذی مطالعہ کرتا تھا، تو دوران استفادہ آپ کی تبحر علمی کا بخوبی اندازہ ہو گیا تھا، دل ہی دل میں حسرت ہوتی تھی کہ کاش حضرت سے براہ راست ملاقات یا کسب فیض کا موقع مل جاتا، آپؒ کے متعلق اس ناچیز کی زبان سے خوب دعائیں نکلتی تھیں، لیکن دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے فراغت کے بعد دورہ حدیث (فضیلت) کے لئے راقم الحروف نے جب دار العلوم دیوبند کا قصد کیا، اور بخاری شریف جلد اول حضرت الأستاد مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھنے کا موقع ملا، تو جو باتیں میں نے حضرتؒ کے متعلق سن رکھی تھی بالکل ویسا ہی پایا بلکہ جتنا سنا تھا اس سے بڑھ کر پایا۔

شنیدہ کئے بود مانند دیدہ

حدیث پاک سے آپ کے شغف اور شوق کو میں کس انداز سے بیان کروں کہ آپؒ عام طور سے پورا پورا سال روزانہ ڈھائی ڈھائی گھنٹے پڑھاتے، اور اخیر سال میں جب دیگر اساتذہ کے اسباق مکمل ہو جاتے تو آپ سات بجے سے ساڑھے بارہ بجے تک مکمل پڑھاتے تھے، اور تعجب کی بات یہ ہے کہ دوران درس پانی وغیرہ کی طرف خیال بھی نہیں جاتا تھا، اور انتہائی ذوق و شوق سے بخاری شریف پڑھاتے رہتے تھے، آپؒ خود حدیث پاک بالکل صاف صاف پڑھتے، اور توضیح و تشریح بھی بالکل صاف کرتے، اور ٹھہر

ٹھہر کر ایک ایک بات صاف کر دینا اور پیچیدگیوں کو دور کر دینا آپ کے درس کا خاص پہلو تھا، آپؒ پورے سال بخاری شریف ایک ہی انداز سے پڑھاتے تھے، عام طور سے دیگر مدارس کا حال ہے کہ شروع سال میں خوب لمبی، چوڑی بحث کریں گے اور سال کے اخیر میں صرف عبارت خوانی پر اکتفا کریں،ایسا آپ کبھی نہیں کرتے تھے، آپؒ کے پڑھانے کا انداز بڑا نرالا اور دلچسپ تھا، جس نے آپؒ سے استفادہ کیا ہے وہی اس درس کی اثر انگیزی کا لطف اٹھا سکتا ہے، جو حدیثیں کچھ مشکل معلوم ہوتیں، آپؒ اسے اس طرح حل فرماتے تھے کہ طلبہ عش عش کرتے رہ جاتے تھے، حدیث فہمی کا جو ملکہ اللہ نے آپؒ کو ودیعت کیا تھا، مجھ کوتاہ نظر نے پورے ہندوستان میں دور دور تک اس میں آپ کا ثانی نہیں دیکھا، آپؒ کا جب وہ انداز یاد آتا ہے تو آپؒ کے لئے دل سے دعائیں نکلتی ہیں، وہ فرماتے تھے کہ دیکھو بھائی! یہ حدیث ہے، اس میں امام اعظم ابو حنیفہؒ یہ کہیں گے، کیوں کہ ان کا اصول یہ ہے، اور امام مالکؒ، امام شافعیؒ امام احمد بن حنبلؒ یہ کہیں گے کیوں کہ انکے اصول یہ ہیں، مطلب یہ کہ آپؒ کو ائمہ کرام رحمہم اللہ، کے اصول اور ان کے مسالک اس طرح مستحضر تھے کہ آپ اصول سے ہی ائمہ کے مسالک سمجھ جاتے تھے، اور ائمہ کے مسالک اور دلائل اس طرح بیان کرتے تھے جیسے آپ کے سامنے کوئی کتاب کھلی ہو اور آپ اسی میں سے نقل کر رہے ہوں۔

طالبین حدیث جانتے ہیں کہ بخاری کا ترجمۃ الباب سمجھنا کس قدر مشکل کام ہے، لیکن آپ اسے چٹکیوں میں حل فرماتے تھے، اور یہ بات تو بہت ہی مشکل ہے کہ امام بخاریؒ اس مسئلہ میں کس امام کے ساتھ ہیں؟ آپ اسے بھی انتہائی آسانی کے ساتھ حل فرماتے تھے۔ آپؒ دورانِ درس لایعنی باتوں سے مکمل اجتناب فرماتے تھے، ادھر ادھر کی بات بالکل نہ کرتے تھے۔

ایک طرف تو آپ خود بھی کامیاب مدرّس اور استاد تھے دوسری طرف ممتاز مصنّف اور مولّف بھی تھے، درجنوں کتابیں آپؒ کے سیال قلم سے منظر عام پر آئیں اور اہل علم و نظر سے خوب داد و تحسین حاصل کی، کچھ معروف کتابیں یہاں ذکر کی جارہی ہیں۔

رحمۃ اللہ الواسعۃ شرح حجۃ اللہ البالغۃ پانچ جلدیں مکمل، تفسیر ہدایت القرآن، تحفۃ الألمعی شرح ترمذی آٹھ جلدیں مکل، تحفۃ القاری شرح بخاری شریف بارہ جلدیں مکمل، تحفۃ الدرر شرح نخبۃ الفکر، علمی خطبات دو جلدیں، فقہ حنفی اقرب إلی النصوص ہے، فیض المنعم شرح مقدّمۃ المسلم، ہادیہ شرح کافیہ، وافیہ شرح کافیہ، حیات امام طحاوی، زبدۃ الطحاویؒ، آسان صرف، آسان نحو، محفوظات، دین کی بنیادیں اور تقلید کی ضرورت، آسان فارسی قواعد، مبادی الأصول، مبادی الفلسفہ، معین الأصول، شرح علل الترمذی، ارشاد الفہوم شرح سلم العلوم، مفتاح العوامل شرح شرح مأۃ عامل، حاشیہ امداد الفتاوی، کیا مقتدی پر فاتحہ واجب ہے؟، داڑھی اور انبیاء کی سنت، وغیرہ، ان کے علاوہ بہت سے مضامین و مقالات اور علمی و فقہی بحثیں ہیں جو ان شاء اللہ قیامت تک طالبین وباحثین کے لئے نئے نئے راستے بناتی رہیں گی اور آپ کے حق میں صدقہ جاریہ اور وسیلہ نجات ثابت ہوں گی۔

آپؒ نے اپنے بعد جو اولادیں چھوڑی ہیں وہ بھی قابل رشک ہیں، آپ کا پورا خاندان علم کا گہوارہ ہے، ایک، دو بچوں کے علاوہ سب حافظ قرآن ہونے کے ساتھ ساتھ عالم بھی ہیں، اور حیرت کی بات یہ ہے اکثر بہویں بھی حافظہ ہیں، فالحمدللہ علی ذلک۔

راقم الحروف اس بات پر جتنا بھی اللہ رب العزت کا شکر ادا کرے کم ہے، کہ اس نے مجھے بھی آپؒ سے بخاری شریف جلد اول پڑھنے کا موقع عطا فرمایا، اور اس سے مجھے جو فائدہ پہونچا بندہ اس کو بیان کرنے سے قاصر ہے۔

اخیر میں اللہ سے دست بدعا ہوں کہ وہ استاد محترم مفتی سعید احمد پالنپوریؒ کی بال بال مغفرت فرمائے، اور دارالعلوم کو آپؒ کا نعم البدل عطا فرمائے، آمین۔

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی

اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

شوّال المکرم ۱۴۴۱ 27 /05/2020 بدھ

شمع محفل کی طرح سب سے جدا سب کی رفیق

محمد زید قاسمی مظفر نگری

جب اچانک بہت ہی رنج والم ناک خبر پہنچی کہ دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین شیخ الحدیث، فی زمانہ رئیس المحققین، جبل العلم، درجنوں کتابوں کے مصنف، شارحِ حجۃ اللہ البالغہ ،مایۂ ناز مجتہد، ہزاروں فضلاء کے استاذ معزم، علم وفن کی کہکشاں، محققانہ باتوں میں یدِ طولیٰ، فقہ وفتاویٰ میں گیرائی وگہرائی، کمالاتِ فنون میں لامحدود ولاتعداد، درنایاب، ریحانۃ العلم، محدث کبیر حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوریؒ اس دار فانی سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہوکر حق تعالی کی مشیت کے قانونِ ازلی کے تحت ماہِ صیام کے معظم ایام میں داعئ اجل کو لبیک کہہ گئے اناللہ وانا الیہ راجعون، ان اللہ ما اخذ ولہ ما اعطیٰ وکل شیء عندہ باجل مسمیٰ

حضرت کی سانحۂ وفات کی خبر صرف یہ کہ ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ برصغیر سے باہر کے علماء وفضلاء نے بھی اس خبر کو ایک اپنے لئے گنے چنے اصحاب علم وفضل محققین حضرات میں سے ایک چراغِ دُرّ علوم کو گل پاکر سبھی نے یکساں انداز میں رنج والم کا اظہار کیا، یہ صدمہ خواص پر ہی نہیں بلکہ علومِ الہیہ کے شوقین ومحصلین حضرات پر بھی بجلی بن کر گرا، اور وہ مسندِ درس جہاں اگر ایک وقت مفتی محمود الحسن صاحب دیوبندی توکسی زمانہ میں علامہ انور شاہ کشمیری توکسی زمانہ میں مولانا حسین احمد مدنی بڑے بڑے بحارِ علومی شخصیات کی جھلک نظر آتی تھی اسی کے امین وپاسبان بن کر حضرت مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ ہزاروں طلباء وعلماء کو ان علوم ومعارف سے مستفیض فرمایا کرتے تھے وہ مسندِ درس جو ہمیشہ سے علوم وفنون کی زینت بنی ہوئی تھی، علم کی کہکشاؤں نے اس کو گھیرے ہوئے تھا، وہ مسندِ درس جو جبالِ علم کی رونق بنی ہوئی تھی، وہ مسند جہاں حضرت جلوہ افروز ہوتے تو وہ علوم کے سہنے کی تاب نہ لاسکتی تھی، وہ مسند جو اپنے اوپر ایک محقق وفقیہ النفس کو سوار کرتی آج سے اس مسند کی زینت ورونق اس بحرِ علم سے خالی نظر آئیگی آہ وہ مسند اس سوار کو کیسے سوار کریگی، وہ تو ایک مقبول عام وخاص کثیر التصانیف مصنف تھے، وہ ہمارے لیے ایک حسین گلدستہ تھے، آج وہ ہم سے جدا ہوگئے اے دورۂ حدیث دارالعلوم دیوبند تجھے پتاہے کہ کون اس دارفانی سے ہمیشہ کے لیے لقمۂ اجل کو لبیک کہہ گیا؟

اے دورۂ حدیث دارالعلوم تجھے پتاہے کہ آج تجھے کس نے الوداع کہہ دیا؟ اے دورۂ حدیث تجھ کو معلوم ہوگا کہ مجتہد ومحقق دوراں جب تیرے اندر داخل ہوکر گھنٹوں گھنٹوں اصح الکتب بعد کتاب الباری کا درس سے تیرے کانوں میں قال اللہ تعالیٰ وقال الرسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی صدائیں بلند کرتے تھے تب تو اور تیری درودیوار ان کی اصوات واقوال کو بغور سن کر مسکراتی تھی وہی مسکراہٹیں مہمانِ رسول کو گونجتی ہوئی سنائی دیتی تھی جس سے مزید طلباء میں علمی وعملی سیرابی کے حصول میں چار چاند لگ جاتے

اور وہ مکمل شکم و سیر ہو جاتے ، آہ اب کہاں وہ آفتابِ علم و حکمت اپنی کرنیں دکھائے گا، اب کہاوہ اپنی تحقیق پیش کرے گا، محققانہ بیانِ انداز کہاسننے کو ملے گا، وہ طلبہ جو منتظر تھے اس گھڑی کے کس طرح سال کا آغاز ہو اور ہم بھی اپنے علوم فنون میں تقویت حاصل کریں، رسول اللہ سلم کے فرمانِ عالیہ سن کر اپنی زندگی کو علمی و عملی میدان میں لے کر جائے حضرت کے ایک ایک حدیث پر مفصل و مدلل تشریح و توضیح اور تحقیقی کلام جو مرتب انداز میں ہوا کرتا ہے ان کو سنیں پھر آنے والی نسلوں میں اس کو پہنچائے لیکن اب کہاں وہ چمکتا دمکتا ستارہ تو غروب ہو گیا، فقہ و فتاویٰ میں بہت سے مسئلوں پر اپنی محققانہ و مفصلانہ رائے عالیہ رکھنے والا مجتہد علومِ نانوتوی سے فکری وابستگی رکھنے والی شخصیت و عبقریت حضرت تھانوی کی علمی قرابت جنکی متدلات میں نمایاں نظر آتی تھی وہ توہم کو داغِ مفارقت دیتے ہوئے مالک حقیقی سے جاملے ۔

اے پاکبازان صدق و صفا کے سالار، تیری روح پر ہزاراہاں رحمتیں نازل ہوں، چین و سکون نصیب ہوں، تیرے درجات بلند وبالا ہوں، فرشتے تجھ کو سلامی دے، حوریں تجھے جھولا جھلائیں، اور آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے آمین آخر میں ایک واقعہ نقل کرتا ہوں رقم الحروف اعتکاف میں بیٹھا ہوا تھا اچانک مسجد کے امام وخطیب مولانا جاوید صاحب نے اس سانحۂ وفات کی احقر کو جس وقت خبر دی اس وقت مجھ پر کیا طاری تھا میں اسکو اپنے زیرِ قلم نہیں لا سکتا بعدِ ظہر ہم نے (یعنی امام صاحب اور میں نے) بحالت غم حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی محاسن اخلاق اور علمی کمالات پر کافی دیر تک لب کشائی کی، اگلے دن امام صاحب نے سحری کے بعد کچھ دیر آرام کیا ایک خواب نظر آیا کہ احقر اور مسجد کے امام صاحب دونوں بیٹھے ہیں اور اچنک حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری تشریف لائے اور ایک دم ہم چونک اٹھے اور امام صاحب نے حضرت کے لئے کچھ کھانے کی چیز پیش کرنے کی غرض سے جانے کی اجازت چاہیے مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے منع کر دیا پھر یہ ہوا کہ آنکھ کھل گئی عرض یہ ہیکہ ایک مختصر خواب نظر آیا میرا موجود ہونا حضرت مفتی سعید احمد صاحبؒ کے درمیان اس کو میں اپنے لئے باعث سعادت سمجھتا ہوں میں نے چاہااسے بھی لکھ دوں تاکہ حضرت کی یاد باقی رہے، اللہ کرے حضرت کی تصانیف کثیرہ سے ہم کو خوب استفادہ کی توفیق نصیب ہو

ایک آخری جھلک

علم و فضل کا اعلیٰ مقام حاصل کرنے والے اور اس میدان میں یادگار خدمات چھوڑنے کے باوجود علمائے دیوبند کی خصوصیت رہی کہ وہ کسی گھمنڈ اور پندار میں مبتلا نہیں ہوئے بلکہ جو شخص علم کے جتنے بلند مقام پر پہنچا اس کی نسبت سے اس کی تواضع اور خشیت بڑھتی چلی گئیں، ان کی سادہ زندگی ان کی مزاجی اور فنائیت کو دیکھ کر کوئی شخص یہ گمان بھی نہیں کر سکتا تھا کہ انہیں علم و فضل کا ایسا بلند مقام حاصل ہو گا اسی کی مثال آپ مرحوم و مغفور کی شخصیت بھی تھی بلکہ دوسرے لفظوں میں یہ کہیے کہ آپ کی شخصیت سب سے ممتاز و منفرد نظر آتی تھی جامعیت بھی اعتدال بھی جمال بھی کمال بھی ساری خوشبو اللہ تعالیٰ نے آپؒ میں جمع کر دی تھی اور بقول محبوب العلماء حضرت مولانا پیر ذوالفقار نقشبندی دامت برکاتہم کے

” جب مجھے دارالعلوم دیوبند کی حاضری کے وقت حضرت مفتی سعید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تفصیلی ملاقات کا شرف حاصل ہوا جیسا سنا تھا حضرت کو ویسا ہی پایا منور چہرہ شخصیت پر علمی جلالتِ شان طبیعت میں سادگی اور عاجزی، بلا آخر میں بھی یہی کہوں گا کہ حضرت اس شعر کے مصداق تھے کہمثل خورشید سحر فکر کی تابانی میں ، شمع محفل کی طرح سب سے جدا سب کی رفیق“

مگر تیری مرگِ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے.

تعزیتی تحریر بروفات شیخ الحدیث رحمہ اللہ

شریک غم: مفتی احمد عبید اللہ یاسر قاسمی

کاروانِ آخرت برق رفتاری کے ساتھ دن بدن اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہے اور یہ اپنے ساتھ ایسے ایسے لعل وگوہر سے زیادہ قیمتی مشاہیر شخصیات اور علماء کو بہالے جارہاہے کہ جس کی نظیر ومثیل کا دوبارہ ملنا اس عہد زوال اور علمی قحط الرجال میں ناممکن نظر آتاہے، بحر فنا کی ہر ایک موج ہم سے کیسے کیسے غواصانِ فکر ودانش چھین کے لے جارہی ہے اسکا اسے اندازہ نہیں ہے ، لیکن یہ حقیقت ہے کہ دستِ اجل کے مضراب سے نغمہ تار حیات مسلسل کمزور سے کمزور تر ہوتا چلا جارہاہے اور اس سے ہر لمحہ اول وآخر فنا، باطن وظاہر فنا کے نوحے پھوٹ رہے ہیں۔ کارجہاں کی بے ثباتی کا ثبوت تو ازل سے سب کے سامنے آشکارا ہے لیکن جب آسمان علم وعمل کا درخشندہ ستارہ، علوم ولی اللہی کا امین، فکر قاسمیت کا نیر تاباں، تحقیق وتدقیق کا ماہِ ضوفشاں، قدوۃ المفسرین، رئیس المحدثین، فخر المتکلمین، زبدۃ العارفین، استاذی مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری نور اللہ مرقدہ جیسی علمی وعبقری شخصیت داغ مفارقت دے جاتی ہے تو اس دنیا کے فانی ہونے میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہتا، اور ایسی مفارقت پر جس قدر نوحہ وماتم گریہ و افسوس کیا جائے کم ہے۔

شورش کاشمیری کا شعر آج حرف بحرف صادق آرہاہے

عجب قیامت کا حادثہ ہے اشک ہے آستیں نہیں ہے

زمین کی رونق چلی گئی ہے، افق پہ مہر مبیں نہیں ہے

تیرے جدائی سے مرنے والے وہ کون ہے جو حزیں نہیں ہے

مگر تری مرگ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے

آج حزن ویاس کی الگ کیفیت طاری ہے، انگلیاں سرد، قلم اداس اور دل افسردہ ہے وجود پر یاس وحسرت کی فضا چھائی ہوئی ہے، کہ اخلاص وللّٰہیت کا پیکر، دیانت وامانت کا خوگر، علم وعمل کا پاسبان، سینکڑوں دلوں کی دھڑکن، دار العلوم دیوبند کے مسند حدیث ہر جلوہ افروز ہونے والا بے مثال محدث ومفسر، بے نظیر فقیہ اور منطقی، سرخیلِ دیوبندیت ترجمانِ حنفیت بتاریخ ۲۶ رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ، 19 مئی 2020ء کو جدائی کا غم دے گیاہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون. ان اللہ ما اخذ ولہ ما اعطی و کل شئ عندہ باجل مسمی.

شیخ الحدیث مفتی سعید احمد پالنپوری نور اللہ مرقدہ ایک ہمہ جہت شخصیت تھی درس و تدریس، تصنیف و تالیف، وعظ و نصیحت، افتاء و ارشاد، ترغیب و ترہیب، تذکیر و تزکیہ، انذار و تبشیر، امر بالمعروف و نہی عن المنکر غرض کہ دین متین کے ہر شعبہ میں حفاظت شریعت کے ہر میدان میں آپ نے وہ انمٹ نقوش چھوڑے ہیں کہ تاریخ کے صفحات پر آپ کا نام نامی اسم گرامی سنہرے حروف سے لکھا جائے گا۔

آپ کی ذات والا صفات گوناگوں صفات کی حامل اور مختلف و متنوع صلاحیتوں کے جامع تھی آپ جہاں کامیاب مدرس و معلم تھے وہیں بہترین مصنف اور مؤلف بھی جہاں آپ قابل قدر مصلح وداعی تھے وہیں آپ قابلِ فخر مفسر و محدث بھی تھے جہاں خود شناسی و خدا شناسی کا ہنر جانتے تھے وہیں مردم گری اور رجال سازی میں بھی بے نظیر تھے، جہاں اپنی ذات میں بے پناہ رعب و دبدبہ رکھتے تھے وہیں ظریفانہ طبع کے بھی مالک تھے فیاض قدرت نے خلف اور متقدمین کے علوم کو اس ایک شخصیت میں جمع کر دیا تھا کسے خبر تھی کہ 1940ء کو جناب یوسف صاحبؒ کے گھر کالیڑہ، شمالی گجرات (پالنپور) میں پیدا ہونے والا یہ لڑکا ایک دن مسند قاسمیت پر جلوہ افروز ہو کر لاکھوں تشنگان علوم وفنون کی علمی پیاس کو بجھائے گا اور یہ کس نے سوچا تھا کہ مئی 2020 کو اسی سالہ حیات کی تکمیل کر کے لاکھوں سوگواروں کو چھوڑ کر اپنے مالک حقیقی سے یوں جاملے گا۔ آپ کے لاکھوں شاگرد اقطائے عالم میں جہاں دین متین کی خدمات سے وابستہ ہیں اور آپ کی مایہ ناز تصنیفات اور کے تمام علمی و عملی خدمات آپ کے لیے صدقہ جاریہ ہیں۔

میں آپ کی کیا تعزیت کروں میں جبال علم عرفان کے لاکھوں سوگواروں کی تسلی کے لیے کیا لکھوں بلکہ مادر علمی اور دار الحدیث کے در دیوار چمنستان قاسمیت کے ایک ایک پھول اور غنچہ کو کیسے دلاسہ دوں؟ اس المناک اور دردناک موقع پر حضرت الاستاذ کی رحلت پر میں خود مستحق تعزیت ہوں۔

ان العين لتدمع وإن القلب ليخشع

وانا بفراقك يا شيخنا لمحزونون

اللہ تعالی تمام شاگردوں کو خاص طور پر مادر علمی دار العلوم دیوبند اور اس سے وابستہ تمام افراد کو اور حضرت والا کے لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ رب ذوالجلال آپ کے جملہ حسنات کو قبول فرمائے، سیات کو حسنات سے مبدل فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین ثم آمین یارب العالمین۔

❐❖❐

ایک عظیم محدث کی وفات

شریکِ غم: سمیع اللہ خان ۱۹ مئی ۲۰۲۰

آج ابھی ۲۵ رمضان المبارک کو، کچھ دیر پہلے، بوقت صبح، ہندوستان کے چوٹی کے عالم دین، دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث مفتی سعید پالنپوری صاحب اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ مرحوم ہندوستان کے مرکزي اور تاریخی دینی ادارہ دارالعلوم دیوبند کے استاذ الاساتذہ تھے، ہزاروں تشنگان نے ان سے استفادہ کیا، ملک وبیرون ملک نے ان کے علمی فیض سے فائدہ اٹھایا، انہوں نے علوم اسلامیہ کی بڑی قابل قدر خدمت کی، علم حدیث ان کا خاص موضوع تھا، ان کی وفات نہایت ہی تکلیف دہ واقعہ ہے۔ مفتی سعید پالنپوری رحمۃ اللہ علیہ طلباء کے لیے بڑے ہی مشفق اور مہربان تھے، وہ دارالعلوم کے ایک عظیم محدث تھے، مسندِ حدیث پر ان کا انوکھا انداز یادگار رہے گا،، انہیں ہمیشہ یاد کیا جائے گا، ان کا علمی سرمایہ ہمیشہ صدقۂ جاریہ رہے گا، وہ اپنے کردار میں قدماء اسلاف کی جیتی تصویر تھے، ان کی وفات کے ساتھ ہی بجا طور پر دارالعلوم دیوبند کی ایک اور تاریخ مکمل ہوگئی۔ میں ان کے فرزند برادر قاسم پالنپوری سمیت تمام بیٹوں اہلخانہ اور رشتے داروں کی خدمت میں تعزیت پیش کرتا ہوں، وابستگان دارالعلوم دیوبند اور ان کے تلامذہ کی خدمت میں بھی تعزیت پیش کرتا ہوں۔ اس رمضان بڑے بڑے جبال علم و عمل اس امت سے رخصت ہوگئے بڑے بڑے مشائخ اور اہل اللہ سے امت محروم ہوگئی، اللہ امت کے حال پر رحم فرمائے۔ اللہ سے دعا ہے کہ مفتی صاحب مرحوم کی روح کو اپنے الطاف وانعام سے نہال فرمائے، ان کے آخری سفر میں اکرام کا معاملہ ہو، ان کی قبر نور سے منور ہو، وہ جنت الفردوس میں براجمان ہوں۔

مفتی سعید احمد پالنپوری کا انتقال علمی دنیا کا عظیم خسارہ

عابد انور

(اضافہ اور وضاحت کے ساتھ)

دارالعلوم کے شیخ الحدیث اور صدر المدرسین مفتی سعید احمد پالنپوری کے انتقال سے ہندوستان ہی نہیں بلکہ عالم اسلام ایک محدث، عالم اور فقیہ سے محروم ہو گیا ہے۔ وہ ایسے استاذ تھے جس کا طلبہ بے حد احترام کرتے تھے، ان کی علمی صلاحیت تعلیم و تعلیم کا انداز نرالا تھا۔ وہ طلبہ کو گھول کر پلا دیتے تھے۔ خواہ وہ بیضاوی پڑھاتے ہوں یا ہدایہ سمجھانے کا انداز اتنا اچھا ہوتا تھا طلبہ ان کے درس میں کھینچے چلا آتے تھے۔ موجودہ دور میں ان کا درس بخاری اس قدر مقبول تھا طلبہ کھینچے چلے آتے تھے۔ سمجھانے کا انداز، حدیث کی تشریح، توضیح اور منظر پس منظر میں اس قدر دسترس حاصل تھا طلبہ اس دور میں داخل ہو جاتے تھے۔ وہ بہت ہی خوددار تھے۔ تعویذ گنڈے میں قطعی یقین نہیں رکھتے تھے۔ ان کی ایک بچی تھی جو بہت بیمار تھی ایک جھاڑ پھونک کرنے والے عالم نے کہا کہ میں تعویذ دے دیتا ہوں بچی ٹھیک ہو جائے گی لیکن مفتی سعید صاحب نے کہا کہ پڑھ کر پھونکنے کی اجازت ہے وہ آپ کر دیجئے لیکن تعویذ ہر گز نہیں اور بچی کا بیماری سے انتقال ہو گیا لیکن انہوں نے تعویذ ڈلوانا گوارہ نہیں کیا۔ ان کی ایک عادت غضب کی تھی۔ وہ یہ سلام کرنے میں پہل کرتے تھے۔ طلبہ کی خواہش ہوتی تھی کہ وہ ان کو سلام کریں لیکن وہ کسی کو سلام کرنے کا موقع نہیں دیتے تھے۔ بعض طلبہ چھپ کر اچانک آکر سلام میں پہل کرنے کی کوشش کرتے لیکن وہ کامیاب نہیں ہوتے تھے۔ ایسے تھے استاذ محترم مفتی سعید احمد پالنپوری رحمہ اللہ۔ ان کی علمی کمالات کا تو کہنا ہی کیا۔ وہ طلبہ میں جوش بھرتے تھے۔ وہ طلبہ سے روٹھتے بھی تھے اور طلبہ اپنے استاذ محترم کو منا بھی لیتے تھے اور وہ مان بھی جاتے تھے۔ انتہائی پر خلوص، بغض عناد سے پاک شخصیت کو اب تلاش کرنا مشکل ہے۔ ان کی زبان سے علم کے موتی جھڑتے تھے۔ ان کی ایک اور خاص عادت کو بیشتر اساتذہ میں انہیں ممتاز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ جب تک انہیں پیسے کی ضرورت تھی وہ تنخواہ لیتے رہے لیکن ہی اللہ نے انہیں نوازا انہوں نے نہ صرف دارالعلوم دیوبند سے تنخواہ لینا بند کر دیا بلکہ جتنی تنخواہ انہوں نے لی تھی وہ حساب کتاب کر کے واپس کر دی۔ یہ بہت موٹی رقم تھی۔ اپنی کمائی واپس کرنا کوئی آسان کام نہیں ہوتا ہے۔ اسی طرح مفتی سعید صاحب نے اس سے قبل جہاں بھی درس و تدریس کی خدمت انجام دی تھی وہاں سے بھی لی گئی تنخواہ انہوں نے واپس کر دی۔ اس دور میں یہ مثال مشکل سے ملے گی۔ زہد و تقوی اور بزرگی کا کیا عالم ہو گا صرف اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور صدرالمدرسین مولانا مفتی سعید احمد پالنپوری کے سانحہ ارتحال سے علم حدیث اور

تحقیق تدریس کے میدان میں ایک زبردست خلاء پیدا ہو گیا ہے جس کا پر ہونا ممکن نظر نہیں آتا۔ مفتی سعید احمد علم حدیث میں یکتائے روزگار تھے۔ جہاں وہ طلبہ میں بے پناہ مقبول تھے وہیں اساتذہ میں اور عام ملازمین کے ساتھ ان کا مشفقانہ رحم دلانہ سلوک تھا۔ ان کے انتقال سے دارالعلوم دیوبند نے نہ صرف اپنے عظیم فرزند کو کھو دیا ہے بلکہ اساتذہ اپنے ساتھی اور طلبہ نے اپنے مشفق استاذ کو کھو دیا ہے۔ مفتی صاحب نے 47 سال سے زائد تک دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات انجام دیئیے اور اس دوران وہ اہم کتابوں کے علاوہ ترمذی اور بخاری شریف بھی پڑھائی۔ دکھ کی اس گھڑی میں صبر وضبط اور تحمل سے کام لیں اور تمام طلبہ، اساتذہ، تلامذہ اور متوسلین سے گزارش ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ ایصال ثواب کا اہتمام کریں۔ کورونا وائرس اور لاک ڈاؤن کے سبب ہم میں کوئی بھی مفتی صاحب کے جنازے میں شامل نہیں ہو پائے گا لیکن ان کے لئے دعائے مغفرت اور ایصاب ثواب کر کے اس کمی کو کسی حد تک پوری کر سکتے ہیں۔ وہ متعدد بار داخل اسپتال ہوئے تھے اور بیماری کو شکست دیکر اور صحت مند ہو کر باہر آئے تھے۔ ان کے انتقال سے ہر اس شخص کا جو ان سے منسلک تھے اور علمی پیاس بجھاتے تھے ان کا ذاتی نقصان ہوا ہے اور وہ اپنے اچھے استاذ سے محروم ہو گئے ہیں۔ مفتی صاحب کا انتقال کا دارالعلوم دیوبند کا عظیم خسارہ ہے اس کو اتنا قابل ذی استعداد، فقیہ اور مقبول عام ملنا مشکل ہے۔

مفتی صاحب ابتدائی ایام کے بارے میں: آپ کا نام والدین نے "احمد" رکھا تھا، سعید احمد آپ نے اپنا نام خود رکھا ہے، آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی "یوسف" اور دادا کا نام "علی" ہے، جو احتراماً "علی جی" کہلاتے تھے، آپ کا خاندان "ڈھکا" اور برادری "مومن" ہے، جس کے تفصیلی احوال "مومن قوم اپنی تاریخ کے آئینہ میں" مذکور ہیں۔ جب آپ کی عمر پانچ، چھ سال کی ہوئی، تو والد صاحب نے آپ کی تعلیم کا آغاز فرمایا، لیکن والد مرحوم کھیتی باڑی کے کاموں کی وجہ سے، موصوف کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دے سکتے تھے، اس لئے آپ کو اپنے وطن "کالیڑہ" کے مکتب میں بٹھا دیا، آپ کے مکتب کے اساتذہ یہ ہیں: مولانا داؤد صاحب چودھری رحمہ اللہ تعالیٰ مولانا حبیب اللہ صاحب چودھری رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت مولانا ابراہیم صاحب جونکیہ رحمہ اللہ تعالیٰ، جو ایک عرصہ تک دارالعلوم آنند (گجرات) میں شیخ الحدیث رہے۔ مکتب کی تعلیم مکمل کر کے، موصوف اپنے ماموں مولانا عبد الرحمن صاحب شیر اقدس سرہ کے ہمراہ "چھاپی" تشریف لے گئے، اور دارالعلوم چھاپی میں اپنے ماموں، اور دیگر اساتذہ سے فارسی کی ابتدائی کتابیں، چھ ماہ تک پڑھیں، چھ ماہ کے بعد، آپ کے ماموں دارالعلوم چھاپی کی تدریس چھوڑ کر گھر آگئے، تو آپ بھی اپنے ماموں کے ہمراہ آگئے، اور چھ ماہ تک اپنے ماموں سے ان کے وطن "جونی سیندھی" میں فارسی کی کتابیں پڑھتے رہے۔ اس کے بعد مصلحِ امت حضرت مولانا نذیر میاں صاحب پالن پوری قدس سرہ کے مدرسہ میں جو پالن پور شہر میں واقع ہے، داخلہ لیا، اور چار سال تک حضرت مولانا مفتی محمد اکبر میاں صاحب پالن پوری، اور حضرت مولانا ہاشم صاحب بخاری رحمہا اللہ سے، عربی کی ابتدائی اور متوسط کتابیں پڑھیں، مصلح امت حضرت مولانا محمد نذیر میاں صاحب قدس سرہ وہ عظیم ہستی ہیں، جنھوں نے اس

آخری زمانہ میں "مومن برادری" کو بدعات و خرافات، اور تمام غیر اسلامی رسوم سے نکال کر، ہدایت و سنت کی شاہراہ پر ڈالا، اور "مومن برادری" کی مکمل اصلاح فرمائی، آج علاقہ پالن پور میں جو دینی فضا نظر آرہی ہے، وہ حضرت مولانا ہی کی خدمات کا ثمرہ ہے، اور حضرت مولانا محمد ہاشم صاحب بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ، بخاریٰ سے دارالعلوم دیوبند میں تعلیم کے لئے تشریف لائے تھے، فراغت کے بعد پہلے پالن پور، پھر امداد العلوم وڈالی گجرات، پھر جامعہ حسینہ راندیر (سورت) پھر دارالعلوم دیوبند میں تدریس کی خدمات انجام دیں، اور آخر میں ہجرت کرکے مدینہ منورہ چلے گئے، وہیں آپ کا انتقال ہوا، اور جنت البقیع میں مدفون ہیں۔

پھر فقہ، حدیث، تفسیر اور فنون کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے 1380ھ میں دارالعلوم دیوبند کا رخ کیا، دارالعلوم دیوبند میں داخل ہو کر، پہلے سال حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب بلند شہری رحمہ اللہ تعالیٰ سے، تفسیر جلالین مع الفوزالکبیر، حضرت مولانا سید اختر حسین صاحب دیوبندی قدس سرہ سے ہدایہ اولین وغیرہ پڑھیں، اور 1382ھ موافق 1962ء میں، جو کہ دارالعلوم دیوبند کا سوواں سال ہے، دورہ حدیث کی تکمیل فرمائی، آپ نے دارالعلوم دیوبند میں جن حضرات اکابر سے پڑھا وہ مندرجہ ذیل ہیں: (۱) حضرت مولانا سید اختر حسین صاحب دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ (۲) حضرت مولانا بشیر احمد خاں صاحب بلند شہری رحمہ اللہ تعالیٰ (۳) حضرت مولانا سید حسن صاحب دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ (۴) حضرت مولانا عبد الجلیل صاحب کیرانوی رحمہ اللہ تعالیٰ (۵) حضرت مولانا اسلام الحق صاحب اعظمی رحمہ اللہ تعالیٰ (۶) حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ (۷) حضرت مولانا فخر الحسن صاحب مرادآبادی رحمہ اللہ تعالیٰ (۸) حضرت مولانا محمد ظہور صاحب دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ (۹) فخر المحدثین حضرت مولانا فخر الدین صاحب مرادآبادی رحمہ اللہ تعالیٰ (10) امام المعقول و المنقول حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی رحمہ اللہ تعالیٰ (11) مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب شاہ جہاں پوری رحمہ اللہ تعالیٰ (12) شیخ محمود عبد الوہاب صاحب مصری رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (مفتی امین کی معلومات سے اخذ کردہ)

واضح رہے کہ مفتی سعید صاحب کی پیدائش گجرات کے ضلع بناس کانٹھا موضع کالیڑہ میں 1940 میں ہوئی تھی۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں حاصل کی اور مظاہر علوم سہارنپور ہوتے ہوئے 1962 میں دار لعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی۔ جس آپ فارغ ہوئے تھے وہ قیام دارالعلوم کا سوواں سال تھا۔ یہ عربی تاریخ کے حساب سے ہے اگر عیسوی تاریخ کو دیکھیں گے یہاں تو شک پیدا ہو جاتا ہے۔ عیسوی تاریخ کے 98 سال عربی تاریخ کے 103 سال ہوتے ہیں۔ کیوں کہ دارالعلوم دیوبند کا سن قیام 1283 ہجری ہے اور مفتی صاحب کا سن فراغت 1383 ہے اس طرح سو سال ہوتے ہیں۔ جب کہ عیسوی سال کے حساب سے دارالعلوم کا سن قیام 1866 ہے جب کہ مفتی صاحب کا سن فراغت عیسوی سال 1962 یا 1963 ہے۔ دونوں ملائیں گے تو تاریخ میں فرق پیدا ہو گا۔

مختلف جگہ درس و تدریس کی خدمات انجام دینے کے بعد آپ کی تقرری دارالعلوم دیوبند میں 1973 میں ہوئی تھی۔ مفتی

سعید احمد کا درس ترمذی بہت مقبول تھا۔ وہ طویل عرصے تک درس ترمذی دیتے رہے۔ 2008 میں مولانا نصیر احمد خاں بلندی شہری کی علالت اور مستقعی ہونے کے بعد درس بخاری کے آپ کے ذمہ کیا گیا۔ اسی کے ساتھ صدر المدرسین بھی منتخب ہوئے۔ آپ کی تصانیف میں تحفت القاری شرح بخاری، تحفتہ الالمعی شرح سنن ترمذی، ہدایت القرآن جیسے درجنوں کتابوں شامل ہیں۔ ان کے انتقال سے ایسا خلا پیدا ہوا ہے اس کا پر ہونا ممکن نظر نہیں آتا۔ ایسے پایہ کا کوئی استاذ نہیں ہے جو ان کی جگہ لے سکے۔ بخاری شریف اور سنن ترمذی پڑھانے والے آجائیں گے لیکن ان کے جیسا انداز معلومات کا خزانہ کون لٹائے گا۔

آہ استاذ محترم مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری

(2020/05/19-1940)

محمد یاسین جہازی

2005 میں جب راقم السطور دورہ حدیث کا طالب علم بنا، تو حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری رحمہ اللہ تعالیٰ سے ترمذی شریف پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔ درس کے ابتدائی دنوں میں حضرت مفتی صاحب حدیث، علم حدیث اور متعلقات پر کئی ہفتے بیان فرمایا کرتے تھے۔ اسی درمیان کچھ چیزوں کو یاد کرنے کا حکم فرمایا کرتے تھے، جن میں سے ایک اسمائے حسنیٰ بھی تھا۔ ایک دو روز کے بعد طلبہ سے پوچھا کہ جن جن کو یاد نہیں ہوا ہے، وہ ہاتھ اٹھائیں۔ تقریباً آٹھ سو طلبہ میں، راقم وہ تنہا شخص تھا، جس نے ہاتھ اٹھایا۔ اس پر حضرت استاذ مرحوم نے اس سچ گوئی کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا کہ یہ نفس کے خلاف گواہی ہے، جو بالعموم لوگ اپنی عزت اور عزم و حوصلہ کی کمی کی وجہ سے نہیں دے پاتے ہیں۔ پھر میری ذہانت کے لیے کئی دعائیں کیں، جن پر قال اللہ و قال الرسول کے صدائیں بلند کرنے والے مہمان رسول نے بآواز بلند آمین کہی۔

دورہ حدیث میں ترمذی شریف کے علاوہ شعبہ تکمیل علوم میں حجۃ اللہ البالغہ بھی حضرت سے پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔ آج جب کہ حضرت ہمارے درمیان نہیں رہے، تو زمانہ طالب علمی کی کئی یادیں آنسو بن بن کر خراج عقیدت پیش کر رہی ہیں۔

آپ کی ولادت موضع کالیڑا ضلع بناس کانٹھا گجرات میں 1940 کے آواخر میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم والد محترم سے حاصل کرنے کے بعد دارالعلوم چھاپی میں فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ بعد ازاں پالن پور میں شرح جامی تک تعلیم حاصل کی۔ پھر سہارن پور تشریف لے آئے اور تین سال تک مظاہر علوم میں نحو، منطق، فلسفہ، فقہ و حدیث اور دیگر علوم و فنون کی کتابیں پڑھیں۔ 1960 میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ اور 1962 میں اعلیٰ نمبرات سے سند فراغت حاصل کی۔ اسی سال شعبہ افتا میں داخلہ لیا۔ افتا سے فراغت کے بعد 1964 سے 1973 تک تقریباً نو سال دارالعلوم اشرفیہ راندیر سورت میں علیا درجے کے استاذ رہے۔ 1973 میں حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحبؒ کی پیشکش پر دارالعلوم دیوبند میں آپ کا تقرر عمل میں آیا۔ اور تقریباً اڑتالیس سال تک دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف کا بھی سلسلہ برقرار رہا اور اب تک چھوٹی بڑی تقریباً چالیس کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔

کل مورخہ 18 مئی 2020 کو جب حضرت والا کی علیل طبیعت کی خبر ملی، تو اچانک دل کو عجیب سا احساس ہوا اور افطاری کی محفل میں ساتھیوں سے اپنے انجانے خوف کا اندیشہ بھی ظاہر کیا۔ 19 مئی 2020 مطابق 25 رمضان المبارک 1441 بروز منگل صبح جب ساڑھے آٹھ بجے واٹس ایپ چیک کیا، تو سب سے پہلے یہی جان کاہ خبر ملی اور دل کے شدید صدمہ کو سنبھالتے ہوئے اناللہ و

اناالیہ راجعون پڑھا۔ آپ نے تقریبا80 سال عمر پائی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ استاذ گرامی قدر کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل بخشے، آمین

وہ نایاب گوہر جسے زمانہ کبھی فراموش نہیں کر سکے گا

سعود احمد صدیقی، ایڈیٹر قیادت میڈیا، باندرہ ممبئی

۲۵/ رمضان المبارک 1441ھ / مطابق 19 مئی 2020 بروز منگل بوقت چاشت ایک ایسا دلسوز واقعہ ممبئی کی سرزمین پہ پیش آیا جسے سن کر خواص وعوام کے دلوں میں سکتہ طاری ہوگیا اور وہ خبر یہ تھی کہ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری قدس سرہٗ اپنے مالک حقیقی سے جاملے جو آگ کی طرح پوری دنیا میں گشت کرنے لگی اور تمام سوشل میڈیا نے بلا تاخیر ہر خاص وعام تک یہ خبر پہونچادی جس کے نتیجے میں متعلمین، اور متوسلین کی طرف سے تعزیتی جملے موصول ہونے لگے اور ان کے چاہنے والے مغفرت کی دعائیں کرنے لگے۔ اور میری بھی اللہ سبحانہ وتعالی سے دعا ہے کہ مرحوم کو غریق رحمت کرے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ اور امت کے اس خلا کی بھرپائی کرے۔ آمین

مجھے اس بات کا بے حد قلق ہے کہ میری جائے قیام اور جوگیشوری کے درمیان کوئی زیادہ حد فاصل نہیں ہے پھر بھی حضرت کی تجہیز وتکفین میں شامل نہیں ہوسکا یہ میرے لئے بہت ہی بڑی محرومی کی بات ہے۔ علم وعرفان کا ایک عظیم الشان مہتاب غروب ہوگیا اور میں آخری دیدار بھی نہ کرسکا۔ میں حضرت کی دیدار کا یقینا دل سے عازم تھا مگر وقت اور حالات نے گویا میرے قدموں کو جکڑ دیا اور میں چاہتے ہوئے بھی اپنی دیرینہ آرزو میں بے بس اور ناکام رہا۔ یہ ل لاک ڈاون کسی کا کچھ چھینا ہو یا نا چھینا ہو لیکن اس نے میری آرزو کے شیش محل کو چکنا چور کردیا۔ اور آخری سانس تک کے لئے مجھے ایک ایسا غم دیا جس کا افسوس میرے دل ودماغ سے جانے کا نام نہیں لے رہا ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ اللہ مجھے صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

یہ حقیقت ہے کہ حضرت کے وصال سے علمی دنیا میں ایک بڑی کمی ہوگئی۔ جن کو اللہ تعالی نے مختلف علوم وفنوں کی گیرائی وگہرائی دے رکھی تھی اور ساتھ ساتھ انہیں ایمانی فراست بھی حاصل دی تھی۔

آپ تقریر وتحریر دونوں میدانوں کے ایک عظیم شہسوار تھے۔ آپ نے تقریبا اکثر فنوں میں اپنے قلمی اثاثے چھوڑے ہیں۔ خاص طور پر تحفۃ الالمعی شرح سنن ترمذی اور تحفۃ القاری شرح صحیح بخاری یہ دونوں شرح کافی مقبول ہیں اور دیگر شروحات کے مقابل میں انہیں تفوق اور برتری حاصل ہیں۔ کیونکہ ان کا انداز، اسلوب نہایت ہی نرالہ ہے۔ جو کشش دل کا باعث ہے۔ اہل علم حضرات انہیں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

آپ کا درس طلبہ کے درمیان بہت ہی مقبول اور پر وقار ہوا کرتا تھا جس میں طلبہ کا بے پناہ ہجوم ہوا کرتا تھا۔ اور حضرت والا اپنی محدثانہ شان کے مطابق ہر بات کو نہایت مستند اور تحقیق کے ساتھ بیان فرمایا کرتے تھے اور نہایت فراخ دلی کے ساتھ حدیث کی تشریح کرتے تھے۔ جس حدیث سے جس مسلک کی تائید ہوتی تھی آپ اسی کی ترجمانی کرتے تھے۔ اور اس معاملے میں کسی طرح

کی کوئی کتر بیونت نہیں کرتے تھے یہی وہ مقام ہے جہاں بڑے سے بڑے محدث کا قدم ڈگمگا جاتا ہے۔ اور تعصب کے جال میں گرفتا ہو کر نفس و غلام کا اسیر ہو جاتا ہے اور یہ تقریبا تمام اہل ھوی اور بدعت کا شیوہ رہا ہے اور ہے۔
مگر چونکہ آپ اہل حق کے ترجمان اور داعی اسلام تھے جس کے نتیجے میں اللہ سبحانہ وتعالی نے آپ کے زبان و قلم کی حفاظت کی تاکہ طالب حق کے لیے مشعل راہ بن سکے۔

آپ کو اللہ تعالی نے صرف حدیث میں کمال عطا نہیں کیا تھا بلکہ آپ بہت سارے علوم و فنون میں یگانہ روز گار اور منفرد زمانہ تھے۔ علم میں کمال کے ساتھ ساتھ زہد و تقوی میں اونچا مقام رکھتے تھے۔ اور تصوف و سلوک کے اعتبار سے بھی آپ مرشدین و مصلحین کے اونچے فہرست میں شامل تھے۔ قصہ مختصر یہ کہ آپ کی ذات ایک انجمن تھی جن کی خاموشی علمی دنیا کو تاریک کر گئی۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نَورُستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

کیرالا میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فیوض وبرکات

از: عبد الشکور القاسمی

(چیرمین واستاد حدیث دارالعلوم الاسلامیۃ اوچرہ کولم، وصدر رابطہ مدارس اسلامیۃ عربیۃ صوبہ کیرلا)

ہمارے استاد، مربی، مشفق، والد روحانی اور دار العلوم دیوبند کے صدر المدرسین وشیخ الحدیث، عظیم مفسر، علوم ولی اللہی وقاسمی کے عظیم شارح اور مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری ثم الدیوبندی نے کچھ دنوں کی مسلسل علالت کے بعد آخرت کی طرف اپنا رخت سفر باندھ لیا، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون، اللهم اجرنا في مصيبتنا وأخلف لنا خيرا منها...
کیرالا شمالی ہندوستان کے کونے میں واقع ایک ریاست ہے، لیکن زبان کی بنیاد پر کچھ اجنبیت اور علیحدگی محسوس کرتی ہے۔ کیونکہ یہاں کی زبان ملیالم ہے جو دنیا کے کسی اور علاقے میں پائی نہیں جاتی ہے۔ اسی وجہ سے علماء دیوبند کے فیوضات وبرکات اور علمی انوار سے عموماً محروم رہی۔ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ ریاست کیرالا دینی علوم سے مکمل عاری تھی، کیونکہ اسلام کے انوار وبرکات چودہ سو سال پہلے ہی سمندر کے راستے سے یہاں داخل ہو گئے تھے، اور مزید یہ کہ مخدومی خاندان کے مایہ ناز علماء اور دیگر اساطین علوم نے یہاں کی علمی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ اور عالمی شہرت یافتہ شافعی فقیہ علامہ ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ نے بھی یہاں پوننانی نامی جگہ کی مسجد میں درس دیا ہے۔

علماء دیوبند کا ورود مسعود ایک طویل عرصہ تک ریاست تامل ناڈو تک محدود رہا، اور ریاست کیرالا ان سے محروم رہا۔ ہمارے علم کے مطابق کیرالا کے سب سے اولین دیوبندی عالم مولانا مصطفی عالم صاحب ہیں جنہوں نے حضرت علامہ کشمیری رحمہ اللہ کے زمانے میں دار العلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد بہت سے علماء اور اکابر نے دیوبند کا رخ کیا۔ جن کی فہرست بہت طویل ہے۔ ان میں سے ایک بڑی ہستی کا نام ہے مولانا شیخ حسن صاحب رحمہ اللہ جو شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد خاص تھے۔ اور پانچ سال دار العلوم میں رہ کر علوم ظاہریہ وباطنیہ میں خصوصی مہارت حاصل کی۔ فراغت کے بعد حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر شمالی ہند کی مشہور دینی درسگاہ جامعہ الباقیات الصالحات ویلور میں تدریسی خدمات میں لگ گئے۔ وہیں سے مسلک علماء دیوبند کیرالا میں پھیلنا شروع ہوا۔ اور اس کے بعد حضرت شیخ حسن صاحب کے طفیل یہاں جمعیت علمائے ہند کا قیام بھی عمل میں آیا اور حضرت اس کے صدر بھی رہے۔ لیکن مسلک علماء دیوبند کو کیرالا میں صحیح رخ دینے اور اس کی توسیع کا کام حضرت الاستاد مولانا مفتی سعید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے انجام دیا۔ حضرت اقدس بڑی مشقت کے ساتھ سفر کر کے پانچ سے زائد مرتبہ کیرالا تشریف لائے جو دیوبند سے ساڑھے تین ہزار کلومیٹر کے فاصلے پر ہے، ان میں ایک دو مرتبہ ٹرین کے سلیپر کلاس میں سفر کر کے آئے تھے۔

پہلے سفر کی نوبت ایسے آئی کہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ تمل ناڈو میں دعوتی واصلاحی سفر پر تشریف لائے تو اس وقت دار العلوم دیوبند کے ایک مایہ ناز فاضل اور علامہ کشمیری رحمہ اللہ سے فیض یافتہ مولانا ابراہیم صاحب (میل وشارم) تمل ناڈو سے حضرت کو کیرالا لائے یہاں جمعہ میں اور کئی جگہوں پر خطاب ہوا۔ اور اس کے بعد کیرالا کی مشہور دینی تنظیم جمعیۃ علماء جنوب کیرالا کے چالیسواں اجلاس عام میں بطور مہمان مکرم حضرت مفتی صاحب کو دعوت دی گئی اور حضرت نے "مسلک علماء دیوبند" پر مفصل خطاب فرمایا، اور جلسے میں ختم نبوت کے سلسلے میں بھی بات کی۔ اس موقع پر کیرالا کے اکابر علماء جیسے حضرت مولانا محمد موسیٰ کانجار جنہوں نے دعوت و تبلیغ کے بابرکت عمل سے کیرالا والوں کو متعارف کرایا، مولانا نوح القاسمی اور مولانا محمد عیسیٰ المنبعی وغیرہ سب نے مل کر حضرت مفتی صاحب کا استقبال کیا۔ اور جامعۃ حسنیۃ واڑ کلم مین ختم النبوۃ کے بارے مین خطاب فرمایا. اس کے بعد شعبہ تحفظ ختم نبوت کی بنیاد ڈالنے کے لئے اور ایک مرتبہ ایک مدرسہ میں درس حدیث شروع کرانے کے لئے حضرت مفتی صاحب اور حضرت مولانا سید ارشد مدنی دامت برکاتہم العالیہ تشریف لائے۔ اور تحفظ سنت اور مذاہب کے سلسلے میں خطاب کرنے کے لئے ایک مرتبہ حضرت کی آمد ہوئی اور الجامعہ الحسنیہ کایم کلم مین خطاب فرمایا۔ اس سفر میں بہت مشقت اٹھانی پڑی تھی۔ اس کے باوجود دو تین مجلسوں میں پوری بشاشت کے ساتھ خطاب فرمایا۔ اور پورے سفر میں ذرا سا بھی وقت ضائع ہونے نہیں دیا۔ مسلسل علمی باتیں کرتے رہے، ٹرین میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ اور مسجدوں میں بھی عمومی باتیں ہوئیں جن میں سورہ کافرون اور سورہ اخلاص کا خلاصہ پیش کر کے اس پر زور دیا کہ اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرنی ہے۔ ایک مرتبہ پھر حضرت کا تحفظ ختم نبوت کے سلسلے میں ورود مسعود ہوا (یہی حضرت والا کے آخری بیان کا بھی موضوع رہا جو رمضان المبارک کے پندرہویں شب کو ہوا تھا) اور الجامعہ الکوثریہ میں ختم نبوت پر بات ہوئی۔

حضرت مفتی صاحب کے کیرالا کے اسفار میں خاص موضوع گفتگو "دار العلوم، مسلک علماء دیوبند اور ختم نبوت" رہتے تھے۔ اور حضرت آل انڈیا تحفظ ختم نبوت کے صدر بھی رہے۔ حضرت کیرالا کے بارے میں ہمہ تن متفکر رہتے تھے اور مسلک شافعی کے تعلق سے کوئی بات جیسے قراءت خلف الامام اور اذان میں ترجیع دوران سبق اگر آجائے تو کیرالا کا تذکرہ دار الحدیث میں کئے بغیر آگے نہیں بڑھتے تھے۔ اور جب بھی ملاقات کے لئے دیوبند میں حضرت کی رہائش گاہ پر پہونچتا تو کیرالا آنے کی خواہش کا اظہار فرماتے تھے۔ کیرالا کے تلامذہ اور متعلقین سے حضرت کا ایک خاص طرح کا تعلق تھا۔ حضرت کے سانحہ ارتحال سے ریاست کیرالا ایک مشفق، مربی اور روحانی پیشوا سے محروم ہو گئی۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

ایک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

(حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد پالنپوری علیہ الرحمہ کی یاد میں)

خون جگر! شمشیر حیدر قاسمی، مدرسہ مقصود العلوم، رامپور، رانی گنج، ضلع ارریہ، بہار

یوں تو اس دنیائے دنی میں کوئی بھی ہمیشہ رہنے کے لئے نہیں آیا، ہر آنے والے کے لئے اس کے آنے سے قبل ہی جانے کا فیصلہ ہو چکا ہے، اور یہ ایسا فیصلہ ہے، جس میں تقدم تأخر کا امکان ہے اور نہ تخلف کی گنجائش، بلکہ اس فیصلے کے خلاف آمد ورفت بساط خلقت سے باہر ہے، یہی وجہ ہے کہ کل سے ہی دل کو سمجھا رہا ہوں کہ استاذ محترم حضرت مفتی سعید احمد صاحب کو خالق موت و زیست کی طرف سے بلاوا آیا، وہ چلے گئے، اس پر رنج وملال فضول ہے، ارے ہاں وہ خود بھی تو پوری زندگی اسی جانے کی تیاری میں لگے رہے، اور اس جانے کے دن کے آنے کئے لئے دن گنتے رہے، مگر دل ہے کہ ماننے کو تیار نہیں، بیتابی پڑھتی ہی جا رہی ہے، جب تب آنکھیں بھی اشکبار ہو جا رہی ہیں، اگر باآواز نوحہ وگریاں ممنوع نہ ہوتا تو چشم گریاں و قلب بریاں کی موافقت میں ہر طرف چیخیں ہی چیخیں سنائی دے رہی ہوتیں، کئی دفعہ سوچا دل کے پھپھولوں کو سینۂ قرطاس پر ثبت کر دوں اور حضرت استاذ محترم کے فراق اور جدائیگی کی وجہ سے غموں اور صدموں کے پھوٹتے لاوے کو کسی قدر ٹھنڈک فراہم کر دوں مگر نہ جانے کیوں الفاظ کے خزانے ہموم وکروب کے اس تیر وتار موقع سے خامہ فرسا ہونے کے لئے بالکل تیار نہیں ہوئے، مجبورا دل تھامنے کی کوشش میں لگ گیا، اور اسے منانے کی کوشش کرنے لگا، دریں اثنا کچھ اس طرح کے افکار وخیالات کا تموج و تلاطم نے مجھے اپنے گھیرے میں لے لیا کہ. علوم ومعارف کے خزانے لٹانے والی زبان دو مہینہ قبل اس عرض ومعروض پر کہ، * جو اللہ چاہے گا وہی ہوگا *، رک گئی تھی، دراصل یہ ایک تمہیدی جملہ تھا، اس طویل سلسلے کے اختتام یا تکمیل پزیری کو ظاہر کرنے کے لئے، جس میں ایک مرد قلندر انتہائی شان وشوکت، جوش وجذبہ، وقار وسنجیدگی اور رعب ودبدبہ کے ساتھ ایک پر نور و پر سکون ماحول میں کبھی الامام الترمذی کے * سنن * سے خوبصورت جملے چن چن کر اس کے گیسوئے برہم کو سنوارتا نظر آتا ہے، تو کبھی الامام الہمام البخاری کے الجامع الصحیح میں مستور آبدار موتیوں سے تشنگان علوم نبویہ کو روشناس کراتا دکھائی دیتا ہے، گاہے امام ابو جعفر الطحاوی کے انظار وافکار سے نقاب کشائی کر رہا ہوتا ہے تو کبھی حجۃ اللہ البالغہ کے صفحات میں مسند الہند الامام ولی اللہ کی نکتہ سنجی ودقیقہ رسی پر انھیں خراج تحسین پیش کرتا دیکھائی دیتا ہے، اسی کے ساتھ اس تمہیدی جملہ میں یہ اشارہ بھی تھا کہ بخاری وترمذی کا عظیم المرتبت شارح، تفسیر ہدایت القرآن کا مصنف، رحمۃ اللہ الواسعہ کا موئلف، نحو، صرف، بلاغت، منطق، فلسفہ، اصول حدیث، اور اصول فقہ جیسے بے شمار علوم پر مشتمل درجنوں کتابوں کا یہ قابل رشک خامہ بردار اب جلد ہی قلم وقرطاس سے اپنا ناطہ توڑ لے گا، مگر ہمارے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ عظیم الشان سلسلہ اس قدر جلدی میں تھم جائے گا، ایک طویل عرصہ سے قرآنی علوم اور نبوی فیوض سے

قلوب انسانی کو منور کرنے والا مسافر سلسلہ مسافرت کو بعجلت تمام منقطع کرلے گا، اور اسی رمضان المبارک کے عشرہ رحمت و عشرہ مغفرت سے رحمتوں اور مغفرتوں کا ذخیرہ جمع کرنے کے بعد بارگاہ الہی سے عتق من النار کا پروانہ حاصل کرتے ہوئے سوئے عدن رواں ہو جائے گا، واہ کتنا دلربا ہوا کرتا تھا وہ منظر جب ملت اسلامیہ ہند کا دھڑکتا ہوا دل مادر علمی دارالعلوم دیوبند کی پر شکوہ درسگاہ حدیث شریف میں شیخ سعید رونق افروز ہوا کرتے تھے، ترجمان درسگاہ لاؤڈ سپیکر پر اپنی انگلی سے بالکل آہستہ آہستہ ایک یا دو مرتبہ ٹھوکر مارتا، جس سے ٹک ٹک کی آواز پیدا ہوتی، جسے سن کر گلشن قاسمی کے چہچہاتے عنادل یکدم خاموش ہو جاتے اور وسیع و عریض درسگاہ میں بالکل سناٹا طاری ہو جاتا اور سب کی نگاہیں مسند درس کی طرف اٹھ جاتی، تو سامنے ایک وجیہ اور بارعب شیخ پورے جلال و جمال کے ساتھ جبہ میں ملبوس، سر پر عمامہ اور عمامہ پر رومال ڈالے ہوئے انتہائی وقار سے مسند آرا ہوتے اور پروانۂ علوم نبوت کو اپنی زیارت سے سرفراز فرماتے اور پھر پوری درسگاہ میں شیخ سعید احمد کی یہ خوبصورت آواز سنائی دیتی، ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ '' جواب میں طلبہ کی طرف سے جذبۂ جانثاری سے موجزن غایت ادب کے ساتھ کسی قدر دھیمے لہجے میں * وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ وبرکاتہ * کی صدا بلند ہوتی، اس کے بعد کوئی متعین طالب علم نہایت ہی پر کیف اور خوبصورت آواز میں حدیث پاک کی عبارت پڑھتا پھر شیخ سعید اپنے مخصوص لہجہ، پر کیف انداز، منفرد طرز تفہیم، کانوں میں رس گھولنے والی آواز اور بہت ہی دلکش اشاروں کے ساتھ متعلقہ عبارت کی اس طرح تسلی بخش تشریح فرماتے کہ طلبہ بزبان قال یا بزبان حال پکار اٹھتے کہ،

ہیں اور بھی دنیا میں سخن ور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالبؔ کا ہے انداز بیاں اور

افسوس صد افسوس مادر علمی دارالعلوم دیوبند کی درسگاہ حدیث شریف کو اس امتیازی شان سے رونق بخشنے والا شیخ اب ہمیشہ کے لئے ہم سے روٹھ گیا ہے، اور ہمیں سسکتا و بلکتا چھوڑ کر عروس البلاد سے ملحق جوگیشوری کے اوشیورہ مسلم قبرستان نامی شہر خموشاں میں ہمیشہ کے لئے اس حال میں روپوش ہو گیا کہ ہم نہ صرف ان کی آخری دیدار کو ترس گئے بلکہ ہم ان کے قبر انور پر خاک ڈالنے سے بھی محروم رہ گئے۔

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

❒❖❒

حضرت الاستاذ پالن پوری رحمہ اللہ کے ساتھ پیش آئے میرے محبت بھرے کچھ واقعات

از: امین افسر کیرانوی

سال ۲۰۰۸ کا آغاز تھا بندہ بنگلور جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم سے دار العلوم دیوبند دورہ حدیث مطلوب کے لیے اپنے چودہ ساتھیوں کے ہمراہ دیوبند وارد ہوا اور رب کریم کے فضل اور اپنے اساتذہ عظام کی دعاؤں سے داخلہ امتحان میں اوّل پوزیشن سے کامیاب ہوا۔ ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء

۱۔ عبارت میں غلطی پر حضرت الاستاذ کی محبت

حضرت الاستاذ بخاری شریف جلد اوّل اور ترمذی شریف جلد اوّل پڑھاتے تھے بندہ ان خوش نصیب طلبہ میں سے ایک تھا جو پابندی سے عبارت خوانی کا شرف پاتے تھے ہمارے ترجمان مولوی حامد بھوپالی ہوا کرتے تھے اللہ انہیں جزائے خیر دے ایک دن کے ناغے سے عبارت پڑھنے کا موقعہ وہ اکثر دیتے ایک روز جمعرات کا دن تھا بریانی کی درخواست چٹھی کی شکل میں حضرت الاستاذ کو پہنچ چکی تھی ذہن کھانے میں لگا تھا بندہ عبارت پڑھ رہا تھا عجیب اتفاق کہ ایک مقام پر عبارت "يقول أبو هريرةَ" بالفتح کی جگہ "يقول أبو هريرةُ" بالضم منہ سے نکل گیا غلطی چھوٹی ہونے کے ساتھ چونکہ موٹی تھی تو ساتھی ہنس پڑے مجھے فوراً احساس ہوا اور میں حضرت کو دیکھنے لگا کہ اب تو میری لٹیا ڈوبی؛ لیکن عجیب شان اللہ کی کہ خلاف معمول حضرت بھی مسکرا رہے ہیں پھر فرمایا:
* "چل چل تیرے لیے سب چلیگا" * یہ غایت محبت تھی!!!

عبارت کی غلطی پر پیاری سی پھٹکار

ایک موقع پر بندہ ترمذی شریف کی عبارت پڑھ رہا تھا اللہ جانے کیا غلطی ہوئی یا اٹک ہوئی حضرت الاستاذ نے ٹوکتے ہوئے فرمایا: " تیری چڑیا جیسی تو آواز ہے؛ بس رہنے دے تجھ سے اچھا تو میں ہی پڑھ لوں "
پھر حضرت الاستاذ نے ایک حدیث خود پڑھی مناسب شرح فرمائی پھر فرمایا * "چل پڑھ" * وللہ الحمد ساتھیوں نے سبق کے بعد کہا کہ تم بچ گئے ورنہ ایک بار حضرت کسی کو "بس رہنے دے" فرمادیں تو آئندہ پورے سال اس کا نمبر آنا ممکن ہی نہیں!

ایک بار میری دیر حاضری پر عجیب شفقت

بعد مغرب حضرت الاستاذ کی ترمذی ہوا کرتی تھی ایک روز کا واقعہ ہے کہ مجھے اس روز چائے پی کر آنے میں اتنی دیر ہو گئی کہ حضرت الاستاذ دار الحدیث تشریف لا چکے تھے اور مسند پر تشریف رکھ چکے تھے سب جانتے ہیں کہ اگر کوئی طالب علم حضرت الاستاذ کے درسگاہ تشریف لے آنے کے بعد درسگاہ آتا اور حضرت الاستاذ کی نظر پڑ جاتی تو کیا مجال کہ وہ بیٹھ سکتا؟ اس کو باہر کر دیا جاتا حضرت الاستاذ فرماتے: * "اسے باہر نکالو، چل چلا جا تیرے بغیر بھی سبق ہو جائیگا" * الغرض کہ مجھے دیر ہو گئی اب کتاب ہاتھ

میں لیے میں پریشان کہ اندر جاؤں یا نہ جاؤں! اگر جاتا ہوں تو حشر معلوم ہے اور نہیں جاتا ہوں تو سبق چھوٹنے کا غم! اللہ کا شکر کہ ایک عجیب ترکیب اللہ نے ذہن میں ڈالی وہ یہ کہ مہمان کو حضرت الاستاذ باہر نہیں نکالتے تھے وہ جب بھی آوے اسے اجازت تھی میں نے سوچا چلو آج طالب علم کا بھیس تبدیل کر کے مہمان کے بھیس میں اندر داخل ہوتا ہوں سردی کا زمانہ تھا چادر پاس تھی میں نے چادر سے میواتی انداز میں سر پر پگڑّ باندھا اور ترمذی شریف کو ایک تھیلے نما بیگ میں رکھا اور نظر جھکاتے ہوئے درسگاہ میں گھس گیا حضرت الاستاذ کے بائیں جانب سے دار الحدیث کا دروازہ کوئی بیس قدم دوری پر ہو گا وہ فاصلہ مجھے طے کرنا تھا میں چلا جارہوں ایک ایک قدم ایسا بھاری کہ بیان نہیں کر سکتا اور ادھر تقریباً ایک ہزار طلبہ کا مجمع میرے انجام کو سوچ کر مجھے دیکھتا اور ہنستا جارہا حضرت الاستاذ کو بھنک لگ گئی حضرت بھی مڑ کر مجھے برابر دیکھتے جارہے اور مسکراتے جارہے ہیں میں اپنی تیسری تپائی کو چھوڑ کر سیدھے حضرت الاستاذ کے تخت کی جڑ میں جا بیٹھا سارے طلبہ بے اختیار ہنس پڑے میں نے گردن اٹھا کر حضرت الاستاذ کو دیکھا تو دنگ رہ گیا کہ حضرت خود بھی رومال منہ پر لگائے بے تحاشہ ہنس رہے ہیں پھر فرمایا: *ابے بھیس کے انڈے تجھے اتنی دور سے چل کر یہیں مرنا تھا؟ وہیں دروازے پر مرتا یہاں تک آنے کی کیا ضرورت تھی" * یہ فرمایا اور پھر ہنسے اور اپنے مخصوص انداز میں لا الہ الا اللہ پڑھتے ہوئے کتاب کھولی اور سبق شروع فرمایا!

حضرت والا کو میرا اخلاص بھرا ہدیہ

ایک روز بخاری کے درس سے فارغ ہو کر جانے لگے میرے اندر عجیب محبت کی کیفیت تھی میں نے سوچا کہ آج حضرت کو ٹھنڈا جوس پیش کرونگا پیسے تو پاس نہیں تھے؛ لیکن حضرت الاستاذ کی محبت میں جوس کی دکان پہنچا معراج ریسٹورینٹ کے بالکل سامنے والا بندہ اس سے ایک بڑا گلاس انار کا رس تیار کروایا کہ پیسے کل دے دونگا اور لیکر دوڑتے ہوئے حضرت الاستاذ کی راہ دیکھنے لگا حضرت کے محلے کے قریب پہنچ کر حضرت کو دیکھ لیا اور رفتار آہستہ کرلی کہ جب حضرت بالکل گھر کی سیڑھی پہ ہونگے تب درخواست کرونگا؛ چنانچہ قریب پہنچ کر سلام کیا تو حضرت والا نے دیکھ کر پوچھا کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا حضرت آپ کی خدمت میں یہ انار کا رس لایا ہوں تو فرمایا "اسے واپس لیجا" میں طالب علموں سے کچھ نہیں لیا کرتا! میں نے آبدیدہ ہو کر عرض کیا کہ حضرت بڑی محبت سے لایا ہوں ایک بار قبول فرمالیں تو حضرت والا نے فرمایا ٹھیک ہے وہاں رکھ دو اور کل اپنا برتن لیجائیو! میں رکھ کر محبت میں روتا ہوا وہاں سے واپس آگیا!

دیوبند میں ایک ہنگامہ اور میری تلاوت

رات کے تقریباً دس بج رہے تھے بخاری ثانی کا درس شروع ہوا چاہتا تھا کہ اچانک خبر پھیلی کہ باہر دو سی آئی ڈی دو طلبہ کو بنگلہ دیشی ہونے کے الزام میں گھیرے ہوئے ہیں چند منٹوں میں تین چار ہزار طلبہ ان کے گرد جمع ہوگئے اور سی آئی ڈی کے دونوں لوگوں کو آڑے ہاتھوں لے لیا قبل اس کے کہ ان کی دھلائی ہوتی مولانا مدراسی اور دو ایک اساتذہ آپہنچے اور ان دونوں کو مہمان

خانے میں چھپا دیا وہ تو بچ گئے لیکن جس بائک پہ وہ آئے تھے اس کا ہم طلبہ نے ستیاناس کر دیا اور دل کھول کر کئی قسطوں میں اسے پھوڑا اور اس کے پرزے پرزے کرڈالے قصہ مختصر کہ اچانک اعلان ہوا کہ سب طلبہ دار الحدیث پہنچ جائیں حضرت شیخ الحدیث پالنپوری دامت برکاتہم طلبہ سے اہم بات کرنے کو تشریف لا رہے ہیں کوئی پل بھر میں سارا دار الحدیث طلبہ سے کھچا کھچ بھر گیا اور کچھ ہی دیر میں حضرت الاستاذ بھی تشریف لے آئے اور فرمایا کوئی تلاوت کرو ساتھیوں نے تلاوت کلام پاک کے لیے میرا انتخاب کیا اور مائک مجھے دیا گیا میں نے اللہ کی توفیق سے اس وقت الہامی آیات پڑھیں جو یہ تھیں *محمد رسول اللہ والذین معه أشداء علی الكفار رحماء بينهم ...الخ* جن میں صحابہ کا کافروں پر سخت اور آپس میں رحم دل ہونے کا مضمون ہے تلاوت کے اختتام پر حضرت الاستاذ نے فرمایا *ابھی ہمارے عزیز نے جو آیات پڑھی ہیں بالکل اسی موقع کے مناسب ہیں* میرے عزیزو! تم نے جو کیا بہت اچھا کیا! ایسا ہی کرنا چاہیے تھا! اب کوئی بھی دار العلوم میں قدم رکھنے سے پہلے سو بار سوچے گا؛ لیکن اب اتنا کافی ہے اب کیا کرنا ہے؟ اب یہ کرنا ہیکہ کہ چپ چاپ جاؤ اور اپنے کمروں میں بستر لگاؤ اور پڑ کے سو جاؤ! باہر کوئی نہ جائے۔ الغرض ایک ہنگامے کو مزید خطرناکی سے حضرت الاستاذ نے یوں بچا لیا!

حضرت کے سلام کا جواب اور مجھے دو مرتبہ محبت سے "گدھا" فرمانا

حضرت اپنے معمول کے موافق سب سے پہلے مسند کے پاس کھڑے کھڑے سلام فرماتے اور طلبہ جواب دیتے میری عادت تھی میں سب سے ممتاز الگ انداز میں پوری تجوید کے ساتھ عربی لہجے میں سب سے بلند آواز میں جواب دیتا ایک روز تشریف لائے اور حسب معمول سلام کیا میں نے اسی انداز میں جواب دیا تو میری طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا "ادھر ایک گدھا بیٹھتا ہے جو سلام کا جواب چبا چبا کر دیتا ہے"! میں سمجھا حضرت والا کو برا لگتا ہو گا دو تین دن تک معمولی آواز میں جواب دیا۔ غالبا چوتھے روز جب تشریف لائے تو فرمایا ادھر اس طرف ایک گدھا بیٹھتا تھا اور سلام کا جواب دیتا تھا وہ کہاں چلا گیا اس کی آواز ہی نہیں آتی اب؟!!

آخری درس بخاری اور میری ایک حماقت

بخاری کا آخری سبق تھا حسب معمول حضرت الاستاذ نے مسلسلات کی ایک روایت کے مطابق سورہ صف کی تلاوت فرمائی اور جہاں جہاد کا ذکر ہے وہاں ہمیں ایسی ہمت دلائی کہ ہر طالب علم گویا بجائے خود اپنے آپ کو مجاہد تصور کر رہا تھا نہ جانے مجھے کیا عجیب جوش آیا اور میں نے ایک زور دار نعرہ لگا دیا "نعرہ تکبیر"؛ لیکن بد قسمتی سے ایک بھی طالب علم نے "اللہ اکبر" کہکر جواب نہ دیا یہ دیکھ کر میں فورا اپنی تپائی کے نیچے چھپ گیا اور چوری سے حضرت الاستاذ کو دیکھنے لگا کہ اب کیا حکم صادر فرماتے ہیں تو حضرت نے اندازہ لگا لیا کہ یہ حماقت مجھ نالائق ہی کی ہو سکتی ہے پھر میری طرف دیکھتے ہوئے فرمایا: نالائق یہ وقت کوئی نعرہ لگانے کا ہے؟ انتہیآہ اب تم سا کہاں سے لاؤں! ❑ ❖ ❑

منظوم کلام

مرثیہ

.بروفات حضرت أقدس مفتي سعيد أحمد پالنپوري نور الله مرقده. شیخ الحديث دارالعلوم ديوبند

از بنده محمد يوسف تاؤلوي خادم تدريس دارالعلوم ديوبند. الهند

حق تعالیٰ نے بنایا ان کو ذی علم و ہنر

معدن اخلاق بہی اور علم و فن کا اک گہر

معدن حکمت بہی ہے لعل و گہر سے کم نہیں

ذی بصیرت۔ پر ضیا ہے۔ ساتھ میں نور بصر

سوز دل۔ درد نہاں۔ عفو و کرم بہی بے مثال

علمی کر و فر بہی ہے اور ساتھ میں سوز جگر

گنج علم و آگہی ہے ان کی محنت کی دلیل

لطف کتب بینی بہی ہے ذوق مناجات سحر

میرا دیرینہ تعلق ان سے وابستہ رہا

بہت سے اسفار میں دیکہا ہے میں ذوق سفر

محسن و ہمدرد۔ سادہ۔ بے تکلف ہم سفر

میں نے دیکھا ہے سفر میں ساتھ میں لطف حضر

بحر عرفاں۔ چشم تر۔ غواص اسرار و حکم

دور رس بھی۔ حق نگر بھی ساتھ میں حق بیں نظر

عدل سے دیکھو تو ہستی جامع الاشتات ہے

جلوئے صدیق بھی ہے اور کبھی رعب عمر

لذت شب زندہ داری کا کمال ان کو ملا

پختگی تھی علم میں اور ذات ان کی ذی اثر

الفت علم نبوت دل میں ان کے موجزن

بس یہی راحت کا ساماں تھا نہ کچھ چیز دگر

ابر رحمت ان کی تربت پر رہے سایہ فگن

ان کی کھیتی پر کبھی ظاہر نہو گرد سفر

صدق کا اعلی ٹھکانہ ان کو یارب کر عطا

ہے دعا یوسف کی یارب کر عطا اعلی ثمر

مرثیہ بر وفات

حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد پالن پوریؒ شیخ الحدیث دار العلوم دیو بند

فضیل احمد ناصری

زمیں ماتم کُناں ہے علم و فن کا آسماں ڈوبا
ستاروں میں ہے ہنگامہ کہ خورشیدِ جہاں ڈوبا

عنادل نالہ زن ہیں، پھول سارے چاک دامن ہیں
کسی کے سوگ میں سارے کا سارا گلِ سِتاں ڈوبا

کتابیں رو رہی ہیں، کاپیوں پر حشر برپا ہے
سعید احمد کی رحلت سے حقائق کا نشاں ڈوبا

بپا ہے شورِ نالہ خانقاہوں کی فضاؤں میں
سلوک و معرفت کی منزلوں کا راہ داں ڈوبا

لباسِ ماتمی پہنا فصاحت اور بلاغت نے
کہ اک سِحرُ اللساں، جانِ قلم، فخرِ بیاں ڈوبا

نہ لے اے ہم نشیں دار الحدیثوں کی خبر ہم سے
کہ بحرِ رنج و غم میں فکر و فن کا ہر سماں ڈوبا

نہیں ایسا کہ پالن پور ہی ڈوبا ہو صدمے میں
حجاز و مصر ڈوبے ، متحد ہندوستاں ڈوبا

اجل کے ہاتھ نے مشکل تصرف کر دیا ہم پر
فراقِ رہ نما میں آج پورا کارواں ڈوبا

گریں کچھ اس ادا سے بجلیاں اربابِ گلشن پر
مسلسل آنسوؤں میں بلبلوں کا آشیاں ڈوبا

خدایا ناصری کو صبر کا یارا عطا کر دے
غمِ استاذ میں اس کا ہر اک عزمِ جواں ڈوبا

دکھے دلوں کی عرضی

شہِ دو جہاں کی بارگاہ میں

بروفات حضرت اقدس مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری نور اللہ مرقدہ

قاسم نور حیدرآبادی

صبا تو روضے پہ ان کے جاکے بڑے ادب سے سلام کہنا
سلام کے بعد بے کسوں کا دکھوں بھرا اک پیام کہنا

یہ کہنا ان سے کہ دور تم سے ہوا ہے یاں حادثہ ایسا
دل کی بستی اجڑ گئی ہے، غموں کی بکھری ہے شام کہنا

وہ ایک ساقی تمہارا عاشق پلا رہا تھا جو مئے محبت
بہت دنوں سے تھامے کدے میں جو روحِ مینا و جام کہنا

وہ آج فرقت کا داغ دے کر وہ الوداع الوداع کہہ کر
سسکتے روتے ہوئے دلوں کو پلا گیا غم کا جام کہنا

چمن کے ان سرخ رو گلوں کو اس نے خون جگر دیا تھا
حقیر ذرے بنے تھے ہاتھوں میں اس کے ماہِ تمام کہنا

اس نے سب کو افق پر پرواز کا نیا طور تھا سکھایا
اس کے دم سے امید کے دیپ جل رہے تھے مدام کہنا

یہ کیسی آندھی چلی یکایک کہ بجھ گئے آس کے دیے سب
اداس و ویران ہو گئے ہیں ہر ایک در اور بام کہنا

اجڑ گئی ہیں وہ محفلیں سب بکھر گئے ہیں وہ سارے منظر
خراب حالوں کا اب نہیں ہے کوئی بھی عالی مقام کہنا

وہ جس کے دیدار سے تھی قلب و جگر کو آسودگی میسر
اب اس روئے جانفزا کو آقا ترس رہے ہیں غلام کہنا

حیات کا بے نشاں جزیرہ کسی کی شفقت کا تھا پیاسا
مگر وہ شفقت کا ماہِ تاباں غروب ہو گیا آج شام کہنا

یہ کہنا آقا کہ اس کی محفل کی جلوہ افشانیوں کے منظر
بہت ستاتے ہیں یاد آکر یہ دل ہے تڑپے مدام کہنا

یہ کہنا ان سے تمھارا اک امتی ہے صد پارہ، شکستہ
نہیں ہے کچھ باعث سکوں بس وہ روئے ہے صبح و شام کہنا

نظم

استاذ محترم حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری کے انتقال پر ملال پر لکھی گئی دل کی ترجمانی کرتی نظم

اظفر اعظمی

ہر دل ہے حزیں ہر آنکھ ہے نم اب ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا

منہ موڑ لیا ہے کیوں اس نے وہ ہم سے کیوں اب روٹھ گیا

خود آنکھ تو اپنی بند کر لی ہر آنکھ مگر نمناک ہوئی

دل زور سے دھڑکا سن کر یہ وہ شیخ ہمارا چھوٹ گیا

اس دل کو سنبھالا کیسے دیں اس آنکھ کو کیسے سمجھائیں

بے تاب ہوا ہے سارا جہاں یہ کیسا پھپھولا پھوٹ گیا

ہر شخص یہاں غمگین ہوا اب کون تسلی کس کو دے

غمخوار نہیں ہے کوئی بھی محفل کو وہ ایسے لوٹ گیا

راضی برضا ہی رہنا ہے جنت میں ملیں گے شیخ سے ہم

اظفر کو تسلی ہو جائے کہہ دو کہ نہیں وہ جھوٹ گیا۔۔

مرثیہ

محدث عصر فقیہ دوراں حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالنپوری علیہ الرحمۃ کی رحلت,

ایک عہد کا خاتمہ

نتیجہ فکر: رشید الدین معروفی

افسردہ کلی، پژمردہ ہے گل، اب عہد بہاراں ختم ہوا

صد پارہ ہوا دامانِ جگر اک درد کا درماں ختم ہوا

وہ مشک ختن,وہ شیخ زمن، وہ علم وہنر کا درعدن

گلزارِ ادب ویران ہوا، گلبانگ گلستاں ختم ہوا

میخانے ہوئے خالی ایسے کہ جام وسبو بھی ٹوٹ گئے

ساقی جو گیا تو ایسا گیا پینے کا ہی ساماں ختم ہوا

ساحل کی طلب میں رہ رو ہیں، طوفان کی ہر سو آہٹ ہے

ملاح ہوا رخصت ہم سے، اور عزمِ جواناں ختم ہوا

مایوس مکیں، سنسان مکاں، نمناک زمیں، غمناک زماں

یہ کون گیا منزل سے مری اک عہد درخشاں ختم ہوا

سینوں میں نہاں ہے سوزش غم آنکھوں میں رواں ہے اشک الم

روپوش ہوا مہتابِ فلک، اور نور بیاباں ختم ہوا

یہ بزم جہاں ہے راہ گذر، ہر کوئی یہاں ہے پابہ سفر

اک دھڑکن دل کیا بند ہوئی ہر جوبنِ جاناں ختم ہوا

کہتے ہیں سعید احمد ان کو، وہ علم کا مہر تاباں تھا

اس ماہ جبیں کی رحلت سے اک شہر نگاراں ختم ہوا

اے رب دوعالم سن لے تو یہ نالۂ سوزِ رشید الدیں

پھر بھیج دے کوئی مہر مبیں، آفاقِ درخشاں ختم ہوا۔

❑❖❑

دعائیہ کلام

بروفات حضرت مولانا و مفتی سعید احمد پالنپوری رحمۃ اللہ علیہ

حیدر میواتی ندوی

مرے استاذ کا نعم البدل مولا عطا کر دے
چمن میں ہمنوا ان سا کوئی نغمہ سرا کر دے

زمیں گریہ کناں ہے آسماں نالاں ہے فرقت میں
لگا جو زخم ہے دل میں خدا اس کی دوا کر دے

چراغ مصطفٰے اب گل ہوا جاتا ہے گلشن میں
تو اپنے نور سے اس کی ضیا مولا سوا کر دے

گیا باطل شکن، ایوان باطل میں چراغاں ہے
مرے مولا ہمیں پھر اک عطا شعلہ نوا کر دے

سلوک و معرفت کی آج گلیوں میں ہے خاموشی
تو پھر آباد ویرانے میں اک شہر وفا کر دے

ہجوم عاشقاں دیدار کو بیتاب رہتا تھا
مرے استاذ کا ثانی کوئی جلوہ نما کر دے

ہزاروں تشنگان علم و فن نے فیض پایا تھا
تو پیدا ان کے جیسا نکتہ داں اک رہنما کر دے

سنائے حال دل کیسے ہے مجبور نوا حیدر
خدایا مغفرت حضرت کی صدقے مصطفیٰ کر دے

❒❖❒